شرف الدین شیخ سعدیؒ

اچھا مشورہ:

ملک مصر کے شہر اسکندریہ میں ایک بار بہت سخت قحط پڑا۔ کافی عرصے سے بارش نہیں ہوئی تھی، اس لئے زمین جھلس کر رہ گئی تھی۔ فصلیں برباد ہو گئی تھیں، لوگ پانی کے ایک گھونٹ اور روٹی کے ایک نوالہ کے لئے ترس رہے تھے۔

ان سخت دنوں میں ایک ہیجڑے نے لنگر جاری کر دیا۔ بھوکے اس کے در پر جا کر اپنی پیٹ کی آگ بجھاتے اور خوشی خوشی واپس لوٹتے۔ ان حالات میں درویشوں کی حالت تو اور بھی خراب تھی۔ چنانچہ رزق کی تنگی سے گھبرا کر خدا رسیدہ بزرگوں کے ایک گروہ نے اس ہیجڑے سے امداد طلب کرنے کا ارادہ باندھا، اور شیخ سعدی سے مشورہ طلب کیا۔

ہمیں بتایئے، اس ہیجڑے سے امداد لینا بہتر رہے گا یا نہیں؟۔

شیخ سعدی فرماتے ہیں:

''میں نے زوردار الفاظ میں کہا:

آپ حضرات دل میں اس قسم کا خیال بھی نہ لائیں۔ اگر شیر بھوک سے تڑپ رہا ہو۔ اس کو جان کے لالے پڑ گئے ہوں پھر بھی وہ کتے کا چھوڑا نہیں کھاتا۔ خوددار انسان کبھی بھی گندگی کے ڈھیر سے رزق نہیں لیتے، اور متقی انسان کبھی سفلے کے در پر نہیں جاتا۔''

حضرت سعدی نے اس حکایت میں یہ بات واضح کر دی ہے کہ حصول رزق اور اپنی حاجات پوری کرنے کے لئے شرفا کو وہ پستی اختیار نہیں کرنی چاہیئے۔ جو جانوروں کا خاصہ ہے۔ انسان کے اشرف المخلوقات ہونے کا ایک ثبوت یہ بھی ہے کہ انتہائی ضرورت اور تکلیف کے وقت بھی وہ جائز اور ناجائز، حلال و حرام کو فراموش نہیں کرتا۔ جو لوگ یہ

احتیاط نہیں کرتے۔ جانوروں کی صف میں شامل ہو جاتے ہیں۔

اناڑی مریض:

ایک شخص کی آنکھیں دکھنے آ گئیں، اسے چاہئے تھا کہ وہ اپنے علاج کی غرض سے کسی طبیب کے پاس جاتا لیکن وہ جانوروں کے علاج کرنے والے سلوتری کے پاس چلا گیا، اس عقل مند نے وہی دوا اس کی آنکھوں میں بھی ڈال دی جو جانوروں کی آنکھوں میں ڈالا کرتا تھا، اس حماقت کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس شخص کی بینائی زائل ہو گئی۔

وہ شخص قاضی کی عدالت میں جا پہنچا، سلوتری پر مقدمہ دائر کی دیا، قاضی نے سارا بیان سنا تو مقدمہ خارج کر دیا اور کہا:

''اگر یہ شخص گدھا نہ ہوتا تو اپنی آنکھوں کے علاج کے لئے سلوتری کے پاس ہرگز نہ جاتا۔''

دانائی کا تقاضا ہے کہ اگر کسی شخص سے کوئی کام لینا ہو تو اس کے علم اور اہلیت کے بارے میں کام سپرد کرنے سے پہلے تحقیق کر لی جائے۔

حضرت شیخ سعدی نے اس حکایت میں یہ نکتہ بیان کیا ہے کہ بولنے سے پہلے سوچنا، اور کوئی کام کرنے سے پہلے اس کے نتائج پر غور کر لینا مفید ہے۔ بصورت دیگر اکثر ایسا ہوتا ہے کہ آنکھوں کا مریض سلوتری سے دوا ڈلوا کر بینائی سے محروم ہو جاتا ہے۔

ب

بچھو کی پیدائش:

''حضرت سعدی فرماتے ہیں:

''میں نے کسی کتاب میں پڑھا تھا کہ بچھوں کی پیدائش عام جانوروں کی طرح نہیں ہوتی، اپنی ماں کے پیٹ میں جب یہ کچھ بڑا ہو جاتا ہے تو اندر سے پیٹ کو کاٹنا شروع کر دیتا ہے، اور یوں سوراخ کر کے باہر آ جاتا ہے۔''

سعدی فرماتے ہیں:

''میں نے یہ بات ایک مرد دانا کے سامنے بیان کی تو انہیں نے فرمایا:

''میں سمجھتا ہوں کہ یہ بات درست ہی ہوگی۔ بلکہ اسے درست ہونا چاہئے، بچھو کی فطرت اور عادت پر غور کیا جائے تو یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ اس نے اپنی زندگی کے پہلے دن سے برائی ہی کی ہوگی، یہی باعث ہے کہ ہر شخص اس سے نفرت کرتا ہے، اور دیکھتے ہی مار ڈالتا ہے۔''

جو شخص اپنوں سے وفا نہیں کرتا، وہ کبھی غیر کا بھی نہیں ہوتا، عقل مند کے لئے اشارہ ہی کافی ہے۔ کچھ ایسے لوگ بھی جن کی فطرت ہی میں برائی کوٹ کوٹ کر بھری ہے ایسے ضرر رساں لوگ بغیر کسی مقصد کے دوسروں کو نقصان ہی پہنچاتے رہتے ہیں۔

حضرت سعدی نے اس حکایت میں بچھو کی پیدائش کی مثال دے کر بد فطرت لوگوں سے علیحدہ رہنے کی تلقین کی ہے۔ انسان کی نفسیات کا مسئلہ بے حد الجھا ہوا ہے۔ یہ بات آسانی سے سمجھ میں نہیں آسکتی کہ کوئی شخص شریف اور کوئی بد فطرت و بد خصلت کیوں ہے۔ لیکن اس بات سے کسی طرح بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ

انسانوں میں یہ فرق موجود ہے، اور اہل عقل کے لیے لازم ہے کہ اس فرق کو ہر معاملے میں ملحوظ رکھیں۔

بدآواز خطیب:

بیان کیا جاتا ہے کہ ایک خطیب بہت ہی بدآواز تھا، اور دلچسپ بات یہ ہے کہ وہ خود کو خوش آواز سمجھتا تھا، وہ اپنی خوش فہمی کی بنا پر خوب چلا چلا کر خطبہ دیا کرتا تھا، لوگ اس کا چیخنا چلانا سن کر تنگ آ چکے تھے، لیکن خطیب کو اس کی کچھ پرواہ نہ تھی، وہ تو اپنی طرف سے اہل بستی پر احسان کر رہا تھا۔

ایک دن خطیب کے گھر ایک ایسا شخص مہمان بن کر آیا، جو اس کے سامنے تو اسے اچھا کہتا تھا، لیکن درپردہ اس کا برا چاہتا تھا۔ اس مہمان کو خطیب کے حالات معلوم ہو گئے تو ایک دن کہنے لگا:

"آج رات میں نے خواب میں دیکھا کہ آپ کی آواز بہت اچھی ہو گئی ہے۔ آپ خطبہ دے رہے ہیں، اور سننے والے خوش ہو رہے ہیں۔"

مہمان کی بات سن کر خطیب نے اس پر غور کیا، اور پھر بات اس کی سمجھ میں آ گئی، وہ سمجھ گیا:

"میری آواز بہت خراب ہے۔ جس کی وجہ سے بستی کے لوگ پریشانی محسوس کرتے ہیں

خطیب نے دل میں پکا ارادہ کر لیا۔

"آئندہ کبھی اونچی آواز میں خطبہ نہ دوں گا۔"

اور یوں بستی والوں کی پریشانی کا خاتمہ ہو گیا۔

بدآواز قاری:

بیان کیا جاتا ہے، ایک ایسا شخص جس کی آواز اچھی نہ تھی۔ بہت بلند آواز میں

قرآن مجید کی تلاوت کیا کرتا تھا، ایک دن ایک دانش مند شخص اس طرف سے گزرا تو اس نے پوچھا:

''بھائی: تجھے اس کام کا کیا معاوضہ ملتا ہے؟''

اس نے جواب دیا:

''کچھ بھی نہیں۔''

دانش مند نے کہا:

''پھر اس قدر مشقت کیوں اٹھاتا ہے؟''

وہ قاری بولا:

''خدا کے لئے پڑھتا ہوں۔''

''خدا کے لئے مت پڑھا کر۔ اگر تو اسی طرح قرآن کی تلاوت کرتا رہا تو ایک دن اسلام کی رونق کم ہو جائے گی۔''

اس حکایت میں شیخ سعدی نے اس طرف توجہ دلائی ہے کہ نیکی اور بھلائی کے کاموں میں بھی شائستگی اور احسن طریقہ اپنانا ضروری ہے۔ مخاطب پر ایسے ہی انداز کا خوشگوار اثر ہوتا ہے۔ ورنہ دوسری صورت میں اصلاح پر آمادہ لوگ بھی بدک جاتے ہیں،

اور ان کی طبیعت اپنے حال میں مست رہنے کی طرف مائل ہو جاتی ہے، دین کی مشکل بنا کر پیش کرنا بھی اسی نوعیت کی بات ہے۔ ایسا کرنے سے اسلام کی رونق زیادہ نہیں کم ہوتی ہے۔

بہترین تدبیر:

کسی نے ایک عالم سے پوچھا:

''یہ بتایئے، ایک جوان صحت مند آدمی ایک خوبصورت عورت کے ساتھ ایسے مکان میں ہو جس میں ان دونوں کے سوا کوئی نہ ہو، نہ اسے

خوف ہو کہ کوئی اسے گناہ سے روکے گا، اور نہ یہ ڈر ہو کہ اس کا گناہ ظاہر ہو جائے گا،تو کیا ایسی صورت میں وہ گناہ سے بچ سکتا ہے؟''

''ہاں بچ سکتا ہے لیکن خلق خدا کی الزام تراشی سے نہیں بچ سکتا۔''

یہ ناممکن نہیں کہ انسان، انسان کے شر سے نہ بچ سکے، ہاں بدخواہ انسان کے شر سے بچنا ناممکن ہے۔

اس حکایت میں شیخ سعدی نے یہ زریں نکتہ بیان فرمایا ہے کہ جس طرح گناہ سے سخت نفرت کرنا اور خود کو پاک رکھنے کوشش ضروری ہے، بالکل اسی طرح ایسے مقامات سے بھی دور رہنا چاہئے جہاں گناہ ہو جانے کا احتمال ہو۔ انسان اپنی نیک نفسی کے باعث پاک بھی رہے۔ پھر بھی لوگ طرح طرح کی باتیں بنائیں گے اور شک کا اظہار کریں گے۔

بادشاہ اور قیدی:

ایک بادشاہ کی عدالت میں کسی مجرم کو پیش کیا گیا۔ بادشاہ نے مقدمہ سنتے ہی اشارہ کیا کہ سے قتل کر دیا جائے۔ بادشاہ کے حکم پر پیادے اسے قتل گا کی طرف لے چلے،تو اس نے باشاہ کو برا بھلا کہنا شروع کر دیا۔ کسی شخص کے لئے بڑی سے بڑی سزا یہی ہوسکتی ہے کہ اسے قتل کر دیا جائے ،اور چونکہ اس شخص کو یہ سزا سنائی جا چکی تھی ،اس لئے اس کے دل سے یہ خوف دور ہو گیا تھا کہ بادشاہ ناراض ہو کر اس کے درپے آزاد ہو گا۔

بادشاہ نے یہ دیکھا کہ قیدی کچھ کہہ رہا ہے تو اس نے اپنے وزیر سے پوچھا:

''یہ شخص کیا کہہ رہا ہے؟''

بادشاہ کا یہ وزیر بہت نیک دل اور خداترس انسان تھا۔ اس نے سوچا اگر ٹھیک بات بناؤں تو باشاہ غصے سے دیوانہ ہو جائے گا،ہوسکتا ہے قتل کرنے سے پولے اس قیدی کو سخت عذاب میں مبتلا کرے۔

اس نے جواب دیا:

''عالی جاہ، یہ کہہ رہا ہے کہ اللہ پاک ان لوگوں کو پسند کرتا ہے، جو غصے کو ضبط کر لیتے ہیں، اور لوگوں کے ساتھ بھلائی کرتے ہیں۔''

وزیر کی بات سن کر بادشاہ مسکرایا، اور اس نے حکم دیا کہ اس شخص کو آزاد کر دیا جائے۔

بادشاہ کا ایک اور وزیر پہلے وزیر کا مخالف اور تنگ دل تھا، وہ خیر خواہی جتانے کے انداز میں بولا:

''یہ بات ہرگز مناسب نہیں کہ کسی بادشاہ کے وزیر اسے دھوکہ میں رکھیں، اور سچ کے سوا کچھ اور زبان لائیں، اور سچ یہ ہے کہ قیدی حضور کی شان میں گستاخی کر رہا تھا۔غصہ ضبط کرنے اور بھلائی سے پیش آنے کی بات نہیں کر رہا تھا۔''

وزیر کی بات سن کر نیک دل بادشاہ نے کہا:

''اے وزیر: تیرے اس سچ سے جس کی بنیاد بغض اور کینہ پر ہے، تیرے بھائی کی غلط بیانی بہتر ہے کہ اس سے ایک شخص کی جان بچ گئی۔یاد رکھ: اس سچ سے جس سے کوئی فساد پھیلتا ہو، ایسا جھوٹ بہتر ہے جس سے کوئی برائی دور ہونے کی امید ہو۔''

حاسد وزیر بادشاہ کی یہ بات سن کر بہت شرمندہ ہوا۔بادشاہ نے قیدی کو آزاد کرنے کا فیصلہ بحال رکھا اور اپنے وزیروں کو نصیحت کی:

''بادشاہ ہمیشہ اپنے وزیروں پر عمل کرتے ہیں، وزیروں کا فرض ہے کہ وہ ایسی کوئی بات زبان سے نہ نکالیں جس میں کوئی بھلائی نہ ہو۔''

بادشاہ نے مزید کہا:

''یہ دنیاوی زندگی بہر حال ختم ہونے والی ہے۔کوئی بادشاہ ہو یا فقیر، سب کا انجام موت ہے۔اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ کسی شخص

کی روح تخت پر قبض کی جاتی ہے یا خاک پر۔"

شیخ سعدی کی یہ حکایت پڑھ کر سطحی سوچ رکھنے والے لوگ یہ نتیجہ اخذ کر لیتے ہیں کہ مصلحتاً جھوٹ بولنا جائز ہے، لیکن یہ نتیجہ نکالنا درست نہیں۔ حکایت کی اصل روح یہ ہے کہ خلق خدا کی بھلائی کا جذبہ انسان کے تمام جذبوں پر غالب رہنا چاہئے، اور مجب یہ اعلیٰ وارفع مقصد سامنے ہو تو مصلحت کے مطابق رویہ اختیار کرنے میں مضائقہ نہیں۔ جیسے جراح کو یہ اجازت کہ فاسد مواد خارج کرنے کے لئے اپنا نشتر استعمال کرے۔ کسی انسان کے جسم کو نشتر سے کاٹنا بذات خود کوئی اچھی بات نہیں ہے ،لیکن جب جراح یہ عمل کرتا ہے تو اسے اس کی قابلیت سمجھا جاتا ہے۔

باشاہ کا خواب:

ملک خراسان کے ایک بادشاہ نے سلطان محمود سبکتگین کو خواب میں اس حالت میں دیکھا کہ وہ قبر میں پڑا ہے، اور اسکا پورا جسم گل سڑ کر خاک میں مل چکا ہے، لیکن حلقہ ہائے چشم میں آنکھیں سلامت ہیں، او وہ زندہ انسانوں کی آنکھوں کی طرح ادھر ادھر دیکھ رہی رہیں۔

یہ عجیب خواب دیکھ کر باشاہ بیدار ہوا تو اس نے اپنے امیروں اور وزیروں سے اس کی تعبیر پوچھی سب نے عجز کا اظہار کیا۔ اس دوران ایک درویش بادشاہ کے دربار میں آیا اور اس نے کہا:

"اس خواب کی تعبیر یہ ہے کہ سلطان محمود سبکتگین اس بات کو حیران ہو کر دیکھ رہا ہے کہ جو سلطنت اس نے بڑی تگ و دو کے بعد حاصل کی تھی، اب اس پر غیر قابض ہو گئے ہیں۔"

کتنے بڑے بڑے عظیم مرتبت لوگ خاک میں سما گئے، اور آج باقی میں ان کا نشاں تک باقی نہیں ہے۔ جو لاش بھی قبر میں داخل ہوتی ہے وہ گل سڑ کر فنا ہو جاتی ہے۔ وہ اپنے حقیقی روپ میں ہرگز نہیں رہتی، البتہ نیک کام سے ہمیشہ اس کا نام دنیا

میں زندہ رہتا ہے، گوکہ وہ انسان دنیا میں نہیں ہوتا۔ اس لئے لحد میں جانے سے پہلے بہتر ہے کہ کوئی اچھا کام کرلیا جائے، تاکہ لوگ تمہیں اس دنیا سے جانے کے بعد اچھے نام سے یاد کرسکیں۔

شیخ سعدی نے اس حکایت میں حب مال و جاہ رکھنے والے لوگوں کو ان کے انجام سے آگاہ کیا ہے، انسان کیسا ہی اقتدار حاصل کرلے آخر اسے فنا ہونا ہے، ایک دن قبر کی تاریکیوں میں اترنا ہے۔ البتہ اگر اس نے نیک عمل کیے تو اسے حیات نماموری حاصل ہوئی کہ تاقیامت اس کا ذکر بھلائی سے کیا جائے گا۔

برائی کا سد باب:

ایران کا مشہور بادشاہ نوشیرواں جو اپنے عدل و انصاف کی وجہ سے نوشیروان عادل کہلاتا تھا، ایک بار شکار کے لئے گیا۔ شکار گاہ میں اس کے لئے کباب تیار کیے جارہے تھے کہ اتفاق سے نمک ختم ہوگیا، شاہی باورچی نے ایک غلام سے کہا:

''قریب کی بستی میں جاؤ اور نمک لے آ۔''

بادشاہ نے یہ بات سن لی، اس نے غلام کو قریب بلا کر تاکید کی۔

''قیمت ادا کیے بغیر نمک ہرگز نہ لانا۔''

غلام نے کہا:

''حضور والا: ایک ذرا سے نمک کی کیا بات ہے، کسی سے مفت لے لوں گا تو کیا فرق پڑے گا۔''

غلام نے کہا:

''حضور والا: ایک ذرا سے نمک کی کیا بات ہے، کسی سے مفت لے لوں گا تو کیا فرق پڑے گا۔''

نوشیروان عادل نے کہا:

''ضرور فرق پڑے گا۔ یاد رکھو: ہر برائی ابتداء میں ایسی ہی معمولی

دکھائی دیتی ہے، لیکن پھر بڑھتے بڑھتے اتنی بڑی بن جاتی ہے کہ اسے مٹانا آسان نہیں ہوتا۔''

اگر بادشاہ کسی سے بغیر حق کے ایک سیب بھی لے لے گا تو اس کے مصاحب و غلام بادشاہ کی تقلید میں درخت ہی جڑوں سے اکھیڑ لیں گے، یعنی وہ بادشاہ سے زیادہ وصول کریں۔ اگر کسی سے مفت انڈا ہی لے تو اس کے سپاہی ہزار ہا مرغ کاٹ کھائیں گے۔

شیخ سعدی نے اس حکایت میں یہ درس دیا ہے کہ کسی بھی برائی کو معمولی ہرگز خیال نہیں کرنا چاہے برائی پہلے تھوڑی ہوتی ہے۔ معمولی برائی ہی بڑھ کر بہت بڑی برائی بن جاتی ہے۔ خاص طور پر حکمرانوں کی تو بڑی احتیاط سے کام لینا چاہئے۔ کیونکہ اس کے ماتحت برائی میں ان کی تقلید زیادہ کرتے ہیں۔

بہادر لڑکا:

بیان کیا جاتا ہے۔ ایک بادشاہ کسی مہلک بیماری میں مبتلا ہو گیا، کافی علاج و معالجہ کے بعد بھی اسے آرام نہ آیا تو طبیبوں نے صلاح مشورہ کر کے کہا:

''اس بیماری کا علاج صرف انسان کے پتے سے کیا جا سکتا ہے، اور وہ بھی ایک ایسے انسان کے پتے سے جس میں خاص خاص نشانیاں ہوں۔''

یہ کہہ کر طبیبوں نے وہ نشانیاں بتائیں اور بادشاہ نے حکم دے دیا:

''شاہی پیادے سارے ملک میں پھر کر تلاش کریں، اور جس شخص میں یہ نشانیاں ہوں اسے لے آئیں۔''

پیادوں نے فوراً تلاش شروع کر دی۔ خدا کا کرنا کیا ہوا کہ وہ ساری نشانیاں ایک غریب کسان کے بیٹے میں مل گئیں۔ پیادوں نے کسان کو ساری بات بتائی اور کہا:

''بادشاہ کے علاج کے لیے تیرے بیٹے کے پتّے کی ضرورت ہے، اسے ہمارے ساتھ بھیج دے اور اس کے بدلے جتنا چاہے روپیہ لے لے۔''

کسان بہت غریب تھا۔ ڈھیر سارا روپیہ ملنے کی بات سن کر آمادہ ہو گیا، اس نے اپنے بیٹے کو سپاہیوں کے ساتھ بھیج دیا۔ سپاہی کسان کے بیٹے کو لے کر بادشاہ کے پاس آئے۔

جب خاص نشانیوں والا لڑکا مل گیا تو اب قاضی سے پوچھا گیا:

''اس لڑکے کو قتل کر کے اس کے جسم سے پتا نکالنا جائز ہو گا یا نہیں؟''

قاضی صاحب نے فتوی دے دیا:

''بادشاہ کی جان بچانے کے لئے ایک جان کو قربان کر دینا جائز ہے۔''

قاضی کے فتوی کے بعد لڑکے کو جلاد کے حوالے کر دیا گیا کہ اسے قتل کر کے اس پتا نکال لے۔ لڑکا بالکل بے بس تھا۔ وہ اپنے قتل کی تیاریاں دیکھ رہا تھا اور خاموش تھا۔ زبان سے کچھ نہ کہہ سکتا تھا، لیکن جب جلاد تلوار لے کر اس کے سر پر کھڑا ہو گیا تو اس نے آسمان کی طرف دیکھا، اور اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی۔

بادشاہ خود اس جگہ پر موجود تھا، اس نے لڑکے کو مسکراتے ہوئے دیکھا تو بہت حیران ہوا۔ جلاد کے ہاتھ میں ننگی تلوار دیکھ کر تو بڑے بڑے بہادر خوف سے کانپنے لگتے ہیں۔ بادشاہ نے جلاد کو رکنے کا اشارہ کر کے لڑکے کو اپنے پاس بلایا اور اس سے پوچھا:

''لڑکے یہ تو بتا، اس وقت مسکرانے کا کون سا موقع تھا؟''

لڑکے نے فوراً جواب دیا:

''حضور والا: دنیا میں انسان کا دنیا میں سب سے بڑا سہارا اس کے ماں

باپ ہوتے ہیں، لیکن میں نے دیکھا کہ میرے ماں باپ نے روپے کے لالچ میں مجھے حضور کے سپرد کر دیا۔ ماں کے بعد دوسرا سہارا انصاف کرنے والا قاضی اور بادشاہ ہوتا ہے کہ اگر کوئی ظالم کسی کو ستائے تو وہ اسے روکیں، لیکن قاضی اور بادشاہ نے میرے ساتھ انصاف نہ کیا۔ اب میرا آخری سہارا خدا کی ذات تھی، اور میں دیکھ رہا تھا کہ جلاد ننگی تلوار لے کر میرے سر پر پہنچ گیا، اور خدا کا انصاف بھی ظاہر نہیں ہو رہا۔ بس یہ بات سوچ کر مجھے ہنسی آ گئی۔''

لڑکے کی یہ بات سنی تو بادشاہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے، اس نے حکم دیا:

''لڑکے کو چھوڑ دو، ہم یہ بات پسند نہیں کرتے کہ ہماری جان بچانے کے لئے ایک بے گناہ کی جان لی جائے۔''

لڑکے کو اس وقت چھوڑ دیا گیا، بادشاہ نے بہت محبت سے اسے اپنی گود میں بٹھا کر پیار کیا، اور قیمتی تحائف دے کر رخصت کیا۔ کہتے ہیں اس دن سے بادشاہ کی بیماری ختم ہونا شروع ہو گئی، اور چند دن ہی میں وہ بالکل تندرست ہو گیا۔

اس حکایت میں شیخ سعدی نے یہ نقطہ بیان کیا ہے کہ جان خواں بادشاہ کی ہو یا پھر کسی غریب کی، دونوں قدر و قیمت میں برابر ہیں۔ نیز یہ کہ خود غرض بن کر دوسروں کی جانیں پامال کرنے والے دنیاوی لحاظ سے بھی اتنے فائدے میں نہیں رہتے، جس قدر نفع میں خلق خدا پر رحم کرنے والے رہتے ہیں۔

بروں سے اچھا سلوک:

ایک شب ایک چور ایک نیک لیکن غریب شخص کے گھر میں داخل ہو گیا۔ اس نے ادھر ادھر بہت ہاتھ مارے لیکن وہاں کچھ ہوتا تو ملتا۔ اتفاق سے اس دوران

نیک مرد بھی بیدار ہو گیا، آہٹ کی آواز سن کر سمجھ گیا کہ گھر میں چور گھسا ہوا ہے۔ اس سے زیادہ اپنے گھر کا حال کون سمجھ سکتا تھا۔ یہ سوچ کر اسے بہت افسوس ہوا کہ چور نے اتنی محنت کی، اور وہ میرے گھر سے خالی ہاتھ جائے گا۔ اس نے جلدی سے وہ کمبل اتارا جو خود اوڑھے ہوئے تھا، اور چور کے راستے میں پھینک دیا۔

سچ ہے اللہ والوں کے دلوں میں اپنے دشمنوں کے لئے بھی خیر خواہی کا جذبہ ہوتا ہے۔ وہ کسی کو بھی رنجیدہ نہیں کرنا چاہتے۔

جو خدا کے دوست بن جاتے ہیں، وہ کبھی اپنے دشمنوں کو بھی تنگ نہیں کرتے، جو بد خصلت لوگ ہوتے ہیں۔ وہ کبھی اعلیٰ مقام نہیں پا سکتے وہ تو دوستوں سے بھی جنگ پر آمادہ رہتے ہیں۔

شیخ سعدی نے اس حکایت میں منزل احسان کی طرف توجہ دلائی ہے۔ احسان کا مفہوم یہ ہے کہ کسی کے ساتھ اس کے حق سے زیادہ سلوک کیا جائے۔ مثال کے طور پر یہ حسن سلوک ہے کہ اگر کوئی شخص قصور کرے تو اسے معاف کر دیا جائے، اگر معاف کرنے کے علاوہ اسے کچھ دے بھی دیا جائے تو احسان گا، اور محبت کا بہت بڑا درجہ ہے۔

پ

پیران پیر کی دعا:

شیخ سعدی بیان کرتے ہیں:

''لوگوں نے پیران پیر سید عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ کو حرم کعبہ میں اس حالت میں دیکھا کہ آپ نے اپنا مبارک چہرہ فرش خاک پر رکھا ہوا تھا، اور گریہ زاری کرتے ہوئے یہ فرما رہے تھے:

''اے اللہ: مجھے بخش دے، اگر میں بخش دیئے جانے کے قابل نہیں ہوں تو قیامت کے دن مجھے اندھا اٹھائیو تاکہ میں اس احساس سے شرمندہ نہ ہوں کہ نیک لوگ مجھے اس حالت میں دیکھ رہے ہیں۔''

صبح کی تازہ ہوا جب باغ میں کلیوں کو جگاتی ہے، ایسے میں میں فرش خاک پر منہ رکھ کر تجھ سے عرض کرتا ہوں، اے میرے مالک و معبود میں ہر وقت تیری ہی یاد میں غرق رہتا ہوں تو بھی اپنے عاجز بندے پر رحم فرما۔

شیخ سعدی نے اس حکایت میں رب ذوالجلال کی شان اور مسئلہ توحید بیان کیا ہے۔ حکایت سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت پیران پیر جیسے عظیم بزرگ اللہ تعالی کی بے نیازی سے لرزاں رہتے تھے، اور نہایت عاجزی سے عرض کرتے تھے کہ روز قیامت ان کی بخشش ہو جائے۔

ایسی صورت میں یہ بات دانائی کے مطابق نہیں ہے کہ ہم جیسے گنہگار بندے اللہ کے غضب سے بے پرواہ ہو جائیں یا اپنے حقیقی مالک و خالق کو چھوڑ کر کسی اور آستانہ پر سر جھکا لیں۔

ت

تکبر کا انجام:

شیخ سعدی بیان فرماتے ہیں:

''بچپن میں مجھے عبادت کا بہت شوق تھا، میں اپنے والد محترم کے ساتھ ساری ساری رات جاگ کر قرآن مجید کی تلاوت اور نماز میں مشغول رہتا تھا۔ ایک رات والد محترم اور میں حسب معمول عبادت میں غافل سو رہے تھے۔ اور ہمارے قریب ہی کچھ لوگ فرش پر پڑے غافل سو رہے تھے۔ میں نے ان کی یہ حالت دیکھی تو اپنے والد صاحب سے کہا:

''ان لوگوں کی حالت پر افسوس ہے، ان سے اتنا بھی نہ ہو سکا کہ اٹھ کر تہجد کی نفلیں ہی ادا کر لیتے۔''

والد محترم نے میری بات سنی تو فرمایا:

''بیٹا: دوسروں کو کم درجہ خیال کرنے اور ان کی برائی کرنے سے تو بہتر تھا کہ تو بھی پڑ کر سو جاتا۔''

شیخ سعدی نے اس حکایت میں غرور پارسائی کی خرابی بیان کی ہے، یہ ایک ایسا گناہ ہے جس سے محتاط لوگوں سے بھی کم ہی بچ پاتے ہیں۔ جب ایک شخص خود کو اطاعت حق میں مشغول پاتا ہے، اور دوسروں کو اس طرف سے بے پرواہ پاتا ہے، تو غیر محسوس طور پر اسکے دل میں غرور پیدا ہو جاتا ہے کہ یہ لوگ مجھ سے کم درجہ کے ہیں، اور میں مقربان بارگاہ سے ہوں، اور اگر ایسا شخص اپنی غلطی سے آگاہ ہو کر فوراً توبہ نہ کرلے تو عذاب کا مستحق بن جاتا ہے۔ کیونکہ غرور کو مٹانا عبادت کا اولین مقصد ہے۔

تن پرور تن ساز:

بیان کیا جاتا ہے۔

خراسان کے رہنے والے دو درویش کافی عرصہ سے اکٹھے رہتے تھے، ان میں سے ایک صابر و شاکر اور کم خور تھا، بھوک سے کم کھاتا اور اپنا زیادہ وقت عبادت وریاضت میں گزارتا۔ دوسرے کی حالت اس سے بالکل مختلف تھی۔ وہ خوب کھاتا اور خوب آرام کرتا زندگی گزارنے کے ان الگ الگ طریقوں کی وجہ سے ایک کمزور و لاغر اور دوسرا خوب فربہ تھا۔

ایک بار دونوں درویش ایک شہر میں پہنچے تو وہاں کی پولیس نے انہیں اس شبہ میں گرفتار کرلیا کہ وہ دشمن کے جاسوس ہیں۔ دونوں کو عدالت میں پیش کیا گیا، اور حاکم نے سرسری طور پر مقدمہ سننے کے بعد دونوں کو مجرم قرار دے کر جیل خانہ بھجوادیا اور حکم دیا:

''ایک کوٹھڑی میں دونوں کو بند کر کیا اس کا دروازہ اینٹوں سے چن دیا جائے۔''

حاکم کے حکم کے مطابق دونوں درویشوں کو کال کوٹھڑی میں بند کر دیا گیا، لیکن پھر کچھ ایسا ہوا کہ حاکم کو ان کے حالات پر دوبارہ غور کرنے کا خیال آیا، اور پوری طرح تحقیق کی گئی تو معلوم ہوا کہ دونوں درویش بے گناہ ہیں۔ چنانچہ انہیں آزاد کردینے کا حکم جاری ہو گیا۔

کال کوٹھڑی کا دروازہ کھولا گیا تو لوگ یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ دبلا پتلا کمزور درویش زندہ تھا لیکن موٹا تازہ دنیا سے کوچ کر چکا تھا۔

اگر انسان میں سختیاں جھیلنے کی عادت ہو تو کمزوری میں بھی انسان کی ہمت بندھی رہتی ہے۔ مگر ایک تن پرور اور پرور اور پرخور انسان کے لیے سہنا آسان نہیں ہوتا۔ اسکے لئے یہ بہت بڑی زحمت ہوتی ہے۔

شیخ سعدی نے اس حکایت میں سخت کوشی زندگی بسر کرنے کے فوائد بیان کیے یہ ایک مسلمہ حقیقت اور تاریخی سچائی ہے کہ جب تک کسی قوم

کے افراد سخت کوش او جفاکشی رہتے ہیں ان میں شجاعت اور اولوالعزمی باقی رہتی ہے، اور وہ زندگی کے ہر میدان میں فتح یاب ہوتے ہیں۔ لیکن وہی اعلیٰ وافضل لوگ بندہ حرص بن جاتے ہیں تو غیر محسوس طور پر ان کی ساری توانائیاں سلب ہو کر رہ جاتی ہیں۔ قرآن مجید میں ایسے لوگوں کو گھن کھائی ہوئی لکڑی سے تشبیہ دی گئی ہے۔

تیز رو مسافر:

شیخ سعدی اپنی جوانی کی عمر کا ایک واقعہ بیان فرماتے ہیں،

''ایک بار میں سفر میں تھا۔ جوانی کے جوش میں مستعدی اور تیزی سے چلتا رہا، لیکن بالآخر تکان کا غلبہ ہوا اور میں ایک پہاڑی کے سائے میں لیٹ کر غفلت کی نیند سو گیا۔

میرے پیچھے اسی راستے پر ایک دانش مند بوڑھا بھی سفر کر رہا تھا، اس نے مجھے غفلت کی نیند سوتے ہوئے پایا تو شانہ ہلا کر کہا:

''بیدار ہو اور یہاں سے روانہ ہو جا۔ یہ ایسا مقام نہیں ہے کہ بے فکر ہو کر سو جائے۔''

میں نے کہا:

''کیونکر چلوں؟ مجھ پر تو سخت تھکاوٹ طاری ہے۔ دو دن کا سفر ایک دن ہی طے کرتا ہو یہاں پہنچا ہوں۔''

میری یہ بات سن کر بوڑھے نے کہا:

''شاید تو نے داناؤں کا یہ قول نہیں سنا کہ رک رک چلنا اس سے بدرجہا بہتر ہے کہ تیز چلے اور تھک کر بیٹھ جائے۔''

تیز جانا اور پھر تھک کر بیٹھ جانا کوئی خوبی نہیں ہے۔ تازہ دم گھوڑا تیز چل کر جلد ہی نڈھال ہو جاتا ہے۔ چال درمیانی ہی موزوں ہے راستہ چلنے والے مسافر کے

لئے۔درمیانی چال چل کر اونٹ کبھی تھکتا نہیں۔

اس حکایت میں شیخ سعدی نے میانہ روی کی برکتوں کی طرف اشارہ کیا ہے۔ غور کریں تو یہ زریں اصول پوری زندگی پر محیط ہے۔ کہ جو کام تحمل اور غور وفکر کے بعد کیا جائے، وہ حسن و خوبی سے انجام پاتا ہے۔ جوش سے مغلوب ہو کر بہترین صلاحیتیں بھی ضائع ہو جاتی ہیں۔
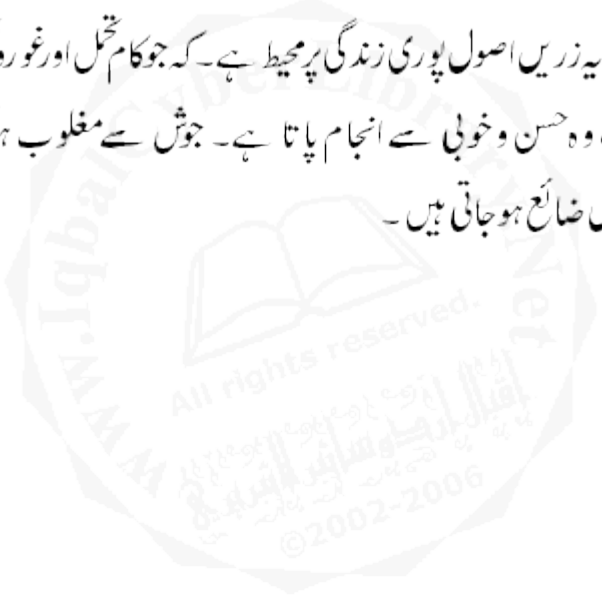
ج

جوہر اصلی:

کہا جاتا ہے، ایک بادشاہ کے کئی بیٹے تھے، ان میں سے ایک کوتاہ قد اور معمولی شکل وصورت کا تھا۔ اس وجہ سے اپنے باپ کی ویسی توجہ اور شفقت حاصل نہ کرسکا، جیسی اسکے دوسرے بھائیوں کو حاصل تھی۔

ایک دن بادشاہ نے اس پر نظر حقارت ڈالی تو شہزادے کا دل بے قرار ہو گیا۔ اس نے اقپنے باپ سے کہا:

''بے شک انسان کی شکل صورت بھی لائق توجہ ہوتی ہے، لیکن سچ یہ ہے کہ انسانیت کا اصل جوہر انسان کی ذاتی خوبیاں اور حسن سیرت ہے۔

آدمیت کا مرتبہ و مقام سب سے بلند ہے۔ شرط یہ ہے کہ اس کی ہمت پست نہ ہو۔ یہ کوئی برائی نہیں کہ اس کا قد کوتاہ ہے۔

اے والد محترم، حقیر جان کر مجھے نظر انداز نہ فرمائیں، بلکہ میری ان خوبیوں پر نظر ڈالیں جو اللہ رب العزت نے مجھے عطا کی ہیں۔ اپنے بھائیوں کے مقابلے میں بے شک میں کم رو اور پست قامت ہوں، لیکن اللہ نے اپنے خاص فضل سے مجھے شجاعت کا جوہر بخشا ہے۔ دشمن مقابلے پر آئے تو میں اس پر شیر کی طرح جھپٹتا ہوں اور اس وقت تک میدان جنگ سے قدم باہر نہیں نکالتا، جب تک دشمن بالکل تباہ نہ ہو جائے۔''

بادشاہ نے اپنے بیٹے کی ان باتوں پر مطلق توجہ نہ دی وہ یوں مسکرایا جیسے کسی نادان کی بات سن کر مسکراتے ہیں۔ اسکے بھائیوں نے برملا اسکا تمسخر اڑایا۔

بات آئی گئی ہو گئی۔ یہ شہزادہ پہلے کی طرح زندگی گزارتا رہا۔ پھر ایک دن طاقتور پڑوسی ملک نے اس بادشاہ پر حملہ کر دیا۔ عیش وعشرت میں زندگی بسر کرنے والے

شہزادے اس فکر میں دبلے ہونے لگے کہ اب ان کی جانیں کیسے بچیں گی، لیکن پست قد شہزادہ اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر دشمت کے لشکر میں جا گھسا، اور اپنی تیز تلوار کے جوہر دکھاتے ہوئے دشمت کے کتنے ہی سپاہیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔

بادشاہ کو اس کی شجاعت کا حال معلوم ہوا تو اس کا حوصلہ بھی بڑھا اور وہ مقابلے کے لئے انکا حملہ آور بادشاہ کے سپاہیوڈ کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ گھمسان کی لڑائی شروع ہونے کے بعد دشمت کا دباؤ بڑھنے لگا، اور بادشاہ کی فوج کے سپاہی اپنی صفیں توڑ کر بھاگنے لگے۔ شہزادے نے یہ حالت دیکھی تو گھوڑا بڑھا کر آگے آیا اور بھاگنے والوں کو غیرت دلائی:

''بہادرو: ہمت سے کام لو، دشمن کا خاتمہ کردو۔ یاد رکھو: میدان جنگ سے بھاگنے والے مرد کہلانے کے حقدار نہیں۔ انہیں عورتوں کا لباس پہن کر گھروں میں بیٹھ جانا چاہیئے۔''

''شہزادے کی تقریر سن کر بھاگتے ہوئے سپاہی پلٹ آئے اور جوش میں آکر انہوں نے ایسا بسر پور حملہ کیا کہ دشمن کہ فوج میدان جنگ سے بھاگنے پر مجبور ہوگئی۔ باشاہ اپنے بیٹے کی بہادری دیکھ کر بڑا خوش ہوا۔ اس نے اس کی خوب تعریف کی، اور اعلان کردیا:

''ہمارے بعد ہمارا یہی بیٹا تاج اور تخت کا مالک ہوگا۔''

شہزادے کے ولی عہد بن جانی کی خوشی سب کو ہوئی، لیکن اسکے بھائی حسد کی آگ میڈ جلن لگے اور انہوں نے اسکی زندگیکا خاتمہ کرنے کا فیصلہ کرلیا۔

یہ فیصلہ کرنے کے بعد انہوں نے بہادر شہزادے کی دعوت کی اور کھانے میں زہر ملا دیا۔ اتفاق سے یہ بات شہزادی کو معلوم ہوگئی۔ جب شہزادہ کھانا کھانے لگا تو شہزادی نے زور سے کھڑکی بند کر کے یوا شارہ دیا کہ یہ کھانا نہ کھانا۔

صورت حال سے آگاہ ہو کر بہادر شہزادے نے کھانے سے ہاتھ کھینچ لیا، اور

اپنے حاسد بھائیوں سے کہا:

''مجھے یہ عزت میری خوبیوں کی وجہ سے ملی ہے۔ اگر میں مر جاؤں تو تم میری جگہ نہ لے سکو گے، کیونکہ تمہارے اندر کوئی بھلائی نہیں۔ اگر ہما دنیا سے نابود بھی ہو جائے پھر بھی کوئی الو کے سائے کو پسند نہ کرے گا۔''

بادشاہ کو اس بات کا پتہ چلا تو اس نے حاسد شہزادوں کو بہت ڈانٹا، اور پھر اس فساد کو ختم کرنے کے لیے، جو سلطنت کی وجہ سے ان کے درمیان پیدا ہو گیا تھا، تدبیر کی کہ شہزادوں کی تعداد کے مطابق ملک کو حصوں میں تقسیم کر کے ایک ایک شہزادے کو ایک ایک حصے کا مالک بنا دیا۔ بہادر شہزادے نے اس فیصلے کو دل سے قبول کر لیا۔

اگر خدا کا کوئی بندہ ایک خشک نان پا لے تو اسکے دل میں یہ خواہش ہو گی کہ اسے بانٹ کر کھایا جائے اور ایک گدڑی میں فقیر سا جاتے ہیں مگر باشاہت ایسی چیز ہے کہ ایک ملک میں دو بادشاہ نہیں رہ سکتے۔

اس حکایت میں شیخ سعدی نے سچی کامیابی اور حقیقی مسرت حاصل کرنے کے دو اہم گر بتائے ہیں۔ پہلا یہ کہ صحیح معنوں میں کامیابی و کامرانی انسان کی اعلیٰ ذاتی صفات سے حاصل ہوتی ہے۔ پست قد شہزادہ اپنے دراز قد بھائیوں کے مقابلہ میں وصف شجاعت کے باعث کامیاب ہو گیا دوسرے یہ کہ سچی راحت اسی وقت حاصل ہو سکتی ہے، جب انسان اپنے حق کی حفاظت کرنے کے ساتھ دوسروں کے حقوق بھی تسلیم کرے، اور اپنے دل و دماغ کو حرص سے پاک کرے، جیسا کہ درویشوں کا دستور ہے۔ بادشاہوں میں چونکہ یہ خوبی نہیں ہوتی اس لیے ان کی ذات زیادہ تر فساد اور خون ریزی کا باعث بنتی رہی۔

جھوٹوں کا بادشاہ:

ایک جھوٹا مکار شخص پارساؤں کا حلیہ بنا کر بادشاہ کے دربار میں گیا اور

کہا،

''میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نسل میں سے ہوں اور حج کے سفر سے واپس آرہا ہوں۔''

یہ کہہ کر اس نے بادشاہ کی شان میں ایک بہت ہی اچھا قصیدہ پڑھا۔

بادشاہ قصیدہ سن کر اور اسے عالی نسب اور حاجی فقین کر کے بہت خوش ہوا، اور خلعت کے علاوہ اسے بہت سا روپیہ بخشا، لیکن کرنا خدا کا کیا ہوا کہ اس مکار کے رخصت ہونے پہلے ایک درباری جو سمندری سفر سے واپس آیا تھا دربار میں داخل ہوا، اور اس شخص کو پہچان کر کہا:

''یہ ہرگز حاجی نہیں ہے۔ اسکی بات کا اعتبار نہ کیا جائے۔ اسے تو حج کے دن میں نے بصریٰ کے بازار میں دیکھا تھا۔''

جب اس کے بارے میں تحقیق کی گئی تو معلوم ہوا کہ عالی نسب ہوتا تو بڑی بات ہے، یہ تو مسلمان ہی نہیں ہے۔ روم کے شہر ملاطبہ کا رہنے والا عیسائی ہے، اور اس نے جو قصیدہ پڑھا ہے، وہ مشہور شاعر انوری کا لکھا ہوا ہے۔

یہ حالت جان کر بادشاہ بہت غضب ناک ہوا، اس نے حکم دیا:

''اس سے انعامات چھین لئے جائیں اور ذلیل کر کے شہر سے نکال دیا جائے۔''

چور کی چوری اور جھوٹے کا جھوٹ ظاہر ہو جائے تو وہ ڈر جاتا ہے، لیکن اس مکار شخص نے اپنے حواس درست رکھے، جلدی سے بولا:

''مجھے اپنی غلطی کا اعتراف ہے، میں نے جھوٹ پر جھوٹ بولا، لیکن اب حضور کی خدمت میں ایک ایسا سچ بیان کرنا چاہتا ہوں جس سے بڑھ کر کوئی بات سچ نہ ہوگی۔''

بادشاہ نے اس کی یہ بات سن کر کہا،

''اچھا کہہ، کیا کہتا ہے؟''

وہ مکار شخص بولا،

”حضور والا: وہ سچی بات یہ ہے کہ جھوٹ سے خالی کوئی بھی نہیں، بلکہ جتنا زیادہ تجربہ کار ہوتا ہے، اتنا ہی بڑا جھوٹ بولتا ہے۔

آپ میرے جھوٹ پر بہت خفا ہیں، مگر سچی بات تو یہ ہے کہ جھوٹ کی ملاوٹ سے کوئی مال بھی پاک نہیں۔ آپ دہی ہی کی مثال لے لیجئے، اس میں بھی دو حصے پانی ہے، اور جھوٹ میں بڑے چھوٹوں کو شکست ہی دیتے آئے ہیں۔“

بادشاہ یہ سن کر ہنس پڑا اور کہا:

”بے شک یہ بات ٹھیک ہے، تو نے اپنی زندگی میں اس سے زیادہ سچی بات کبھی نہ کہی ہوگی۔“

یہ کہہ کر بادشاہ نے حکم دیا:

”اس کے انعامات لوٹا دیئے جائیں، اور اسے عزت کے ساتھ رخصت کر دیا جائے۔“

اس حکایت میں شیخ سعدی نے جھوٹ کو انسان کی ایک ایسی ضرورت نہیں بتایا کہ اسکے بغیر گزارہ ہی نہ ہو سکے بلکہ بگڑے ہوئے معاشرے کی حالت کا نقشہ کھینچا ہے کہ جب لوگ اخلاقی زوال میں مبتلا ہوتے ہیں تو وہ بڑے سے بڑا جھوٹ بولتے ہوئے بھی خوف کھاتے۔ بلکہ جو شخص جتنا زیادہ عقل مند اور با اختیار ہوتا ہے، اتنا ہی بڑا جھوٹ بولتا ہے۔

غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حکایت میں یہ کنایہ بھی موجود ہے کہ خود بادشاہ کی ذات کذب بیان سے پاک نہ تھی۔ اس لئے وہ بڑوں کے بڑا جھوٹ بولنے کی بات سن کر ہنسا، اور اسے نصرانی قابل معافی

نظر آیا۔

جنتی بادشاہ:

ایک خدارسیدہ بزرگ نے خواب میں دیکھا کہ بادشاہ تو جنت کے باغوں کی سیر کر رہا ہے، اور ایک ایسا شخص جسے بہت نیک خیال کیا جاتا تھا، دوزخ کی آگ میں جل رہا ہے۔ بزرگ نے حیران ہو کر پوچھا:

''کیسا عجیب ماجرا ہے، لوگ تو یہ خیال کرتے تھے کہ بادشاہ دوزخ کا ایندھن بنے گا، اور پرہیز گار جنت میں جائے گا لیکن یہاں تو معاملہ ہی الٹ ہے۔ بادشاہ جنت میں اور پرہیز گار دوزخ میں ہے۔''

''اس کا باعث یہ ہے کہ بادشاہ ہمیشہ درویشوں کی عزت کرتا تھا، اور انہیں اپنے پاس بٹھا کر خوش ہوتا تھا، لیکن یہ آدمی ہمیشہ اسی فکر میں رہتا تھا کہ کسی طرح بادشاہ کے دربار میں رسائی ہو جائے اور اسکا مقرب بن جائے۔ پس یہی سبب اس کے پہلے کے انعام پانے اور دوسرے کے عذاب میں مبتلا ہونے کا ہے۔''

خدا امیر یا غریب کو محبوب نہیں رکھتا، بلکہ اسکے ہاں تو پسندیدہ وہ ہے جو اچھے کام کرتا ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ سر پر فقیروں جیسی ٹوپی ہی ہو۔ اگر اس نے شاہانہ لباس پہن رکھا ہے تو اللہ کو معیوب نہیں۔ وہ تو نیک عمل دیکھتا ہے۔ چاہے وہ کوئی بھی کرے۔

اس حکایت میں شیخ سعدی نے اس حدیث شریف کی تشریح کی ہے:

''خدا تمہارے چہروں کو نہیں بلکہ تمہارے دلوں کو دکھتا ہے۔'' (اگر ایک صاحب ثروت عمدہ لباس پہن کر اچھے کام کرتا ہے تو وہ اس فقیر سے اچھا ہے جو درویشانہ لباس پہنتا ہے، لیکن اسکا دل دنیاوی لذتوں میں پھنسا ہوا ہے۔)

جینے کی ہوس:

''میں دمشق کی جمع مسجد کی سڑھیوں پر بیٹھا کس علمی مسئلے پر دوستوں سے گفتگو کر رہا تھا کہ ایک نوجوان آیا اور اس نے پوچھا:

''آپ لوگوں میں سے کوئی فارسی زبان بھی جانتا ہے؟''

میں نے سوال کیا:

''تم یہ بات کیوں پوچھ رہے ہو؟''

اس نوجوان نے کہا:

''ایک بوڑھا جس کی عمر ڈیڑھ سو سال ہے، جاں بلب ہے اور فارسی زبان میں کچھ کہہ رہا ہے، ممکن ہے وصیت کر رہا ہو۔''

یہ سن کر میں اس کے ساتھ ہولیا۔ جا کر دیکھا تو ایک بوڑھا مرض الموت میں بڑبڑا رہا ہے۔

''میری خواہش ہے کہ میں ابھی کچھ اور جی لوں، مگر افسوس کہ پیغام اجل آپہنچا۔ میں ابھی عمر کے خوان پر بیٹھا ہی تھا کہ مجھے اٹھ جانے کا حکم ہوا ہے۔''

میں نے بوڑھے کی باتوں کا مطلب سمجھایا تو وہ نوجوان بہت حیران ہوا کہ اتنی عمر پا کر بھی اسکے دل میں زندہ رہنے کی ہوس ہے۔

بوڑھا بولا:

''تم اس شخص کی تکلیف سے آگاہ نہیں ہو سکتے جس کا دانت اکھاڑا جا رہا ہو، اور نہ اس شخص کی تکلیف کا اندازہ کر سکتے ہو جس کی جان نکل رہی ہو۔''

میں نے کہا:

''اے بزرگ : آپ اپنے روبرو موت کا احساس طاری نہ ہونے دیں۔ دیکھا گیا ہے کہ موت کے قریب پہنچ جانے والے صحت یاب

ہو جاتے ہیں، آپ کی منشا ہو تو کسی طبیب کو بلایا جائے؟''

بوڑھا بولا:

''طبیب بوڑھے مریض کو دیکھ کر علاج سے ہاتھ اٹھا لیتا ہے۔ اسکی مثال ایسی ہے کہ مالک مکان کوٹھریوں کی آرائش کی فکر میں ہے، اور سیلاب پشتوں کو کھوکھلا کر رہا ہے۔ ایک بوڑھا نزع کے عالم میں رو رہا تھا اور اس کی بیوی اسکے صندل لگا رہی تھی، جب مزاج کا اعتدال قائم نہیں رہتا تو ہر تدبیر ناکام ہو جاتی ہے۔''

شیخ سعدی نے اس حکایت میں انسان کی اس کمزوری یا نادانی کی طرف اشارہ کیا ہے کہ خواہ کتنی لمبی عمر بھی پائے زندگی سے اس کی طبیعت سیر نہیں ہوتی۔

اس کے علاوہ انہوں نے اپنے خاص رنگ میں یہ حقیقت بھی بیان کی ہے موت امر ربی ہے جسے ٹالا نہیں جا سکتا۔

جوار استاد:

اپنے زمانے کا ایک فاضل استاد بادشاہ کے بیٹوں کو پڑھایا کرتا تھا۔ اس کا قاعدہ تھا کہ شہزادوں کی معمولی سی غلطی کو بھی نظر انداز نہ کرتا تھا۔ ادھر ان سے کوئی کوتاہی ہوئی اور ادھر اس نے انہیں سزا دی۔

شہزادے کافی عرصہ تک یہ تشدد برداشت کرتے رہے، لیکن پھر ان کا پیمانہ صبر لبریز ہو گیا، اور مناسب موقع دیکھ کر ایک دن انہوں نے اپنے باپ کو اس مصیبت سے آگاہ کر دیا۔ بچوں کی زبانی استاد کی شکایت سن کر بادشاہ کو بہت ملال ہوا۔ اس نے اسی وقت استاد کو بلوایا اور اس سے کہا:

''آخر اسکی کیا وجہ ہے کہ تم دوسرے شاگردوں کے ساتھ ایسی سختی کا برتاؤ نہیں کرتے جیسی شہزادوں کے ساتھ روا رکھتے ہو؟''

''حضور والا: یوں تو تو ادب سیکھنا اور سکھانا سب کے لیے ضروری ہے، لیکن شہزادوں کے لئے حد درجہ ضروری ہے، کیونکہ آگے چل کر انتظام سمبھالیں گے، غریب غربا کی بات تو یہ ہے کہ انکی خامیوں کا اثر ان کی ذات تک ہی محدود رہتا ہے لیکن حکمرانوں کی غلطیوں سزا پورے ملک کو بھگتنا پڑتی ہے بس یہی سوچ کر میں شہزادوں کی تعلیم و تربیت پر زیادہ توجہ دیتا ہوں۔''

بادشاہ کو استاد کی یہ بات پسند آئی اور اس نے اسے انعام سے نوازا۔

شیخ سعدی نے اس حکایت میں باتیں بتائی ہیں۔ ایک تو یہ کہ بچوں کی تعلیم و تربیت کے سلسلے میں ان پر سختی کرنا اور ضرورت محسوس ہونے پر جسمانی سزا دینا ناروا بات نہیں۔ دوسرے یہ کہ بچے کو جتنی اہم ذمہ داری سنبھالنے کے لئے تیار ہونا ہے، اسکی تعلیم و تربیت پر اتنی ہی توجہ دینا چاہئے۔

چ

چیونٹی کے پر:

بیان کیا جاتا ہے۔

ایک شخص اس قدر مفلس اور نادار تھا کہ تن ڈھانپنے کے لئے اسکے پاس کپڑے کا ایک ٹکڑا بھی تھا۔ وہ اپنا جسم ریت میں چھپائے رکھتا تھا۔ ایک دن اتفاق سے وقت کے پیغمبر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس پر رحم آ گیا اس طرف سے گزرے تو اس شخص نے درخواست کی:

''یا حضرت: میرے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا فرمایئے کہ وہ میری غربت دور کردے۔''

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس پر رحم آ گیا۔ آپ نے اسکے حق میں دعا فرمائی،

اور اللہ رب العزت نے چند ہی دنوں میں اس کی غربت کو خوشحالی میں بدل دیا۔

اس واقعہ کے کچھ عرصہ بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام اس طرف سے گزرے تو آپ نے دیکھا کہ اس شخص کو لوگوں نے پکڑ رکھا ہے اور اسے برا بھلا کہہ رہے ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام فوراً وہاں پہنچے اور لوگوں سے پوچھا:

''تم اسے کیوں ستا رہے ہو؟ کیا اس نے کوئی خطا کی ہے؟''

لوگوں نے جواب دیا:

''یہ بہت خراب اور آوارہ آدمی ہے، پہلے تو شراب پی کر صرف غل کپاڑہ ہی کرتا تھا، آج اس نے ایک بے گناہ عورت کو قتل کر دیا۔ اب اسے قاضی کے پاس لے کر جائیں گے اور اسکے سنگین جرم کی سزا دے گا۔''

لوگوں نے بتایا:

"جب سے یہ خوشحال ہوہے لوگوں کے لیے مصیبت بن گیا تھا۔ اس کی خوشحالی اس کے لیے عذاب ثابت ہوئی کم ظرف کو طاقت حاصل ہوتی ہے تو وہ ایسا ہی کرتا ہے۔ خدا نے سب کی حالت ایک جیسی نہیں رکھی۔ یہ عین حکمت کے مطابق ہے۔"

اگر بلی کو اڑنے کا ہنر آ جائے تو وہ چڑیوں کا پل بھر میں صفایا کر دے، اور اگر گدھے کو گائے کی طرح سینگ مل جائیں تو وہ اپنے قریب کسی کو پھٹکنے نہ دیتا۔

اس حکایت میں شیخ سعدی نے اس فرق کی طرف اشارہ کیا ہے، جو کم ظرف اور عالی ظرف یا شریف یا غیر شریف لوگوں کے مابین دیکھا جاتا ہے، کسیکے شریف یا غیر شریف بن جانے کے اسباب خواہ کچھ بھی ہو۔ اس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ یہ فرق موجود ہے۔ اسی طرح یہ بھی نا قابل تردید سچائی ہے کہ اگر ایک بدفطرت انسان کسی طرح طاقت حاصل کر لیتا ہے تو وہ دنیا کے لئے عذاب بن جاتا ہے۔

اس سلسلے میں یہ بات خاص طور پر سمجھنے کے قابل ہے کہ اللہ تعالی نے جبر سے کسی کو شریف اور کسی کو کمین نہیں بنایا۔ بلکہ یہ دونوں حالتیں انسانوں کے اپنے اعمال وخیالات کا نتیجہ ہوتی ہیں اور یہ بات بالکل ممکن ہے کہ بری عادات کو ترک کر کے ایک بدفطرت شخص شریف اور بری عادات میں پھنس کر ایک شریف آدمی ذیل بن جاتا ہے۔

بالفاظ دیگر، اگر چہ دنیا کا نظام چلانے کے لئے انسانوں کا مختلف حثیتوں میں ہونا فطرت کا تقاضا تو ضرور ہے، لیکن یہ بات انسانوں کے اپنے اختیار میں ہے کہ وہ زندگی کے سٹیج پر اپنے لئے کون سا کردار پسند کرتے ہیں، اور ان کا یہی اختیار انہیں نباتات، جمادات اور حیوانات سے ممتاز کرتا ہے۔

ح

حق گو درویش:

بیان کیا جاتا ہے کہ حجاج بن یوسف کے زمانہ میں ایک ایسے بزرگ تھے جن کی ہر دعا قبول ہوتی تھی، ایک دن حجاج بن یوسف نے ان بزرگ کی حدمت میں درخواست کی:

''آپ میرے حق میں دعا فرمائیے۔''

حجاج بن یوسف کی یہ بات سن کر بزرگ نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے اور فرمایا:

''اے اللہ: اس شخص کو موت دے دے۔''

حجاج بن یوسف یہ دعا سنکر بہت حیران ہوا، اور شکایت کے لہجہ میں بولا:

''آپ نے میرے حق میں یہ کیسی دعا مانگ؟''

بزرگ نے فرمایا:

''تیرے اور مسلمانوں کے لیے یہی دعا سب سے اچھی ہے۔ وہ اس لیے کہ جلد موت آجائے گی تو تیرا نامہ اعمال مزید سیاہ نہ ہوگا، اور عام مسلمانوں کے لیے یوں کہ تو مر جائے گا تو انہیں ظلم وستم سے نجات مل جائے گی۔''

جو زبردست کمزوروں کو ستاتا ہے، کیا یہ اچھا نہیں کہ تو اس ظلم سے باز آجائے۔ یہ جو تیرے پاس شان وشوکت ہے، اس پر فخر نہ کر، یہ تیرے کسی کام کی نہیں۔ اگر تو ناشکروں کی طرح جینا چاہتا ہے، ظلم وستم کا بازار گرم رکھنا چاہتا ہے تو ایسے جینے سے موت بہتر ہے۔

اس حکایت میں شیخ سعدی نے مردان خدا کا پاکیزہ کردار پیش کیا ہے، تقوی اور نیکی کا یہ تصور کہ انسان گوشہ عافیت میں بیٹھ جائے بالکل غلط ہے، ایک سچے مسلمان کا عمل یہ ہونا چاہئے کہ وہ اپنی جان کی پرواہ نہ کرتے ہوئے جابر مسلمان کے سامنے کلمہ حق کہے۔

حاضر دماغ غلام:

ایران کے مشہور بادشاہ عمرو لیث کا ایک غلام موقع پا کر بھاگ گیا، لیکن لوگوں کو فوراً ہی معلوم ہو گیا اور وہ اسے گرفتار کر کے لے آئے۔

بادشاہ کا ایک وزیر کسی وجہ سے اس غلام سے بہت ناراض تھا، غلام کے بھاگنے اور گرفتار ہو کر آنے کا حال معلوم ہوا تو اس وزیر نے بادشاہ کو مشورہ دیا:

''اس گستاخ غلام کو فوراً قتل کرا دینا چاہئے، اگر اسے سخت سزا نہ دی گئی تو اور غلاموں کا حوصلہ بڑھے گا۔ اور وہ بھاگنا شروع کر دیں گے۔''

غلام نے وزیر کی بات سنی تو سمجھ گیا کہ یہ ظالم دشمنی کی وجہ سے مجھے قتل کرانا چاہتا ہے۔

اس نے بہت ادب سے کہا:

''یہ غلام حضور بادشاہ سلامت کا نمک خوار ہے۔ بے شک مجھ سے ایک گناہ ہوا ہے، لیکن میرے دل سے حضور کی خیر خواہی اور محبت کم نہیں ہوئی، اور محبت اور خیر خواہی کی وجہ سے یہ عرض کرنے پر مجبور ہوں کہ مجھے قتل کرا کے قصور میرا خون ناحق اپنی گردن پر نہ لیں۔ ایسا نہ ہو کہ جب قیامت کے دن میرے قتل کے بارے میں پوچھا جائے تو حضور جواب نہ دے سکیں۔ اگر مجھے قتل ہی کرانا چاہتے ہیں تو پہلے اس کا جواز پیدا کر لیں۔''

بادشاہ نے سوال کیا:

''وہ کیسے ہو سکتا ہے؟''

غلام فوراً بولا:

''حضور اجازت دیں تو میں اس وزیر کو قتل کر دوں، اور پھر اس گناہ میں مجھے حضور قتل کر دیں۔''

غلام کی یہ بات سن کر بادشاہ کو ہنسی آ گئی، اس نے وزیر کی طرف دیکھ کر کہا:

''بتا اب تیرا کیا مشورہ ہے؟''

وزیر خوف سے کانپتے ہوئے بولا:

''حضور اس فتنے کو اپنے بزرگوں کے صدقے آزاد ہی کر دیں تو اچھا ہے۔ ایسا نہ ہو یہ سچ مچ مجھے کسی آفت میں پھنسا دے۔ قصور میرا ہے کہ میں نے عقل مندوں کی بات یاد نہ رکھی۔''

دشمن اگر حقیر بھی ہو تو اس کی طرف ہاتھ بڑھانے سے پہلے سوچنا چاہئے۔ کہ تم بھی کسی وقت اپنے دشمن کے نشانے پر آ سکتے ہو، اس لئے ہر قدم سوچ سمجھ کر اٹھانا چاہئے۔ اور دشمن کو کبھی حقیر نہیں سمجھنا چاہئے۔

اس حکایت میں شیخ سعدی نے جرأت اور ہوش مندی کی برکات اور فوائد کی طرف اشارہ کیا ہے، اور حاسدوں اور دوسروں کا برا چاہنے والوں کو انکے انجام سے ڈرایا ہے۔ غلام نے انتہائی خوف کی حالت میں بھی اپنے حواس بحال رکھے تو ایک بڑی مصیبت سر سے ٹل گئی، اور وزیر نے اس کا برا چاہا تو ایسا بلند مرتبہ رکھتے ہوئے بھی ذلیل ہو گیا۔

حاتم سے بڑا رتبہ:

کسی نے حاتم طائی سے سوال کیا:

''آپ نے دنیا میں کسی کو اپنے آپ سے زیادہ سخی پایا؟''

حاتم طائی نے جواب دیا:

''ہاں، ایک لکڑہارے کو، ایک بار میں نے اپنے مہمانوں کے لیے چالیس اونٹ ذبح کیے، دعوت عام تھی جو آتا تھا پیٹ بھر کر جاتا تھا۔ اس دن میں کسی ضرورت سے جنگل کی طرف گیا تو وہاں ایک لکڑ ہارے کو دیکھا جو خشک لکڑیاں اکٹھی کر رہا تھا۔ میں نے اس سے کہا:

''تو آج پر مشقت کیوں اٹھا رہا ہے؟ حاتم کے گھر کیوں نہیں جاتا؟
وہاں تجھے بہترین کھانا ملے گا۔''

لکڑہارے نے میری یہ بات سنی تو بے پروائی سے جواب دیا:

''جو شخص اپنی محنت سے اپنی خوراک حاصل کر سکتا ہے۔ وہ حاتم طائی کا احسان کیوں اٹھائے۔ اپنی محنت سے جو اپنا رزق کما سکتا ہے، اسے حاتم طائی کی سخاوت سے کوئی غرض نہیں۔''

شیخ سعدی نے اس حکایت میں محنت اور خودداری کی عظمت ظاہر کی ہے۔ حاتم طائی جو ہر دل عزیزی اور کارِ خیر میں بڑا درجہ رکھتا ہے، اور اپنی عظمت سے آگاہ بھی تھا، جب خوددار اور محنتی لکڑہارے سے ملا تو اسے اس کے مقابلے میں اپنی ذات حقیر نظر آئی۔

حریص سوداگر:

شیخ سعدی بیان فرماتے ہیں:

''ایک بار ملک ایران کے جزیرہ کیش میں میری ملاقات ایک مالدار سوداگر سے ہوئی۔ اس کا سامان تجارت چالیس اونٹوں پر لدا ہوا تھا۔ کارواں سرائے میں یہ سوداگر آرام کرنے کے لئے ٹھہرا تو مجھے اپنے ساتھ اپنی کوٹھڑی میں لے گیا اور ساری رات باتوں کا چرغہ چلائے رکھا۔ کبھی کہتا، میرا ایسا مال ترکستان میں ہے، فلاں شے ہندوستان میں ہے میں نے اتنی زمین اسکندریہ میں خریدی ہے اور فلاں شخص کو اپنا وکیل مقرر کیا ہے۔''

پھر بولا:

'' اے سعدی: ان دونوں تو مغربی سمندروں میں طوفان ہے، موسم ٹھیک ہوگا تو میں اپنی زندگی میں بس ایک سفر اور کروں گا۔ اسکے

بعد اطمینان سے اپنی دوکان پر بیٹھ جاؤں گا۔ اور باقی عمر یاد الٰہی میں گزار دوں گا۔"

میں نے پوچھا:

"وہ کون سا سفر ہے جس کا تو نے ارادہ کر رکھا ہے؟"

اس نے جواب دیا:

"میں ایران کی گندھک چین لے جاؤں گا، وہاں سے چینی کے برتن خرید کر روم پہنچاؤں گا، روم کا ریشہ ہندوستان اور ہندوستان کا لوہا حلب لے جانے کا ارادہ ہے حلب کا شیشہ یمن اور یمن کی چادریں ایران میں فروخت کروں گا۔"

اس حریص سوداگر کے اتنے لمبے چوڑے ارادے سن کر میں حیران رہ گیا۔ سچ ہے مال کتنا بھی ملے انسان کا دل مطمئن نہیں ہوتا، اسے سوتے جاگتے اپنی محرومی کا احساس رہتا ہے۔ ایسا انسان کچھ بھی کر لے اس کی آنکھوں کی حرص ختم نہیں ہوتی۔ اس کا علاج صرف قناعت ہے، اگر وہ قناعت کر لے تو ٹھیک ہے ورنہ پھر قبر کی مٹی ہی اسے پر کر سکتی ہے۔"

شیخ سعدی نے اس حکایت میں اس سچائی کی طرف اشارہ کیا ہے کہ مال کی حرص میں مبتلا ہو جانے والا شخص کبھی نہیں ہوتا۔ اسکی حالت استسقاء کے مریض کی سی ہوتی ہے کہ خواہ وہ کتنا ہی پی پی لے اس کی پیاس نہیں بجھتی۔

خ

خوش بخت کسان:

بیان کیا جاتا ہے۔

ایک بادشاہ کو شکار کھیلتے ہوئے جنگل میں رات ہوگئی، سخت سردی کا موسم تھا۔ اس لئے جستجو ہوئی کو رات گزارنے کے لئے کوئی مکان مل جائے۔ اتفاق سے ایک کسان کا مکان نظر آیا۔

بادشاہ نے کہا:

"شب گزارنے کے لئے یہ مکان ناموزوں نہیں۔"

لیکن اس کے وزیر نے اتفاق نہ کیا۔ اس نے کہا:

"عالی جاہ: یہ بات کسی طرح بھی مناسب نہیں کہ بادشاہ ایک کسان کا مہمان بنے، اور اس سے رات بسر کرنے کیا اجازت لے۔ ہمارے لئے بہتر صورت یہی ہے کہ کھلے میدان میں خیمے گاڑ کر آگ روشن کریں اور مشکل کی یہ گھڑیاں گزار دیں۔"

بادشاہ نے اس بات سے اتفاق کیا، لیکن کسی طرح کسان کو بھی اس گفتگو سے آگاہی ہوگئی۔ اس نے اپنی حثیت کے مطابق کھانے پینے کا کچھ سامان لیا اور بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہو کر بہت ادب سے بولا

:

"حضور والا کی شان اس بات سے ہرگز کم نہ ہوتی کہ ایک دہقان کو اپنے قدموں سے بخشتے، لیکن یہ ناچیز اس عنایت سے ضرور سرفراز ہو جاتا۔"

بادشاہ نے اسکے پر خلوص ادب کی قدر کی، رات اس کے مکان میں بسر کی اور صبح کے وقت جب اپنے دارالحکومت کی طرف روانہ ہوا تو

دیہاتی کو خلعت اور انعام و اکرام سے نوازا۔ دیہاتی کی عقیدت اور خوشی قابل دید تھی۔ وہ بادشاہ کے گھوڑے کے آگے چل رہا تھا اور کہہ رہا تھا:

''اگر بادشاہ دہقان کا مہمان ہو تو اس سے اس کی شان میں کمی واقع نہیں ہوتی۔ وہاں اس کی خوش قسمتی کا کیا پوچھنا جس پر ایسی روشن اور عزت والے بادشاہ کا سایہ پڑ جائے۔''

شیخ سعدی نے اس حکایت میں یہ بات بتائی ہے کہ ہم مرتبہ لوگوں کے مقابل میں کم حیثیت لوگوں کے ساتھ معمولی سلوک بھی بہت فائدہ مند پہنچاتا ہے۔ کیونکہ وہ اسے اپنی خوش نصیبی خیال کر کے زیادہ شکر گزار ہوتے ہیں۔ نیز یہ کہ یہ بات ذی حیثیت لوگوں کے فرائض میں شامل ہے کہ وہ غریبوں اور کمزوروں کو حقیر جانکر ان سے بے اعتنائی نہ برتیں، بلکہ یہ بات تسلیم کریں کہ انسان ہونے کی حیثیت سے وہ بلند رجہ رکھتے ہیں۔

د

درویش اور ظالم سپاہی:

کہتے ہیں۔

ایک ظالم اور بے رحم سپاہی نے ایک درویش کے سر پر پتھر مارا۔ درویش نے اس کی طرف دیکھا اور صاحب اختیار اور طاقتور دیکھا تو خاموش رہا، لیکن وہ پتھر سنبھال لیا جو سپاہی نے اس کے سر پر مارا تھا۔

بیان کیا جاتا ہے کہ کچھ عرصہ کے بعد اس ظالم سپاہی پر خدا کا قہر نازل ہوا۔ بادشاہ کسی بات پر اس ناراض ہوگیا، اور اسے ایک کنوئیں میں قید کر دیا۔ اتفاق سے ایک دن وہی درویش اس کنوئیں کے قریب سے گزرا جس میں سپاہی قید کیا گیا تھا۔ درویش نے اپنے دشمن کو اس حالت دیکھا تو وہی پتھر اپنی جھولی سے نکالا اور اس کے سر پر دے مارا۔

سپاہی درد سے بلبلا اٹھا اور اوپر منہ کر کے درویش سے کہا:

"بندہ خدا تو نے ناحق مجھے کیوں مارا؟"

"میں نے تجھے ناحق ہرگز مارا: مجھے پہچان میں وہی ہوں جس کے سر پر تو نے پتھر مارا تھا، اور یہ پتھر بھی وہی ہے۔ جو میرے سر پر لگا تھا۔ اس وقت تو صاحب اختیار تھا اور میں مجبور تھا۔ اب خدا نے تجھے اس حالت کو پہنچایا تو بدلہ اتارنے کا موقع ملا۔"

اگر کسی نااہل کے ہاتھ میں حکومت و اختیار اور طاقت کی لگام ہو، اور تم پر ظلم کیا جائے تو عقل مند کا تقاضا یہی ہے کہ تو صبر کر، اور اگر تو خود فولادی قوت رکھتا ہے تو بہتر ورنہ خاموش رہ۔ اسی میں تمہاری عافیت ہے کہ تو خاموشی سے ظلم سہہ جائے مگر اف تک نہ کر، اور اگر تقدیر ظالم کو خوار و بے طاقت کردے تو پھر اس کے ساتھ جیسا مرضی سلوک کر اور اپنے انتقام کی آگ بجھالے۔

شیخ سعدی نے اس حکایت میں انتقام کی اہمیت کو نمایاں کیا ہے، اگر چہ درگزر اور معاف کر دینے کی برکتوں سے انکار نہیں کیا جا سکتا، لیکن از روئے اخلاق بھی یہ بات ضروری ہے کہ دشمن سے انتقام لیا جائے، کیونکہ ایسا کرنے سے ظالم کی حوصلہ شکنی او دیکھنے والوں کو عبرت حاصل ہوتی ہے کہ برے کا انجام بالآخر برا ہوتا ہے۔ ہاں اس سلسلے میں یہ بات ضروری ہے کہ طاقت فراہم کیے بغیر دشمن کو نہیں للکارنا چاہئے۔

دوست کے گھر چوری:

بیان کیا جاتا ہے۔

ایک درویش تنگدستی سے مبتلا ہو کر اس نے اپنے ایک دوست کے گھر سے کمبل چرالیا، اور اسے فروخت کر کے اپنی ضرورت پوری کر لی، لیکن اس کا یہ گناہ ظاہر ہو گیا، اسے گرفتار کر لیا، قاضی نے مقدمہ کی کاروائی مکمل کرنے کے بعد اسلامی شریعت کے مطابق اس کا کاٹ ڈالنے کی سزا سنادی۔

جس شخص کا کمبل چرایا گیا تھا، جب اسے پتہ چلا کہ میرے دوست کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔تو وہ قاضی کی عدالت میں حاضر ہوا اور سفارش کی:

''قاضی صاحب: مہربانی فرما کر اسے سزا نہ دیجیے، اسنے میرا کمبل چرایا تھا، میں اسے معاف کرتا ہوں۔''

قاضی نے جواب دیا:

''تیرے معاف کر دینے سے بھی یہ شخص سزا سے نہ بچ سکے گا کیونکہ چور کو سزا دینا اسلامی شریعت کا منشاء ہے۔''

اس شخص نے کہا:

یہ ٹھیک ہے کہا سلامی شرعت میں چوری کی سزا ہاتھ کاٹنا ہے، لیکن چوری کیا جانے والا وقف ہو تو پھر یہ سزا نہیں دی جا سکتی ۔ہم جیسے درویشوں کا مال وقف ہوتا

ہے، ہم کسی چیز کو بھی اپنی ملکیت نہیں سمجھتے۔"

قاضی نے اس بات سے اتفاق کیا اور چور کو معاف کر دیا، لیکن اسے ملامت کی:

"تو نے چوری بھی کی تو ایسے شریف دوست کے گھر جس نے تجھے سزا سے بچا لیا۔"

اس شخص نے فوراً جواب دیا:

"قاضی صاحب: آپ نے بزرگوں کا یہ قول سنا ہو گا کہ دوست کا گھر صاف کر دو، لیکن دشمن کا دروازہ نہ کھٹکھٹاؤ کہ وہ تمہاری مدد کرے گا۔"

اس حکایت میں شیخ سعدی قارئین کو ایسے نتیجے کی طرف لے گئے ہیں، جو بظاہر اسلامی فلسفہ حیات سے ٹکراتا ہے، یعنی اگر انسان کسی مصیبت میں مبتلا ہو جائے تو فلسفہ اخلاق سے متصادم نہیں۔

دراصل انہوں نے حکیت میں سوالی بن کر کسی کے آگے ہاتھ پھیلانے کی مذمت کی ہے۔ جو فلسفہ اسلام کے عین مطابق ہے۔ بالفاظ دیگر خوددار اور شریف لوگوں کے نزدیک بھکاری بن کر ہاتھ پھیلانا چوری کے گناہ سے بھی برا ہے۔

دوگنی تنخواہ

ملک عرب کا ایک بادشاہ اپنے دربار میں آیا تو اس نے اپنے ایک خدمت گار کے متعلق حکم دیا۔

"یہ جتنی تنخواہ لیتا ہے، آج سے اسے اس سے دوگنی تنخواہ دی جائے، کیونکہ ہم نے محسوس کیا ہے کہ یہ دلی شوق اور پوری محنت سے ہماری خدمت کرتا ہے۔ جبکہ اسکے ساتھیوں کا یہ حال ہے کہ وہ کام سے جی چراتے ہیں، اور سارا وقت کھیل کود میں برباد کر دیتے ہیں۔"

اس وقت بادشاہ کے دربار میں ایک دانا شخص بھی موجود تھا۔ جو ہر بات کی اصلیت اچھی طرح سمجھتا تھا۔ اس نے بادشاہ کی زبان سے یہ بات سنی تو اس پر

بیخودی طاری ہوگئی۔ اس نے ایک نعرہ بلند کیا۔

لوگوں نے پوچھا:

''اے شخص: تجھے کیا ہوا جو یوں بےخود ہوگیا؟''

اس شخص نے جواب دیا:

''میری یہ حالت یہ سوچ کر ہوئی کہ اللہ رب العزت بھی اپنے بندوں کے درجات اسی طرح مقرر کرتا ہے۔ جس طرح ہمارے بادشاہ نے اپنے خدمت گاروں کے درجات مقرر کیے ہیں، جو اپنے کام میں مستعد تھا اسے ترقی دی، جو غافل اور کاہل تھے انہیں نظر انداز کر دیا۔ بس یونہی جو خدا کے عبادت گزار ہیں انعام پائیں گے جو غافل ہیں محروم رہیں گے۔''

خدمت خلق کرنے سے ہی اعلی و ارفع مقام حاصل ہوتا ہے۔ جن لوگوں نے ایسی طرز زندگی اختیار کی وہ کامیاب رہے۔ جو اللہ تعالی کی عبادت میں مشغول و مصروف رہتے ہیں۔ ان کے ماتھوں پر ہی سجدوں کے چراغ روشن ہوتے ہیں۔

اس حکایت میں شیخ سعدیؒ نے خدمت خلق کی اہمیت واضح کرکے اطاعت خدا کی طرف توجہ دلائی ہے، اور مدلل انداز میں یہ بات بتائی ہے کہ جو لوگ دنیاوی زندگی میں اپنے مالک اور خالق خدا کو راضی کرنے کے لئے مشقت اٹھائیں گے، بادشاہ کے فرض شناس نوکر کی طرح انعام و کرام سے نوازے جائیں گے۔

دنیا پرست عابد:

بیان کیا جاتا ہے۔

ایک شخص کے بارے میں یہ مشہور تھا کہ وہ بہت زیادہ نیک ہے۔ ہر وقت اللہ تعالی کی عبادت میں مصروف رہتا ہے۔ بادشاہ نے اسکی شہرت سنی تو اس کے پاس پیغام بھیجا:

''ہمارا دل چاہتا ہے کہ آپ کی زیارت کریں، ہو سکے تو کسی دن ہماری یہ خواہش پوری کیجئے، اور ہمارے دربار میں تشریف لائیے۔''

یہ شخص عبادت گزار تو واقعی تھا لیکن اس کی یہ ساری محنت لوگوں کو دھوکہ دینے کے لئے تھی۔ بادشاہ کا پیغام ملا تو دل میں بہت خوش ہوا۔ سوچا، بادشاہ ضرور انعام واکرام سے نوازے گا۔ یہ سوچ کر اس نے فیصلہ کہ بادشاہ کے پاس جانے پہلے کوئی ایسی دوا پی لینی چاہئے جس سے کسی قدر کمزور ہو جاؤں مجھے نحیف و نزار دیکھ کر بادشاہ کو یقین آ جائے گا کہ میں واقعی بہت زیادہ عبادت کرتا ہوں۔

اپنے دل میں یہ فیصلہ کر کے اس نے ایک دوا پی لی، لیکن اس سلسلے میں اس سے غلطی یہ ہوئی کہ دینے والی دوا کی جگہ ایسا زہر پی لیا جو آدمی کو فوراً ہلاک کر دیتا ہے۔ چنانچہ وریا کار زاہد فوراً ہلاک ہو گیا۔

بعض اوقات ایسا ہوتا ہے، جو اوپر سے کچھ نظر آ رہا ہوتا ہے، درحقیقت اندر سے وہ کچھ اور ہوتا ہے۔ جو خدا کو چھوڑ کر اسکی مخلوق میں اولیت حاصل کرنا چاہتا ہے، اسکے پیش نظر خدا کا گھر نہیں ہوتا صرف وہ دنیاوی طلب کے لیے ایسا کرنا ہے، اور خدا دلوں کے حال خوب جانتا ہے۔

شیخ سعدی نے حکایت میں دنیا پرست عابدوں کی مذمت کی ہے، اور ایک ریا کار کی مثال دے کر یہ بتایا ہے کہ ایسی ہر ایک بات جو صرف مخلوق کو خوش کرنے کے لئے ہو، زہر پینے کی مانند ہے کہ اسکا انجام ہلاکت ہوتا ہے۔ عبات کی اصل روح اور اصل مقصد تو یہ ہے کہ خدا کے ساتھ انسان کا رشتہ اس طرح استوار ہو جائے کہ کوئی اور رشتہ ویسا مضبوط نہ ہو۔

دنیاپرست درویش،

ایک درویش باخدا بستیوں سے کنارہ کش ہو کر جنگل میں آباد ہو گیا تھا، درختوں کے پتے کھا کر چشمے کا پانی پیتا اور ہمہ وقت یادِ خدا میں مصروف رہتا۔ بزرگیکے آثار اس کے چہرے سے ظاہر تھے۔

ایک دن ملک کا بادشاہ شکار کھیلتا ہوا ادھر آ نکلا۔ اسکی نگاہ اس بزرگ پر پڑی تو اس کے پاس گیا، اور اسکے احوال سے آگاہ ہونے کے بعد اسے درخواست کی:

''آپ ہمارے ساتھ دارالحکومت چلئے، ہم آپ کے لئے بہت عمدہ انتظام کر دیں گے، وہاں آپ کو ہر طرح کا آرام ملے گا۔

درویش نے بادشاہ کی بات ماننے سے انکار کیا اور کہا:

''میں یہیں ٹھیک ہوں۔''

ایک وزیر بولا:

''حضور، بادشاہ سلامت کی یہ بات ماننے رپڈ کوئی حرج تو نہیں، اگر شہر میں آپ کا دل نہ لگے تو پھر یہیں واپس آسکتے ہیں۔''

یہ بات دوویش کی سمجھ میں آگئی اور وہ بادشاہ کے ساتھ آگیا۔

بادشاہ نے درویش کے رہنے کے لئے ایک شاندار مکان دے دیا جس میں باغ بھی تھا۔ خدمت کے لئے ایک لونڈی اور ایک غلام مقرر کردی اور درویش نہایت عزت اور آ ؁ ام سے زندگی بسر کرنے لگا۔

کچھ عرصہ بعد بادشاہ کو درویش کا خیال آیا تو وہ ملاقات کے لئے آیا۔ دیکھا وہ تخت پر گاؤتکیہ سے کمر لگائے بہت آرام سے بیٹھا ہے، غلام پشت کی طرف کھڑا مورچھل جھل رہا ہے، اور لونڈی خدمت میں مصروف ہے۔ آرام سے رہنے اوراور اچھی غذا کھانے سے درویش خوب فربہ ہو گیا تھا، اور اس کا رنگ نکھر آیا تھا۔

بادشاہ نے اسے اچھی حالت میں دیکھا تو بہت خوشی ظاہر کی اور کہا:

''آپ جیسے بزرگوں کی خدمت کر کے مجھے دلی مسرت حاصل ہوتی ہے۔''

''عالی جاہ: درویشوں کو عیش و آرام کا عادی بنا دینا ان کی خدمت نہیں ہے۔ایسا کرنے سے انکی روحانی ترقی رک جاتی ہے،اور وہ دوسرے دینا داروں کی طرح دنیا دار بن جاتے ہیں،البتہ عالموں کو ضرور مالی امداد دینی چاہئے کہ کہ علم حاصل کرنے اور علم پھیلانے کے لیے فارغ ہو جائیں۔''

جس طرح سرو کے حسین درخت کو کسی ارائش و زیبائش کی ضرورت نہیں ہوتی۔اسی لیے درویش باخدا کیلیے خیرات کا لقمہ زہر قاتل ہے۔

شیخ سعدی نے اس حکایت میں نہایت خوب صورت انداز میں یہ بات بتائی ہے کہ خدا خواہی اور دنیائے دوں بالیقین الگ الگ دائرے ہیں۔ان دونوں کی سمتیں واضح طور پر الگ الگ ہیں۔اگر خدا پرست دنیاوی راحتوں کی تمنا کرے گا۔تو بالآخر دنیا ہی میں پھنس جائے گا۔ ویسے بات ممکن تو ہے کہ ایک شخص دنیاوی ساز و سامان بھی رکھتا ہو اور باخدا بھی ہو۔

ر

رموز مملکت:

شاہ ایران ہرمز تخت حکومت پر بیٹھا تو اس نے اپنے باپ کے زمانے کے امیروں اور وزیروں کو قید کر دیا۔ یہ صورت حال دیکھ کر بادشاہ کے ایک معتمد نے سوال کیا:

''حضور والا: آپ نے ایسا کیوں کیا؟ بظاہر انکی کوئی خطا نہ تھی۔''

ہرمز نے جواب دیا:

''بے شک ان میں سے کسی نے بھی ایسا کوئی کام نہ کیا تھا کہ اسے جرم قرار دیا جاسکتا، لیکن میں نے یہ بات محسوس کی کہ وہ مجھ سے بہت خوف کھاتے تھے، اور جو کچھ میں کہتا تھا اس پر پوری طرح یقین نہ کرتے تھے۔ میں نے ان کیا اس حالت کو اپنے لیے خطرہ خیال کیا۔ گمان گزرا کہ کہیں یہ مل کر میرے قتل پر آمادہ نہ ہو جائیں چنانچہ میں نے فوراً دانش مندوں کے اصول پر عمل کیا کہ جو تجھ سے ڈرتا ہے تو بھی اس سے خوف کھا نہیں کہا جاسکتا کہ اپنے دل میں سمائے ہوئے خوف کی وجہ سے وہ تیرے ساتھ کیا سلوک کر گزرے۔''

اگر کوئی نحیف و نزار اور حقیر ناتواں تجھ سے خوف کھائے تو تجھ پر لازم ہے کہ تو بھی اس سے ڈر۔ یہی خوف ہے جس کی وجہ سے سانپ چرواہے کو ڈس لیتا ہے کہ مبادا کہیں یہ میرا سر ہی کچل ڈالے۔ ایک حقیر سی بلی جو شیر کے آگے بے بس ہے۔ اگر وہ شیر سے تنگ آجائے تو عین ممکن ہے وہ جھلا کر اس کی آنکھیں ہی نوچ ڈالے اپنے پنجوں سے۔

شیخ سعدی نے اس حکایت میں سیاست کا ایک اہم اصول بیان کیا ہے۔ حکمران کے لئے یہ بات بہت ضروری ہے کہ وہ صرف ان لوگوں کو معتمد بنائے جو اس سے محبت کرتے ہوں، یہ نظریہ بہت ہی ناقص ہے کہ رعب میں رہنے والے

اور دب جانے والے لوگ زیادہ مفید ثابت ہوتے ہیں۔ بے شک ایسے لوگ اپنی زیا کارانہ اطاعت شعاری اور مداح سرائی کے باعث بہت بھلے لگتے ہیں، لیکن جیسے ہی موقع پاتے ہیں، اپنی اہانت کا بدلہ لینے پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔

روئی کی جگہ اُون:

خلیفہ ہارون الرشید عباسی نے جب **ملک** مصر کا انتظام سنبھالا تو خیال آیا کہ یہی وہ **ملک** ہے جس کے تخت پر بیٹھ کر فرعون نے خدا ہونے کا دعویٰ کیا تھا۔ چنانچہ اس نے یہ ظاہر کرنا چاہا کہ مصر کی حکومت کوئی بڑی چیز نہیں، اور اپنے ایک ایسے غلام کو مصر کا سب سے بڑا حاکم بنا دیا جو بہت ہی کم اور بدصورت تھا۔

اس غلام کا نام خصیب تھا، وہ کیسا کم عقل اور جاہل تھا، اسکا اندازہ اس بات سے ہو سکتا ہے کہ ایک بار جب مصر کے کسانوں نے اس کے دربار میں حاضر ہو کر فریاد کی:

”دریائے نیل میں سیلاب آجانے کیوجہ سے ان کے کپاس کے سارے کھیت برباد ہو گئے ہیں۔“

یہ سن کر اس نے کہا:

”تم لوگوں کو چاہئے تھا کہ روئی کے پودوں کی جگہ اپنے کھیتوں میں اون بوتے، اون پانی میں خراب نہیں ہوتی۔“

یہ واقعہ ایک دانش مند نے سنا تو کہا:

”سچ ہے، خدا بڑا بے نیاز ہے، یزت اور رزق کا انحصار عقل پر نہیں بلکہ صرف حدا کی مہربانی پر ہے۔“

اگر رزق عقل کی وجہ سے ملتا تو پھر نادانوں کے حصے میں جو کا ایک دانہ بھی نہ آتا، مگر یہ رازق مطلق ہی ہے جو انہیں یوں روزی پہنچاتا ہے کہ اس افراط اور ارزانی سے دانہ بھی نہیں پاتا۔

شیخ سعدی نے اس حکایت میں دو بہت ہی اہم باتیں بیان کی ہیں۔
ایک تو یہ کہ صاحب فہم لوگوں کیلئے دنیاوی مال و دولت اور تاج وتخت بہت ہی معمولی چیزیں ہیں۔ہارون الرشید نے اتنا بڑا اور ایسا زرخیز ملک ایک حبشی غلام کے حوالے کر دیا۔
دوسرے یہ کہ ایک دنیاوی عزت اور انسان کی اپنی کوشش سے حاصل نہیں ہوتا۔اگرچہ معلوم ایسا ہی ہوتا ہے،لیکن اگر فی الواقع ایسا ہی ہوتا تو نادان تو سب بھوکے مرجائے۔

ریاکار درویش:

بیان کیا جاتا ہے۔
ایک ریاکار شخص جو صرف دنیا کو دکھانے کے لئے نیکیاں کرتا تھا۔ایک دن بادشاہ کا مہمان ہوا۔اسنے بادشاہ پر اپنی بزرگی کا رعب ڈالنے کے لئے بالکل تھوڑا کھانا کھایا،لیکن نماز میں کافی وقت لگایا: جب یہ شخص سے رخصت ہو کر اپنے گھر آیا تو آتے ہی کھانا طلب کیا۔اسکے بیٹے نے کہا:
"کیا آپ نے بادشاہ کے ساتھ کھانا نہیں کھایا تھا؟"
اس ریاکار شخص نے کہا،
"وہاں میں نے اس خیال سے کم کھانا کھایا تھا کہ بادشاہ کو میری پرہیز گاری کا اعتبار آجائے،اور اس کے دل میں میری عزت زیادہ ہو۔"
بیٹے نے کہا:
"پھر تو آپ نماز بھی دوبارہ پڑھیں،کیونکہ وہ بھی آپ نے بادشاہ کو خوش کرنے کے لئے ہی پڑھی ہوگی۔"
اپنے عیب تو چھپا لیے اور اپنے ہنر کو آشکارا کر رہا ہے۔اے مغرور انسان کیا تم نے سوچا کہ تمہارا حشر کیا ہوگا،تو تجارت بھی بہت بری کرتا ہے،یہ اللہ سے تجارت

نہیں ہے ۔اس حکایت میں شیخ سعدی نے ریا کاری شخص اگر چہ یہ خیال کرتا ہے کہ وہ اپنی چالاکی سے لوگوں کو دھوکہ دینے میں کامیاب ہو جائے گا،لیکن سوچنے کی بات یہ ہے کہ کالم الغیب خدا کو کس طرح دھوکہ دے گا، قیامت کے دن اس کے اچھے برے سب اعمال ظاہر ہو جائیں گے ،اور اس کی ریا کاری سخت عذاب کا موجب بنے گی۔

ز
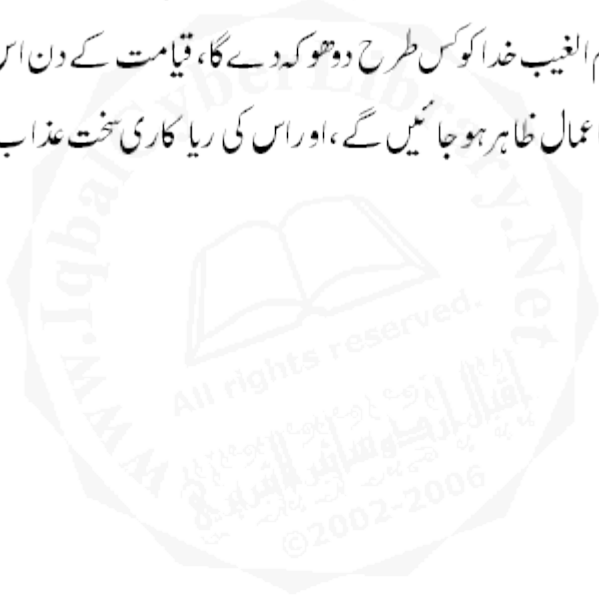
زخمی درویش:

ایک درویش سمندر کیکنارے اس حالت میں زندگی بسر کر رہا تھا کہ اس کے جسم پر چیتے کے ناخنوں کا لگا ہوا ایک زخم ناسور بن چکا تھا۔ اس ناسور کی وجہ سے درویش بہت تکلیف میں مبتلا تھا، لیکن زبان پر حرف شکایت لانے کی بجائے ہمہ وقت خدا کا شکر ادا اس درویش سے سوال کیا گیا:

''اے مرد خدا! یہ شکر کرنے کا کون سا موقع ہے؟''

درویش نے جواب دیا:

''میں اس بات کا شکر ادا کرتا ہوں کہ مصیبت میں مبتلا ہوں معصیت میں نہیں۔ تو میں نہیں۔ تو نے سنا نہیں کہ اللہ والے گناہ کے مقابلے میں مصائب کو پسند کرتے ہیں۔ جب عزیز مصر کی بیوی زلیخا نے حضرت یوسف علیہ السلام کو گناہ پر آمادہ کرنا چاہا تھا اور دھمکی دی تھی کہ انہوں نے اسکی بات نہ مانی تو وہ انہوں جیل خانہ میں ڈلوا دے گی، تو انہوں نے فرمایا تھے کہ اے اللہ: مجھے قید کی مصیبت اس گناہ کے مقابلے میں قبول ہے۔ جس کی طرف مجھے بلایا جا رہا ہے۔''

درویش نے مزید کہا:

''اللہ والوں کا حال یہ ہوتا ہے کہ وہ ہر حالت میں اپنے رب کو راضی رکھنے کی تمنا کرتے ہیں۔''

اس حکایت میں شیخ سعدی نے انسان کے اس بلند مرتبہ کا حال بیان کیا ہے، جب وہ ہر بات کو منجانب اللہ خیال کرتا ہے، اور ہر وقت اس خیال میں رہتا کہ میرا خدا مجھ سے کس طرح راضی ہوگا۔ یہی وہ روحانی منزل ہے جب انسان کو سچا اطمینان اور سچی راحت حاصل ہوتی ہے۔

اور خوف اور غم سے پاک ہو جاتا ہے۔

س

سیاہ گوش کا جواب:

سیاہ گوش گیدڑ اور لومڑی کے خاندان کا ایک جانور جو انہی کی طرح شیر کا طفیلی مانا جاتا ہے۔اس کی قد و قامت اور رنگ بھی انہی جیسا سرخی مائل اور بھورا ہوتا ہے۔ صرف کانوں کا رنگ سیاہ ہوتا ہے۔اس لئے سیاہ گوش کہلاتا ہے۔

بیان کیا جاتا ہے۔

کسی نے سیاہ گوش سے سوال کیا:

''تو ہر وقت جنگل کے بادشاہ شیر کے گرد منڈلاتا رہتا ہے۔پھر اس کے مصاحبوں میں شامل کیوں نہیں ہو جاتا کہ اس کی عنایتوں اور نوازشوں کا حقدار بن جائے، اور جنگل کے جانور تجھے عزت کی نظروں سے دیکھیں؟''

سیاہ گوش نے جواب دیا:

''میں شیر کے اردگرد تو اس لئے رہتا ہوں کہ اسکے بچے کھچے شکار سے اپنا پیٹ بھرتا ہوں، اور قریب اس لئے نہیں جاتا کہ اس کے مزاج کے تلون سے خوف کھاتا ہوں۔طاقتور کسی قاعدے قانون کے پابند نہیں ہوتے، نہ ان کی طبیعت کا رنگ ایک جیسا رہتا ہے۔تم نے بادشاہ کے بارے میں یہ بات ضرور سنی ہوگی کہ کبھی وہ تعریف کرنے والے کو قتل کرنے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں، اور کبھی گالیاں سن کر خلعت بخش دیتے ہیں۔چنانچہ اسی لئے دانش مندوں نے کہا ہے کہ ان سے دور رہنا ہی دانش مندی ہے۔بادشاہ کو خوش کرنے کے لئے ہنسی مذاق کی باتیں کرنا ان کے ندیموں کیلئے تو شاید ہنر ہو، لیکن عقل مندوں کے لئے عیب ہے۔''

آگ کا کام جلانا ہی ہے، اسکی تاثیر کبھی بدل نہیں سکتی، چاہے آتش پرست اپنی تمام زندگی اس کی کوشش میں گزار دے، اگر وہ آتش کدہ میں جا گرا تو آگ اسے جلا

کر را کھ کر کے ہی دم لے گی۔

شیخ سعدی نے اس حکایت میں یہ نکتہ بیان کیا ہے کہ ہم رتبہ لوگوں کی ہم نشینی ہی موزوں رہتی ہے۔کوئی فائدہ حاصل کرنے کے لئے یا عزت میں اضافہ ہونے کے خیال سے صاحب اقتدار لوگوں کے کے قریب کی خواہش بالعموم مہنگی پڑتی ہے۔ کیونکہ اقتدار کا نشہ ایسے لوگوں کے مزاج کو اعتدال پر نہیں رہنے دیتا۔ان لوگوں کا حال یہ ہوتا ہے کہ کبھی گالیاں سن کر انعام دینے پر رضامند ہو جاتے ہیں،اور کبھی سلام کرنے پر ناراض ہو جاتے ہیں۔

سنگدل ڈاکو:

ایک قافلہ سر زمین یونان میں سفر کر رہا تھا، ایک جگہ ڈاکوؤں کے ایک بڑے گروہ نے حملہ کر کے اہل قافلہ کا سب مال و اسباب لوٹ لیا۔قافلے والوں نے بہت منت ساجت کی، خدا کا واسطہ دیا، لیکن ان ظالم ڈاکوؤں پر کچھ اثر نہ ہوا۔اس قافلے میں حکیم لقمان بھی شامل تھا۔مسافروں نے اس سے کہا،

"ہماری آہ و زاری کا ان ظالموں پر کچھ اثر نہیں ہوتا۔آپ ہی انہیں سمجھائیے۔شاید آپ کی نصیحت کا کچھ اثر ہو۔"

حکیم لقمان نے جواب دیا:

"میں انہیں ہرگز نصیحت نہیں کروں گا، نصیحت کرنا وہاں مناسب ہوتا ہے، جہاں نصیحت قبول کرنے کی صلاحیت معلوم ہو۔"

جب لوہے کو زنگ اچھی طرح کھالیتا ہے،تو پھر اسے صیقل کر کے چمکانا ممکن نہیں سنگدل پر نصیحت کا کبھی اثر نہیں ہوتا، جیسے پتھر میں کیل نہیں ٹھونکی جا سکتی۔

اس حکایت میں شیخ سعدی نے یہ بتایا ہے کہ گناہ کرتے کرتے انسان کا دل ایسا سخت اور سیاہ ہو جاتا ہے کہ اس پر نصیحت کا کچھ اثر نہیں ہوتا۔

قرآن مجید کی اس آیت میں کھول کر یہ بات بیان کی گئی ہے۔

ترجمہ: ''مہر کر دی اللہ نے انکے دلوں اور کانوں پر اور ان کی آنکھوں پر پردہ۔ ان کیلئے بہت بڑا عذاب ہے۔''

سچا درویش:

کچھ اوباش ایک درویش کے درپے آزاد ہو گئے، جب بھی ملتا وہ اسکی توہین کرتے اور آزار پہنچاتے۔ ایک دن تو انہوں نے حد ہی کر دی۔ درویش کو خوب برا بھلا کہا اور پکڑ کر پیٹا۔ درویش ان اوباشوں کی اس حرکت سے دل برداشتہ ہوا۔ وہ اسی وقت اپنے مرشد کے پاس پہنچا اور اسے سارا حال سنایا۔ مرشد نے کہا:

''سن اے عزیز، جو درویش دنیاوی تکلیفوں اور دنیا والوں کے برے سلوک سے بے حوصلہ ہوتا ہے اس کے جسم پر درویشوں کا لباس نہیں سجھتا۔ تکلیفوں پر صبر کرنا اور برائی کے بدلے بھلائی کرنا ہمارا دستور ہے۔''

اگر بڑے دریا میں پتھر پھینکا جائے تو اس سے اس کا پانی گدلا نہیں ہوتا۔ خدا کی درویشوں پر مہربانی ہے کہ وہ یونہی غصے میں نہیں آ جاتے۔

شیخ سعدی نے اس حکایت میں اپنی اصلاح اور معاشرے کی اصلاح کا وہ بہترین طریقہ بیان کیا ہے، جو ابتدائے آفرینش رسل اور انبیاء کا دستور رہا ہے۔ یعنی غصے پر قابو پانا اور انتقام لینے کی قدرت رکھتے ہوئے بھی دشمن کو معاف کر دینا۔ یہاں یہ بات بطور خاص سمجھنے کے قابل ہے کہ شیخ سعدی جب لفظ درویش استعمال کرتے ہیں تو اس سے اس کی مراد مومن کامل ہوتی ہے تارک الدنیا خانقاہ نقش نہیں۔

سچی بادشاہت:

ایک بدعقیدہ اور مغرور بادشاہ درویشوں کو حقارت کی نظر سے دیکھتا تھا۔ ایک درویش خدامست نے قرائن سے یہ بات جان لی اور بادشاہ کو مخاطب کر کے کہا:

''اس بادشاہ: لاؤ لشکر اور دنیاوی ساز و سامان میں بے شک تو ہم سے زیادہ ہے، لیکن آرام اور طمانیت قلب میں ہم تجھ سے بڑھے ہوئے ہیں۔ موت ہم سب کو برابر کر دے گی، اور انشاء اللہ قیامت کے دن ہمارا حال تجھ سے بہتر ہو گا۔

اے بادشاہ: درویشوں کا ظاہری حال بے شک خراب و خستہ ہے لیکن ان کا دل روشن اور گناہوں پر آمادہ کرنے والا نفس مردہ ہے درویشوں کا طریقہ کار ذکر خدا، شکر ادا کرنا، ایثار، قناعت، توحید توکل اور تحمل ہے۔ اگر کسی میں یہ صفات نہ ہوں تو اسے درویش خیال نہ کرنا چاہئے۔

جو نماز کا تارک، عیش و عشرت کا خواہش مند، آوارہ پھرنے والا، راتوں کو غفلت کی نیند سونے والا، جو سامنے آئے کھا لینے والا اور جو منہ میں آئے کہہ گزرنے والا ہو تو وہ درویش نہیں ہے، خواہ اس نے درویشوں جیسا لباس پہن رکھا ہو۔''

درویش وہی ہے جس کے دل میں خوف خدا موجود ہو، اگر تیرے دل میں تقویٰ نہیں ہے تو پھر تو دنیا دار ہے، لیکن غلاف دل کے داغوں کو ہرگز نہیں چھپا سکتا، اور تو خوب جانتا ہے کہ تو مکار ہے۔

اس حکایت میں شیخ سعدی نے یہ اہم بات بیان کی ہے کہ دنیاوی بادشاہت کے مقابلے میں اقلیم دل کی بادشاہت زیادہ وقیع ہے، اور یہ بادشاہ اعمال صالح کے بغیر ہاتھ نہیں آتی۔

شتر سوار کی موت:

ایک شخص جو برہنہ پاؤں تھا، جس کے پاسکوئیسواری کا جانور بھی نہ تھا، حجاز جانے والے ایک قافلے کے ساتھ سفر کر رہا تھا، وہ اپنی دھن میں کہتا جاتا تھا:

''نہ میں اونٹ پر سوار ہوں اور نہ اونٹ کی طرح بوجھ میری پشت پر لدا ہوا ہے، نہ کسی ملک کا بادشاہ ہوں گ اور نہ کسی بادشاہ کا غلام، نہ مجھے کوئی غم ستاتا ہے نہ فکر۔ آرام اور آزادی کے ساتھ زندگی گزار رہا ہوں۔''

ایک شتر سوار نے اسے دیکھا تو کہا:

''اے شخص: تو اس حالت میں ہمارے ساتھ کہاں جا رہا ہے۔؟ تیرے بھلے کی بات کہتا ہوں، لوٹ جا، راستے کی سختیاں ہلاک کر دیں گی۔''

اس شخص نے شتر سوار کی بات پر کچھ توجہ نہ دی اور مسلسل سفر کرتا رہا۔

جب قافلہ نخلہ محمود نامی مقام پر پہنچا تو اچانک اس شتر سوار کی معمولی سی تکلیف ہوئی اور وہ مر گیا۔ اسکی موت کی خبر مشہور ہوئی تو وہی بینوا مسافر اسکی میت کے سرہانے آیا اور کہا:

''ہم تو اس سختی میں زندہ ہیں، لیکن تو ہر طرح کی آسائشیں میں رہتے ہوئے مر گیا۔''

تیز رو گھوڑا تھک کر رہ جاتا ہے، اور منزل پر لنگڑا گدھا ہی پہنچتا ہے۔ تندرست توانا اور طاقتور کو موت کھا گئی اور زخمیوں کے سروں سے موت کا سایہ ہٹ گیا۔''

شیخ سعدی نے اس حکایت میں یہ بات بتائی ہے۔ کہ جن لوگوں کو سختیاں برداشت کرنے کی عادت ہوتی ہے۔ وہ ہمیشہ خوش وخرم رہتے ہیں۔ موت بھی ان کے پاس آتے ہوئے گھبراتی ہے۔ ان کے

مقابلے میں لاڈلا پیار میں پلے ہوئے فکروں اورغموں میں بھی گھرے رہتے ہیں، اوران کی عمر میں بھی کمی ہوتی ہیں۔

اسکےعلاوہ اس حکایت میں یہ سبق بھی ملتا ہے کہ دنیاوی اسباب کی بناپر کوئی رائے قائم کر لینا مناسب بات نہیں ۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ حفاظت کامعقول سامان رکھنے ہلاک ہو جاتا ہے اور بے نوامحفوظ رہتا ہے۔

شکرگزاربندہ:

''میں ہمیشہ اللہ کامشکرگزاربندہ بن کر رہا، کبھی ایسا نہ ہوا تھا کہ مصیبت کے زمانے میں میری زبان پر حرف شکایت آیا ہو، لیکن ایک بار ایسا ہوا کہ میرے قلب کی یہ حالت بدل گئی ۔ بات یہ ہوئی کہ جوتا ٹوٹ گیا، اورنیا جوتا خریدنے کے لئے میرے پاس دام نہ تھے، ننگے پیر ہو جانے کی وجہ سے بہت ملول تھا۔

اس حالت میں کوفہ کی مسجد میں گیا وہاں میں نے ایک ایسے شخص کو دیکھا جو دونوں پیروں سے محروم تھا۔اسے دیکھ کرمیری زبان پر بے اختیارکلمات شکرآگئے کہ میرے پیرتو سلامت ہیں۔یہ چارہ تو پیروں سے ہی محروم ہے۔''

جس کی اچھی تقدیر ہو اسے ہر حال میں اللہ کاشکرادا کرنا چاہئے۔نادان، جاہل، احمق اورغافل ہی ناشکری کا اظہار کرتا ہے جس کا پیٹ بھرا ہوا ہو اس کے لئے مرغ مسلم بھی معمولی چیز ہوتی ہے، اوراگر انسان فاقہ سے ہوتو گولر بھی اسے پکوان لگتا ہے۔

اس حکایت میں شیخ سعدی نے اخلاق سنوارنے اورمطمئن زندگی گزارنے کا زریں اصول بتایا ہے، اور ہر حال میں شکرگزاربندہ بن کر رہنا ہے۔کیونکہ انسان کسی بھی خراب حالت میں ہو،غور کرے گاتو تو ایسی حالت میں بھی خودکو ہزاروں سے بہتر پائے گا۔

''نبی آخر الزماں ﷺ نے اس سلسلے میں کیسی پیاری بات ارشاد فرمائی ہے،

''بھلائی کے کاموں میں ان لوگوں کو دیکھا کرو، جو تم سے بھی زیادہ اچھے ہیں، اور دنیاوی معاملات میں ان لوگوں کی حالت پر غور کرو جو تم سے درجہ اور آسائش میں کم ہیں:۔

شاعر چوروں کی بستی میں:

ایک شاعر انعام و کرام کی توقع لے کر چوروں کے سردار کے پاس گیا، اس نے شاعر کا قصیدہ سن کر حکم دیا:

''اس کے کپڑے اتار لو اور بستی سے باہر نکال دو۔''

چوروں نے ایسا ہی کیا۔

ننگ دھڑنگ شاعر مکان سے باہ نکلا تو گلی کے کتے بھونکتے ہوئے اسکی طرف لپکے۔ اس نے انہیں ڈرانے کے لئے پتھر اٹھانا چاہا، لیکن برف باری کی وجہ سے پتھر جمے ہوئے تھے۔ یہ حالت دیکھ کر شاعر چلایا:

''یہ کیسے ظالموں کی بستی ہے کہ انہوں نے کتوں کو کھول رکھا ہے اور پتھروں کو باندھ دیا ہے۔''

چوروں کا سردار کھڑکی سے یہ ماجراہ دیکھ رہا تھا، اس نے شاعر کی یہ بات سنی تو کہا:

''مجھ سے کچھ مانگ۔''

شاعر نے کہا:

''میرے لئے تیری یہی مہربانی کافی ہے کہ تو میرے کپڑے لوٹا دے۔''

انسان کو انسان سے بھلائی کی امید ہے۔ اگر تو مجھے بھلائی نہیں پہنچا سکتا

تو خدارا مجھے آزار بھی نہ دے۔

چوروں کے سردار کو اس پر رحم آ گیا، اسنے اپنے ساتھیوں سے کہا،

''اس کے کپڑے لوٹا دو اور ہماری طرف سے کچھ درہم اور پوستین بھی دے دو۔''

شیخ سعدی نے اس حکایت میں یہ بات بتائی ہے کہ جو لوگ بروں سے بھلائی کی امید رکھتے ہیں۔ وہ فائدے کی جگہ نقصان اٹھاتے ہیں۔ اسکے علاوہ ضمناً یہ بات بھی بتائی کہ حسن بیان انسان کی ایسی خوبی ہے کہ سنگدلوں پر بھی اثر ہوتا ہے۔

شیر اور لومڑی:

ایک درویش جنگل میں سفر کر رہا تھا، ایک جگہ اسے گنجی لومڑی دکھائی دی جو بے بسی اور بے کسی کی تصویر بنی ایک جھاڑ کے پاس پڑی تھی۔ درویش کو خیال آیا:

''یہ بے چاری نہ شکار کرنے کا قابل ہے نہ کہیں آنے جانے کے۔ یہ اپنا پیٹ کسی طرح بھرتی ہوگی۔؟''

ابھی درویش یہ باتیں سوچ ہی رہا تھا کہ ایک شیر گیڈر کو منہ میں دبائے وہاں آیا۔ لومڑی کے پاس رک کر اسنے اس شکار میں سے کچھ کھایا اور باقی وہیں چھوڑ کر چلا گیا اور اس لومڑی نے اس شکار سے اپنا پیٹ بھرا اور درویش اسے اتفاق سمجھا، لیکن دوسرے دن بھی ایسی ہی ہوا تو اسے پختہ یقین وگیکا کہ اس معذور لومڑی کو رزق پہنچانے کا یہ انتظام اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے، اور پھر اس نے دل میں فیصلہ کرلیا کہ میں بھی اب اپنی روزی حاصل کرنے کے لیے کوشش اور جستجو نہ کروں گا۔ یہ فیصلہ کرکے وہ ایک جگہ اطمینان سے بیٹھ گیا۔

درویش کو پختہ یقین تھا کہ مجھے بھی کہیں نہ کہیں سے کھانے پینے کی چیزیں پہنچائی جائیں گی، لیکن کئی وقت گزر گئے اور اسکے پاس کوئی نہ آیا۔ بھوک کی شدت سے وہ

نڈھال ہو گیا۔ گھبراہٹ پیدا ہوئی اس گھبراہٹ اور پریشانی کیعالم میں مسجد کے محراب سے اس کی سماعت سے ایک آواز ٹکرائی:

''اے کم ہمت درویش: تو کنجی لومڑی بننا چاہتا ہے۔ تجھے چاہیے کہ شیر بنے۔ اپنا شکار خود مارے، اور اس میں سے دوسروں کو بھی کھلائے۔''

شیخ سعدی نے اس حکایت میں حصول رزق کیسلسلے میں صحیح اسلامی نقطہ نظر بتایا ہے، اور توکل کی حقیقت سے آشنا کیا ہے۔

شیخ سعدی فرماتے ہیں:

''رزق کا ذمہ رازق حقیقی نے لیا ہے، اور جو جاندار رزق حاصل کرنے کے لئے ذرائع اور وسائل سے محروم ہیں۔ انہیں بغیر کسی ذاتی کوشش کے لازمی طور پر رزق دیا جاتا ہے، لیکن جن کے پاس یہ وسائل موجود ہیں انہیں خود کوشش کرنی چاہیے اگر وہ ایسا نہ کریں تو کفران نعمت کے مرتکب ہوں گے۔ ہاتھ، پیر، عقل، زبان، اور آنکھیں سب اللہ کی بہترین نعمتیں ہیں۔ اور ان سے کام نہ لینا سخت ناشکری ہے۔

ص

صوفی کون ہے:

کسی نے ملک شام کے ایک بزرگ سے سوال کیا:

''تصوف کی کیا حقیقت ہے؟''

''پہلے وقتوں میں ایسے بزرگ دیکھے جاتے تھے، جن کا ظاہری حال اطمینان کے قابل نہیں تھا، نہ اچھا لباس ہوتا تھا، اور نہ ہی وہ کھانے پینے کا بہتر انتظام رکھتے تھے، اور نہ ہی ان کے پاس مال و دولت ہوتا تھا، لیکن ان کے دل نیکی اور اطمینان کے نور سے بھرے ہوتے تھے۔ اسکے مقابلے میں اب یہ حالت دیکھی جاتی ہے کہ لوگوں کا ظاہری حال تو اچھا نظر آتا ہے، لیکن ان کے دل پراگندہ ہیں۔''

جو دل دنیا کی باتوں میں الجھ جاتا ہے، اس کے لئے راحت کہیں بھی نہیں ہوتی۔ اگر دل میں دنیا کیلیے نفرت ہو، یعنی دنیا کی طرف اسکا دل مائل نہ ہو تو پھر اس کے لئے راحت ہے۔ اس سے کچھ فرق نہیں پڑتا کہ مال اور دولت موجود ہو، ہاں اگر دل میں یادِ خدا بسی ہو تو پھر خلوت ہی خلوت ہے۔ شیخ سعدی نے اس حکایت میں تصوف کی حقیقت بیان فرمائی ہے۔ خاص نکتہ یہ بتایا کہ ظاہری حالت کا اچھا یا خراب ہونا بے حقیقت ہے۔ اصل چیز تو انسان کے باطن کا درست ہونا ہے۔ اور باطن کو درست رکھنا ہی تصوف کو اپنانا ہے، اگر کسی کے پاس وافر مقدار میں دنیاوی ساز و سامان ہو، لیکن اس کا دل اللہ کی محبت میں ڈوبا ہوا ہو تو اسے دنیا دار نہ کہا جائے گا۔

ض

ضرورت کے تحت بولو ورنہ خاموش رہو:

ایک روز نوشیروان عادل کے دربار میں داناؤں کی ایک جماعت کسی اہم معاملے پر بات چیت کر رہی تھی۔ بادشاہ کا وزیر بزرجمہر بھی اس گفتگو میں شریک تھا، اور اس اجلاس کی صدارت کر رہا تھا۔ وہ تمام گفتگو کے دوران خاموش رہا اور کسی رائے کا اظہار نہ کیا۔ اس پر ایک دانا نے اس سے پوچھا۔"

"آپ بحث میں حصہ نہیں لے رہے؟"

بزرجمہر نے جواب دیا:

"وزیر طبیب کی طرح ہے، اور طبیب بیمار کے سوا کسی کی دوا نہیں دیتا۔ پھر جب میں دیکھ رہا ہوں کہ تم سب کی رائے درست اور صحیح ہے، تو درمیان میں میرا بولنا کوئی دانش مندی کا کام نہیں۔ جو کام میرے دخل دیئے بغیر ہو سکتا ہے، اس میں مجھے دخل دینے کی کیا ضرورت ہے۔ البتہ اگر دیکھوں کہ راہرو اندھا ہے، اور اس کے سامنے کنواں ہے تو اگر اس وقت خاموش رہوں تو یہ جرم ہے۔ بزرگوں کی صحبت میں دل اور اہل دانش کی مجلس میں زبان قابو میں رکھ کر بیٹھو۔"

ط

طائر تو سب یاد کریں اور ہم غفلت میں رہیں اسیر:

شیخ سعدی فرماتے ہیں،

''میں ایک بار قافلہ کے ہمراہ سفر پر نکلا، مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ رات بھر قافلے کے ساتھ چلتا رہا۔ اس قافلہ میں ایک دیوانہ بھی شامل تھا۔ میں سویا ہوتھا کہ اس نے اچانک ایک نعرہ مستانہ لگایا اور جنگل کی راہ لی، لمحہ بھر مے لئے آرام کیا نہ چین لیا، مجھ سے رہا نہ گیا، جب دن نکلا تو میں نے اس سے پوچھا:

''تجھ پر کیا کیفیت طاری ہوگئی تھی کہ جنگل میں جا گھسا۔''

میری بات سن کر کہنے لگا:

''میں نے دیکھا کہ درختوں پر بلبل، پہاڑوں پر چکور، پانی میں مینڈک اور جنگل میں درندے سبھی اس کے ذکر میں مشغول ہیں۔ سوچا کس قدر بے مروتی ہے کہ حیوان تو اس کی تعریف کریں اور میں پاؤں بچھائے سویا رہوں۔ صبح صبح جب مرغ حق ہوحق کا آواز لگاتا ہے، تو ہاتھ سے ہوش وصبر کا دامن چھوٹ جاتا ہے۔''

اس حکایت کو بیانکرنے کا مقصد شیخ سعدی کا یہ ہے کہ صبح کا وقت بڑا سہانا اور خیر وبرکت والا ہوتا ہے، لیکن انسان اسے خواب غفلت کی نذر کر دیتا ہے۔''

ظ

ظالم بادشاہ کی نصیحت:

شیخ سعدی بیان فرماتے ہیں،

''میں دمشق کی جامع مسجد میں حضرت یحییٰ علیہ السلام کے مزار پر اعتکاف میں بیٹھا تھا کہ ایک دن عرب کا بادشاہ وہاں آیا اور نماز ادا کرنے کے بعد دعا میں مشغول ہوگیا۔''

اس بادشاہ کے بارے میں یہ بات مشہور تھی کہ وہ رعایا کیساتھ بہت سختی کا برتاؤ کرتا تھا۔ دعا سے فارغ ہوکر کہ میری طرف متوجہ ہوا اور کہا:

''ایک دشمن کی طرف سے مجھے بہت خطرہ ہے، آپ میرے حق میں دعا فرمایئے کہ بزرگوں کی دعائیں قبول ہوتی ہیں۔''

میں نے بادشاہ کی بات سنی تو اس سے کہا:

''یہ بہت بڑا گناہ ہے کہ ایک طاقتور شخص کسی کمزور غریب کا پنجہ مروڑے۔ جو شخص عاجزوں پر رحم کرتا کیا وہ اس بات سے نہیں ڈرتا کہ کبھی اس پر بھی برا وقت آ سکتا ہے، اور اگر ایسا وقت آجائے تو اس کے ظلم کی وجہ سے کوئی بھی اسکی مدد کو نہ آئے گا،

جس نے بیج تو بدی کا بویا اور امید یہ رکھی کہ اس کی کیاریوں میں گل بوٹے اگیں گے۔ اس نے ایک فضول امید باندھی، اور اپنے دماغ میں ایک بے ہودہ خیال بسایا۔

اے بادشاہ: اپنے کانوں سے غفلت کی روئی نکال اور اپنی رعایا کے ساتھ انصاف کر یاد رکھ، اگر تو نے انصاف نہ کیا تو انصاف کا ایک دن مقرر ہے، تو اپنے اعمالکی پاداش سے بچ نہ سکے گا۔''

سب انسان آپس میں بھائی بھائی ہیں، سب کی تخلیق ایکہی جوہر سے ہوئی

ہے۔ اگر کسی ایک عضو کو تکلیف پہنچے تو پورا جسم بے قرار ہو جاتا ہے۔ تو اگر دوسروں کو آزار پہنچانے کے در پے نہ رہے تو تو اگر حق و انصاف کو اپنا شیوہ بنا لے تو تم کو کوئی تکلیف نہ ہو گی۔

شیخ سعدی نے اس حکایت میں مصائب سے نجات حاصل کرنے کا زریں اصول بنایا ہے، اور وہ یہ کہ جو شخص عافیت کا خواہاں ہے، وہ رحم و کرم اور انصاف کو اپنا شیوہ بنائے، اور اس بات کو سچے دل سے تسلیم کرے کہ انسان خواہ زمین کے کسی بھی حصے میں آباد ہوں، اور رنگ و نسل میں چاہے کتنا بھی اختلاف نظر آئے، سب آدم کی اولاد اور بھائی بھائی ہیں۔

ظالم وزیر کا انجام:

ایک بادشاہ کا وزیر بہت سنگدل اور لالچی تھا، اس کا خیال تھا کہ اگر بادشاہ کو خوش رکھا جائے تو ہر طرح کے نقصان سے بچا رہوں گے۔ چنانچہ اپنے اس خیال کی بنا پر وہ رعایا کو حق ناحق ستاتا اور لوٹتا تھا، اور سونا چاندی اکٹھا کر کے بادشاہ کا خزانہ بھرتا رہتا تھا۔

بزرگوں نے کہا ہے:

”جو شخص سچے خدا کو چھوڑ کر کسی اور کو اپنا خدا بنا لے، خدا اسے اس کے ہاتھوں سزا دلواتا ہے۔“

اس وزیر بے تدبیر کے ساتھ ساتھ بھی ایسا ہی معاملہ ہوا۔ اتفاق سے بادشاہ کو اس کی غلطی کا پتہ چل گیا، اور کہ اسے اس قدر ناراض ہوا کہ اسے شکنجہ میں کسوا کر ہلاک کروا دیا۔

اگر وہ یہ بات سمجھ لیتا تو اس انجام کو ہرگز نہ پہنچتا کہ بادشاہ کو خوش کرنے کی سب سے اچھی تدبیر یہ ہے کہ غریب رعایا کو خوش کیا جائے، اگر کوئی یہ چاہتا ہے کہ خدا اس سے راضی ہو جائے تو اسے چاہئے کہ خلق خدا کو خوش کرے۔

جس وقت ظالم وزیر کو سزا دی جا رہی تھی، ایک شخص اس طرف سے گزرا جسے اس وزیر نے ستایا تھا، اس نے اسے اس حال میں دیکھا تو کہا:

''جو غریبوں کو ستاتا ہے وہ اپنے لئے برا کرتا ہے، اور کہ ظلم کو پھیلاتا ہے۔ اگر کسی کو خدائی صفات کا حامل سمجھ لیا جائے تو یہ عظیم ظلم ہے۔ ایسا شخص دائمی جہنم کا مستحق بن جاتا ہے، اور دنیا میں بھی ذلیل و خوار ہوتا ہے۔ جیسا کہ ظالم وزیر اس بادشاہ کے ہاتھوں تباہ ہوا، جسے خوش کرنے کے لئے کہ غریبوں کو ستاتا اور لوٹتا تھا۔

ع
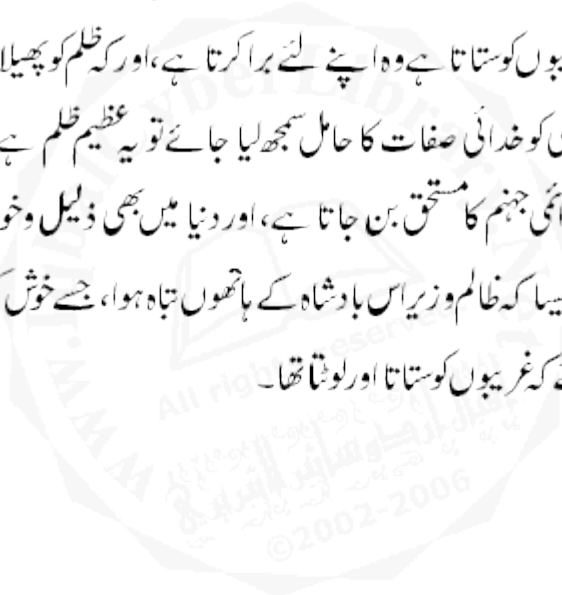
عقل مند شہزادہ:

ایک شہزادہ اپنے باپ کے مرنے کے بعد تخت حکومت پر بیٹھا تو اس نے حاجت مندوں کی امداد کے لئے اپنے خزانے کے دروازے کھلوا دیئے۔ جو شخص بھی سوالی بن کر آتا شہزادہ ضرورت کے مطابق اسکی امداد کرتا۔

"بادشاہ کا یہ رویہ دیکھا تو ایک روز وزیر نے مناسب موقع دیکھ کر خیر خواہی جتانے کے انداز میں کہا:

"حضور والا: پہلے بادشاہوں نے یہ خزانہ بہت توجہ اور دانش مندی سے جمع کیا ہے، اسے یوں لٹا دینا مناسب نہیں۔ بادشاہ کو کسی وقت بھی خطرات سے غافل نہیں ہونا چاہئے۔ کیا کہا جا سکتا ہے کہ آئندہ کیا واقعات پیش آئیں، اگر حضور والا سارا خزانہ بھی تقسیم کر دیں تو رعایا کے حصے میں ایک ایک جو کے برابر آئے گا، لیکن اگر حضور رعایا لوگوں سے ایک ایک جو کے برابر سونا لیں تو حضور خزانہ بھر جائے گا۔"

بظاہر یہ بات بڑی خیر خواہی کی تھی لیکن شہزادے کو بالکل پسند نہ آئی۔ اس نے کہا:

"خدا نے مجھے اپنے فضل سے ایک بڑی سلطنت کا وارث بنایا ہے، میرا یہ کام نہیں کہ مال جمع کرنے کی دھن میں لگ جاؤں۔ بادشاہ کا فرض ریاعا کو خوشحال بنانا ہے، خزانے پر سانپ بن کر بیٹھنا نہیں۔"

اگر عود ڈبے میں بندر ہے تو اس کا کوئی فائدہ نہیں، ہاں اگر اسے آتش سوزاں میں جلایا جائے تو تب ہی اس کی خوشبو اڑے گی اور پھیلے گی۔ جو دوسخا ہی بزرگی کا راستہ ہے۔ اگر دانہ کو بوؤں گے تو ہی کھلیان سجے گا، ورنہ ویران رہے گا۔

اس حکایت میں شیخ سعدی نے یہ نکتہ بیان کیا ہے کہ سلطنت اور اقتدار کو دوام

خزانوں سے نہیں، بلکہ لوگوں کو خوشحال بنانے سے ملتا ہے، یہ بالکل سطحی سوچ ہے کہ زیادہ مالدار لوگ زیادہ عزت پاتے ہیں، اور مال کی قوت سے ان کا اقتدار مستحکم ہوتا ہے، حقیقت یہ ہے کہ سخاوت اور عدل و انصاف کے باعث دلوں میں جو محبت پیدا ہوتی ہے وہ اقتدار اور عزت کو دوام بخشتی ہے۔

عقل مند سیاح:

شیخ سعدی بیان فرماتے ہیں:

''سیاحوں کی ایک جماعت سفر پر روانہ ہو رہی تھی، میں نے خواہش ظاہر کی کہ مجھے بھی ساتھ لے چلو۔ انہوں نے انکار کیا، میں نے انہیں یقین دلایا:

''میں آپ حضرات کے لئے مصیبت اور پریشانی کا باعث نہ بنوں گا، بلکہ جہاں تک ہو سکے گا خدمت کروں گا۔''

وہ پھر بھی رضامند نہ ہوئے۔

سیاحوں میں سے ایک شخص نے کہا:

''بھائی ہمیں معاف ہی رکھو۔ اس سے پہلے رحمدلی کے باعث ہم سخت نقصان اٹھا چکے ہیں۔ کچھ عرصہ پہلے تمہاری طرح ایک شخص ہمارے پاس آیا اور ساتھ سفر کرنے کی اجازت مانگی، اس شخص کا لباس اور شکل و صورت درویشوں کی سی تھی ہم نے اسکا اعتبار کیا اور ساتھی بنا لیا، سفر کرتے کرتے ہم لوگ قلعے کے پاس پہنچے تو آرام کرنے کے لئے ایک مرزوں جگہ ٹھہر گئے، اور جب سونے کے لئے اپنے بستروں پر لیتے تو اس شخص نے یہ کہہ کر ایک سیاح سے پانی کی چھاگل لی کہ میں پیشاب پاخانہ کے لئے جانا چاہتا ہوں، چھاگل لے کر وہ قلعے میں جا گھسا، اور وہاں سے قیمتی سامان چرا کر رفو چکر ہو گیا، قلعے والوں کو پتہ چلا تو انہوں

نے ہم لوگوں پر شک کیا اور پکڑ کر قید کر دیا ، بڑی مشکل سے نجات ملی۔''

شیخ سعدی فرماتے ہیں:

میں نے ایک سیاح کا شکریہ ادا کر کے کہا:

''اگر چہ مجھے آپ کا ہم سفر بننے کی عزت حاصل نہیں ہو سکتی، لیکن آپ نے جو اچھی باتیں سنائیں، ان سے مجھے بہت فائدہ حاصل ہوا، سچ ہے، ایک مچھلی ساری تالاب کو گندہ کر دیتی ہے۔''

شیخ سعدی نے اس حکایت میں ایک نہایت ہی لطیف نکتہ بیان کیا ہے، وہ یہ کہ گناہ کرنے والے کا فعل صرف اسکی ذات تک محدود نہیں ہوتا، جن لوگوں کو وہ براہ راست نقصان پہنچاتا ہے، ان کے علاوہ نہ جانے اور کتنے لوگوں اس کی غلط کاری کے باعث جائز فوائد سے محروم ہو جاتے ہیں۔ لوگ کسی فریب کار کے ہاتھوں نقصان اٹھا کر شریف اور مستحق لوگوں کا بھی اعتبار نہیں کرتے۔

علم کی عظمت:

ملک مصر دو امیر زادے رہتے تھے۔ ایک نے دنیاوی علوم وفنوں حاصل کیے او ملک کا حاکم اعلیٰ بن گیا، دوسرے نے علم دین کی طرف رغبت کی اور ایک بڑا عالم بن گیا، جو بھائی حاکم تھا وہ دوسرے بھائی کو ہمیشہ حقارت کی نظر سے دیکھا کرتا تھا، ایک دن ملاقات ہوئی تو کہنے لگا:

''اگر تو بھی میری پیروی کرتا تو ایسی پست حالت میں نہ ہوتا۔ مجھے دیکھ کسی عزت اور شان کا مالک ہوں۔''

دوسرا بھائی بولا:

''اے برادر: یہ تیری غلط فہمی ہے کہ حکومت حاصل کر کے تو زیادہ عزت کا مالک بن گیا ہے، خدا کا شکر ہے کہ عزت اور اطمینان کے معاملہ میں

میں تجھ سے بڑھ کر ہوں کہ پیغمبروں کی میراث علم کا مالک ہوں اور تو فرعون وہامان کا وارث بنا ہے۔''

شیخ سعدی نے اس حکایت میں علم کی فضیلت ظاہر کی ہے، اگرچہ ایک سطح بیں شخص دولت کو ہر چیز سے افضل خیال کرتا ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ دولت کی حیثیت ہاتھوں کے میل اور دنیاوی شان وشوکت کی حیثیت ڈھلتی پھرتی چھاؤں سے زیادہ نہیں۔ جس چیز کو زوال نہیں اور جو چیز ہمیشہ بڑھتی ہے، وہ علم ہے۔ انسانیت کی پوری تاریخ اس ثابت کی شاہد ہے کہ حقیقی اقتدار ہمیشہ صاحبان علم ہی کو حاصل رہا ہے انہوں نے ہمیشہ دلوں پر حکومت کی ہے۔

عجم کا طبیب:

عجم کے ایک عیسائی بادشاہ نے عقیدت ظاہر کنے کے خیال سے اپنے ملک کے ایک نامور طبیب کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں اس خیال سے بھیجا کہ وہ مدینہ طیبہ میں رہ کر بیمار مسلمانوں کا علاج معالجہ کرے۔

اس طبیب کو مدینہ طیبہ میں رہنے کی اجازت مل گئی، اور وہ مطلب کر وہاں رہنے لگا، لیکن کتنے ہی دن گزر گئے ایک مسلمان بھی علاج کروانے کے خیال سے اس کے مطلب میں نہ آیا طبیب نے اپنے طور پر خیال کیا کہ شاید یہ لوگ میرے عیسائی ہونے کی وجہ سے مجھ سے علاج نہیں کرواتے، چنانچہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس بات کی شکایت کی:

''مسلمان مجھ سے نفرت کرتے ہیں، اور اس وجہ سے علاج نہیں کراتے۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''ایسی بات ہرگز نہیں، اصل بات یہ ہے کہ لوگ بیمار نہیں ہوتے، اور

ان کے تندرست رہنے کی خاص وجہ یہ ہے کہ جب تک خوب بھوک نہ لگے کھانے کی طرف ہاتھ نہیں بڑھاتے ، اور جب کچھ بھوک باقی ہوتی ہے تو دستر خوان سے اٹھ جاتے ہیں۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد مبارک سن کر طبیب مطمئن ہو گیا، اس کی سمجھ میں یہ بات آ گئی کہ مدینہ طیبہ کے مسلمان علاج کی غرض سے اس کے مطلب میں کیوں نہیں آتے۔

اگر گفتگو کرنے اور کھانے میں اعتدال کا دامن ہاتھ میں رہے تو اس سے انسان خود بھی تندرست وتوانا رہتا ہے، اور اس کی جان بھی محفوظ رہتی ہے۔ ہم ہمیشہ بے اعتدالی کے سبب ہی کسی مصیبت یا وبال میں پھنستے ہیں، اگر انسان اعتدال میں ہے تو یہ اس کے لئے از حد مفید ہے۔

شیخ سعدی نے اس حکایت میں باعزت اور تندرست رہنے کا زریں گر بتایا ہے۔ دنیا کے تمام دانش منداس بات پر متفق ہیں کہ کم کھانے، کم بولنے اور کم سفر کرنے والے لوگ فائدے میں رہتے ہیں۔

یقیناً یہ سب باتیں ضروری ہیں مگر ان کا اصل فائدہ اس وقت پہنچتا ہے کہ جب اعتدال اور احتیاط کا راستہ اختیار کیا جائے۔

غ

غلام کے ساتھ سختی:

ایک مرد صالح ایک امیر کے گھر کے قریب سے گزرا تو اس نے دیکھا کہ امیر نے اپنے غلام کے ہاتھ پاؤں باندھ دیئے ہیں اور اسے پیٹ رہا ہے، یہ دیکھ کر اس مرد صالح نے کہا:

”خدا نے اگر اسے تیرے بس میں دے دیا ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ تو اس کا مالک بن گیا ہے۔ جس طرح خدا ہمارا مالک ہے، تیرا فرض تو یہ ہے کہ اس فضیلت پر جو تجھے تیرے غلام پر حاصل ہے خدا کا شکر ادا کرے تو اس پر اتنا ظلم نہ کر سکتا ہے کہ قیامت کے دن تیرا یہ غلام تجھ سے اچھی حالت میں ہو، جیسا کہ آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ:

قیامت کے دن سب سے بڑی حسرت یہ ہوگی کہ نیک غلام کو تو بہشت میں داخل کیا جائے گا اور سخت گیر بدکار آقا کو دوزخ میں۔“

شیخ سعدی نے اس حکایت میں حاکم اور محکوم کے درجوں کی وضاحت فرمائی ہے اور قرآنی احکام کے مطابق یہ درس دیا ہے کہ ان کے ساتھ ہمیشہ نرمی اور مروت کا برتاؤ کیا جائے، اگر دنیا میں کسی وجہ بیبس اور بے چارے نظر آتے ہیں تو اسکا یہ مطلب ہرگز کہ روز قیامت بھی ان کی یہی حالت ہوگی۔

غم نان سے فکر جہاں تک:

ایک بادشاہ کا آخری وقت قریب آ گیا، اس کا کوئی وارث نہ تھا جو اس کا جانشین بن کر سلطنت سنبھالتا، اس نے اپنے مشیروں کو وصیت کی:

”کل صبح جو شخص شہر کے دروازے سے سب سے پہلے داخل ہو، اس کے سر پر

شاہی تاج رکھ دینا اور سلطنت سونپ دینا۔‘‘

اتفاق سے اگلے دن صبح جو شخص سب سے پہلے شہر میں داخل ہوا، وہ ایک نوا فقیر تھا، جس کی تمام عمر ایک لقمہ مانگتے گزری تھی۔

امرائے سلطنت نے بادشاہ کی وصیت کے مطابق شاہی تاج فقیر کے سر پر رکھ دیا، اور قلعوں اور خزانوں کی چابیاں اس کے حوالے کر دیں، گویا زندگی بھر روکھی سوکھی کوترسنے والا اب شیریں ولذیذ حلوے کا لطف اٹھائے گا۔

فقیر کچھ عرصہ تک امور سلطنت بخیر وخوبی چلاتا رہا، اسے سکون و عافیت حاصل رہی لیکن بدبختی نے اس بے چارے کو پھر آن لیا۔ بعض امراء اس کی اطاعت سے روگردانی کر گئے، گردونواح کے بادشاہ اس کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے اور جنگ کے لئے لاؤ لشکر جمع کرنے لگنے۔ فوج اور رعایا بھی بغاوت پر اتر آئی، اور یوں ملک کا کچھ حصہ اس کے قبضہ سے نکل گیا۔

بے چارہ فقیر اس پریشان کن اور افسوس ناک واقعہ سے پریشان رہنے لگا۔ فقیر کا ایک پرانا دوست جو ابھی تک مفلسی کی زندگی بسر کر رہا تھا، کسی سفر سے واپس آیا تو اسے اپنے دوست کے بادشاہ بننے کا علم ہوا۔ وہ بڑا خوش ہوا، اور اپنے دوست کو مبارکباد دینے شاہی محل چلا آیا، بادشاہ سے کہا:

’’اللہ رب العزت کا شکر ہے کہ تیرے بلند نظیب نے یاوری کی، اور تمہیں اس منصب پر پہنچا دیا، بے شک ہر دکھ کے بعد سکھ ہے۔‘‘

بادشاہ نے اپنے دوست کی بات سنی تو ٹھنڈی آہ بھر کر بولا:

’’دوست یہ افسوس کا موقع ہے، خوشی کا نہیں، جس وقت کی تم بات کرتے ہو، اس وقت مجھے صرف ایک نان کا غم تھا اب ایک جہان کی فکر ہے۔ اگر وہ دولت نہ ملے تو ہم چلاتے ہیں، اور اگر مل جائے تو ننانوے کے چکر میں پھنس جاتے ہیں۔‘‘

شیخ سعدی اس حکایت میں بتاتے ہیں کہ جب انسان کے وسائل بڑھ جاتے ہیں ۔تو اسکی پریشانیوں میں بھی اضافہ ہو جاتا ہے۔دولت سے دل کا صبر وسکون نہیں حاصل ہوتا۔دولت مند کی سخاوت سے درویش کا صبر بہتر ہے۔
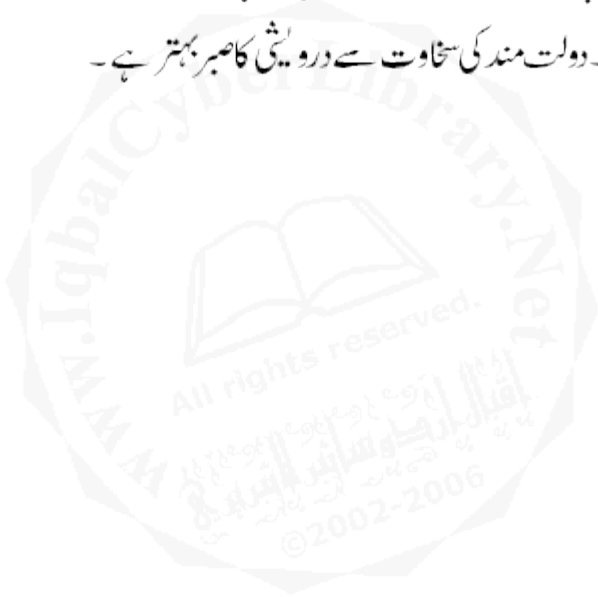
ف

فتح کی خوشخبری:

ملک عرب کا ایک بادشاہ بڑھاپے کی عمر کو پہنچ گیا۔ اس زمانے میں اسے ایک سخت مرض نے آ پکڑا، جس کے باعث وہ اپنی زندگی سے مایوس ہ گیکا اور یہ تمنا کرنے گا کہ موت کا فرشتہ جلد آئے اور اسے تکلیفوں سے چھڑا دے۔

ملک عرب کا ایک بادشاہ بڑھاپے کی عمر کی پہنچ گیا۔ اس زمانے میں اسے ایک سخت مرض نے آ پکڑا، جس کے باعث وہ اپنی زندگی سے مایوس ہو گیا اور یہ تمنا کرنے لگا کہ موت کا فرشتہ جلد آئے اور اسے تکلیفوں سے چھڑا دے۔

انہی ایام میں محاذ جنگ سے ایک سپاہی نے اس کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ خوشخبری سنائی:

"حضور کے اقبال کی یاوری سے ہماری فوج نے دشمن کو شکست دے کر فلاں علاقے پر قبضہ کر لیا، اور اس علاقے کے باشندے سچے دل سے حضور کے فرمانبردار بن گئے۔"

بادشاہ نے یہ خوشخبری افسردہ ہو کر سنی اور پھر آہ بھر کر بولا:

"یہ خوشخبری میرے لئے نہیں بلکہ میرے دشمنوں کے لئے ہے، یعنی ان کے لئے جو میری جگہ تمام اقتدار سنبھالنے میرے مرنے کی دعائیں مانگ رہے ہیں۔"

تمام زندگی اس امید پر بسر کی کہ کبھی تو میرے دل کی تمنا بر آئے گی، مگر افسوس کہ آرزو اس وقت پوری ہوئی جب زندگی کی شام ہو چکی۔

شیخ سعدی نے اس حکایت میں انسان کو اس کی آرزوؤں کے انجام سے آگاہ کیا ہے۔ انسان کیسا بھی صاحب اقتدار بن جائے اس کا انجام فنا ہے۔ موت مقررہ وقت پر اس کے دروازے پر دستک دے گی اور اسے اپنا تمام ساز و سامان چھوڑ

کر اس دنیا سے رخصت ہونا پڑے گا، اور اس وقت وہ محسوس کرے گا کہ جن آرزوؤں اور تمناؤں کو اس نے زندگی کا مقصد بنالیا تھا، اس کی حیثیت کم قیمت کھلونوں سے زیادہ نہیں۔

فضول خرچ فقیر:

ایک بادشاہ اپنے مصاحبوں کے درمیان خوش وخرم بیٹھا اس مفہوم کے اشعار پڑھ رہا تھا۔

''آج دنیا میں مجھ جیسا خوش قسمت کوئی نہیں، کیونکہ مجھے کسی طرف کوئی فکرنہیں ہے۔''

اتفاق سے اس وقت ایک ننگ دھڑنگ فقیر اس طرف سے گزرا۔ وہ بادشاہ کی آواز سن کر رک گیا، اور اونچی آواز میں شعر پڑھا:

''اے بادشاہ! اگر خدا نے تجھے ہر طرح کی نعمتیں بخشی ہیں، اور کسی قسم کا غم تجھے نہیں ستاتا تو کیا تجھے میرا غم بھی نہیں ہے کہ تیرے ملک میں رہتا ہوں اور ایسی خراب حالت میں زندگی گزار رہا ہوں؟''

بادشاہ نے فقیر کی آواز سنی تو اس کی طرف متوجہ ہوا، اور اس کی حالت سے آگاہ ہو کر کہا:

''اے درویش! اپنا دامن پھیلایئے، ہم آپ کو کچھ اشرفیاں دینا چاہتے ہیں۔''

بادشاہ کی یہ بات سن کر فقیر نے کہا:

''بابا! میں تو دامن بھی نہیں رکھتا۔''

بادشاہ کو اس پر اور رحم آیا، اور اس نے اسے اشرفیوں سے ساتھ بہت عمدہ لباس بھی بخشا۔ فقیر یہ چیزیں لے کر چلا گیا۔ چونکہ یہ مال اسے بالکل آسانی سے مل گیا تھا، اسلئے ساری اشرفیاں چند ہی دن میں خرچ کر ڈالیں، اور پھر بادشاہ کے محل کے

سامنے جا کر صدا لگائی:

بادشاہ نے فقیر کی آواز سنی تو اسے بہت غصہ آیا، بادشاہ نے حکم دیا:

"اسے بھگا دیا جائے۔ یہ شخص بہت فضول خرچ ہے۔ اس نے اتنی بڑی رقم اتنی جلدی ختم کر دی۔ اس کی مثال تو چھلنی کی سی ہے جس میں پانی نہیں ٹھہر سکتا، جو شخص فضول کاموں میں روپیہ خرچ کرتا ہے، وہ سچی راحت نہیں پا سکتا۔"

بادشاہ کا ایک وزیر بہت دانا اور غریبوں کا بہت ہمدرد تھا۔ اس نے بادشاہ کی یہ بات سنی تو ادب سے کہا:

"حضور والا نے بالکل بجا فرمایا ہے اس نادان نے فضول خرچی کی ہے۔ ایسے لوگوں کو تو بس ان کی ضرورت کے مطابق امداد دینی چاہئے لیکن یہ بات بھی موت اور عالی ظرفی کے خلاف ہے کہ اسے خالی ہاتھ لوٹا دیا جائے، حضور اسکی بے تدبیری کو نظر انداز فرما کر کچھ نہ کچھ امداد ضرور کریں۔"

اس حکایت میں شیخ سعدی نے خیرات اور بخشش کے بارے میں اہم نکات بیان فرمائے ہیں۔

(1) جو لوگ صاحب اقتدار اور آسودہ حال ہیں انہیں زیر دستوں کی امداد سے غافل نہ رہنا چاہئے۔

(2) یہ خیال رکھنا چاہئے کہ امداد سائل کے ظرف اور ضرورت سے زیادہ نہ ہو کہ وہ فضول خرچی کے گناہ سے بچا رہے۔

(3) جس شخص کو خدا نے اپنی نعمتوں سے نوازا ہو اسے غیر مستحق لوگوں کے سوال پر بھی برہم نہیں ہونا چاہئے۔ کیونکہ ان کی شہرت کے باعث ضرورت مندوں کا ان کے پاس آنا ایک ضروری بات ہے۔

بالکل یوں جیسے شیریں پانی کے چشمے پر چرند پرند اور انسان سب جمع

ہوتے ہیں۔

(4) سائل کو چاہئے کہ جب وہ صاحب اقتدار لوگوں سے سوال

کرے تو اس بات پر ضرور غور کر لے کہ اس کا مزاج برہم تو نہیں، کیونکہ

ایسے لوگوں کا یہ حال ہوتا ہے کہ کبھی اچھی بات پر ناراض اور کبھی بری

بات پر خوش ہو جاتے ہیں۔

فقیر کی دولت:

ایک فقیر نے کوڑی کوڑی اکٹھی کر کے کافی مال جمع کر لیا تھا، اتفاقاً یہ بات ملک

کے بادشاہ کو بھی معلوم ہو گئی۔ اس نے فقیر کو بلوایا اور اس سے کہا:

"جنگی اخراجات کے لئے ان دنوں ہمیں روپے کی بہت ضرورت

ہے، مناسب ہو گا کہ اپنی جمع پونجی ہم کو دے دو۔ ہم بعد میں ادا کر دیں

گے۔"

فقیر نے کہا:

"عالی جاہ! یہ بات کسی طرح بھی مناسب نہیں کہ ملک بادشاہ ایک

ایسے فقیر کے مال پر نظر رکھے جس نے در در پھر کر خیرات مانگی ہے۔"

بادشاہ نے کہا،

"کوئی بات نہیں، تیرا یہ ناپاک مال ہم پاک جگہ ہی خرچ کریں گے۔"

فقیر پھر بھی مال دینے پر رضامند نہ ہوا، اب بادشاہ نے حکم دیا:

"اس کا سارا مال زبردستی چھین لیا جائے۔"

چنانچہ ایسی ہی کیا گیا۔

اگر نرمی سے کام نہ نکلے تو گھی کو ٹیڑھی انگلی سے ہی نکال لینا چاہئے۔

اے نادان کو ضرورت سزا دینا چاہئے۔ جو اپنی ذات پر مال خرچ نہیں

کرتا، اسے اس کے مال سے محروم کر دینا چاہئے۔

شیخ سعدی نے اس حکایت میں وہ باتیں بیان کی ہیں۔ ایک تو یہ کہ روپیہ جائز طریقے حاصل کیا ہو یا ناجائز طریقے سے، بہر حال اپنی مادی قیمت رکھتا ہے، اور کسی برائی کے خاتمہ کی کوشش میں مشکوک مال خرچ کرنا خلاف عقل نہیں۔ دوسرے یہ کہ جو لوگ صرف سنبھال کر رکھنے کی چیز سمجھتے ہیں اس سے فائدہ نہیں اٹھاتے، ان سے ان کا مال زبردستی چھین لیا جاتا ہے۔

ق

قرآن کی حرمت:

ایک خدا رسیدہ بزرگ کا فرزند فوت ہو گیا، لوگوں نے پوچھا:

”میت کے صندوق پر کون سی آیت لکھی جائے؟“

بزرگ نے جواب دیا:

”یہ بات کلام اللہ کی حرمت کے منافی ہے کہ اس کی مقدس آیات ایسی چیز پر لکھی جائیں جو چیزوں کے نیچے آنے والی ہیں، اور کتے جس پر پیشاب کریں گے، اگر کچھ لکھنا ضروری ہے تو لوح مزار پر یہ لکھ دیئے جائیں:

چمن کی سیر کو جائیں تو دل سیراب ہوتا ہے
نظر آتا ہے ہر گل شوخ اور شاداب ہر پتا
مگر اے وائے دنیا اک دن ایسا بھی آئے گا
تو دیکھے گا ہماری گور پر سبزہ اگا ہوا

شیخ سعدی نے اس حکایت میں ایک ایسی رسم کو ختم کرنے کا اشارہ کیا ہے۔ جو مسلمانوں میں قریب قریب عام ہے، کسی شخص کا انتقال ہوتا ہے تو برکت کے خیال سے اس کے کفن اور صندوق پر قرآن مجید کی آیات لکھی جاتی ہے۔ یہ یقیناً قرآن مجید کی بے حرمتی ہے، جب ایسے مزار ٹوٹ پھوٹ جاتے ہیں، اور ان کا بالآخر یہی حشر ہوتا ہے، تو وہ زمین لوگوں کی گزرگاہ ہوتی ہے، اور بقول شیخ سعدی ک کتے وہاں پیشاب کرتے ہیں۔ اسکے علاوہ یہ خیال بھی ہمارے مذہب کے مطابق نہیں ہے کہ صرف قرآن کی آیات لکھ دینے سے کوئی شخص بخشا جائے گا۔ عذاب ہونے نہ ہونے یا بخشے جانے ک انحصار تو صرف اعمال پر ہے۔

قدر کھو دیتا ہے روز کا آنا جانا:

حضرت ابو ہریرہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) ایک دن چھوڑ کر آیا کرو۔ اس سے محبت میں اضافہ ہوتا ہے۔ یعنی روز نہ آیا کرو تا کہ محبت زیادہ ہو۔"

سورج میں خوبصورتی اور روشنی دنیا بھر کے حسن مانند ہے، مگر اس کے باوجود اس سے محبت نہیں کرتا، اس لئے کہ اسے روز دیکھا جاتا ہے۔ جب سورج بادلوں کی اوٹ میں ہو جاتا ہے تو سب کو پیارا لگتا ہے۔

لوگوں کی ملاقات کے لئے جانا کوئی عیب کی بات نہیں، مگر اتنا بھی نہیں جانا چاہئے کہ آخر کار دوسرا شخص اکتا کر خود ہی کہہ دے، اب نہ آنا۔
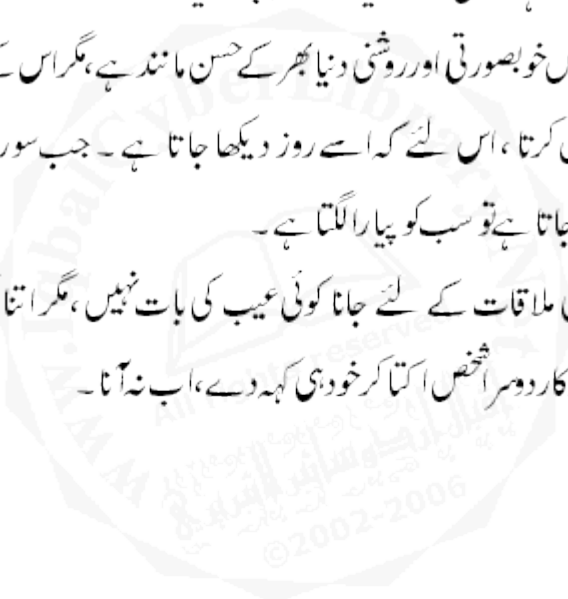
ک

کعبہ کا مسافر:

شیخ سعدی فرماتے ہیں:

''ایک بار میں مکہ مکرمہ کی طرف سفر کر رہا تھا، مسلسل سفر کرتا ہو جب وادی مکہ میں داخل ہوا تو اس قدر تھک چکا تھا کہ ایک قدم آگے بڑھنا دشوار تھا، چنانچہ میں نے شتربان سے کہا:

''بھائی! میری حالت تو بہت خراب ہے۔تو جانتا ہے کہ میں نے اس سفر میں کتنی تکلیف اٹھائی ہے، میں تو کچھ دیر آرام کرنا چاہتا ہوں۔''

شتربان نے جواب دیا:

''مکہ تیرے سامنے ہے اور ڈاکو تیرے پیچھے، تو کسی درخت کی ٹھنڈی چھاؤں میں سو گیا تو کہا نہیں جا سکتا کہ تیرا انجام کیا ہو۔ سفر کی تھوڑی سی تکلیف اور اٹھالے گا تو اپنی منزل پر پہنچ جائے گا۔ ہمت ہار دے گا تو تباہی کا خطرہ ہے، تو نے سنا نہیں۔

پیڑوں کے ٹھنڈے سایہ میں بہت آرام ملتا ہے، مگر اس آرام میں جاں کا خطرہ بھی پوشیدہ ہے۔''

شیخ سعدی نے اس حکایت میں جہد مسلسل کی برکتوں کی طرف توجہ دلائی ہے۔ انہوں نے نہایت دلنشین انداز میں یہ بات بتائی ہے کہ منزل مقصود پر پہنچے سے پہلے آرام و راحت کا خیال انسان کو محرومیوں سے دوچار کر دیتا ہے۔

کنجوس کا مال:

ایک مالدار سوداگر اس قدر کنجوس تھا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ کی بلی بھی اس کے گھر آتی تو اسے بھی روٹی کا ایک ٹکڑا نہ ڈالتا۔

اس کا دروازہ ہمیشہ بند اور خوان لپٹا رہتا تھا۔

ایک بار اس نے مال تجارت جہاز پر لادا اور ملک مصر کی طرف روانہ ہوا۔ غرور سے اس کی گردن یوں اکڑی ہوئی تھی کہ گویا اس زمانے کا فرعون ہو۔ اسے پختہ یقین تھا یہ تجارتی سفر اس کے لئے بہت زیادہ نفع رساں ثابت ہوگا، لیکن ہوا یہکہ جب وہ آدھا راستہ طے کر چکا تو سمندر میں طوفان آ گیا، اور اس بخیل کا سرا جہاز غرق ہو گیا۔ طوفان کے آثار دیکھ کر اس بخیل نے بہت دعائیں مانگیں، لیکن دعاؤں سے اسے کچھ فائدہ نہ پہنچا۔ ایسے شخص کی دعا کب قبول ہوتی ہے، جس کے ہاتھ مانگنے کے کیۓ تو خدا کے سامنے پھیل جائیں، لیکن کسی کو کچھ دینا پڑتا ہو تو بغلوں میں چھپا لئے جاتے ہو۔

اس بخیل کا چھوڑا ہوا مال اور جائداد اس کے ان غریب رشتے داروں کے ہاتھ آئی، جنہیں اس نے زندگی بھر کبھی نہ پوچھا تھا، اور وہ خوب شان وشوکت سے زندگی گزارنے لگے۔

خدا نے اگر مال بخش رکھا ہے تو اسے خرچ کرنا چاہئے، اور یوں خود بھی راحت پائے اور دوسروں کو بھی سکون دے، ایک روز سب کو اس دنیا سے کوچ کرنا ہے، پھر یہ سونا اور چندی جمع کرنے کے کیا معنی۔

کعبہ اور غلاف کعبہ:

شیخ سعدی فرماتے ہیں:

ایک عرب اپنے بیٹے سے کہہ رہا تھا:

''بیٹا! قیامت کیدن تجھ سے تیرے اعمال کے بارے میں پوچھا جائے گا، تجھ سے تیرا حسب نسب دریافت نہ کیا جائے گا۔''

اے بیٹے! اس دن تیرے ہنر سے چوما جاتا ہے، اور غلاف کعبہ کو جلال کعبہ کی وجہ سے نسبت حاصل ہے یہ نہیں کہ اسکے ریشم میں کوئی خاص خوبی ہے، اور نہ ہی ریشم کی ذات سے ہمیں محبت ہے۔

شیخ سعدی نے اس حکایت میں نہایت مؤثر اور دلنشین انداز میں سچائی واضح کی ہے کہ انسان کی اصل پونجی اس کے اچھے اعمال ہیں۔ خدا کی نظروں میں کوئی شخص صرف اس لئے عزت حاصل نہ کرے گا کہ اس کا تعلق کسی اونچے خاندان سے ہے۔
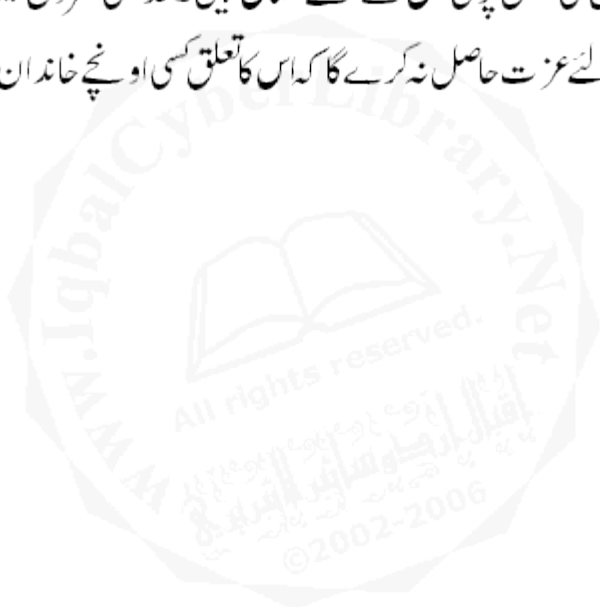
گھاٹا مال میں دشمن گھات میں:

ایک مرتبہ ایک سوداگر کو کاروبار میں ہزار اشرفیوں کا نقصان ہوگیا، اس نے اپنے بیٹے سے کہا:

''بیٹا اس گھاٹے کا کسی شخص سے ذکر نہ کرنا۔''

بیٹے نے عرض کیا:

''بابا جان! آپ کا حکم سر آنکھوں پر، میں اس کا ذکر کسی سے نہیں کروں گا مگر اس کا ذرا فائدہ تو بتادیں کہ آخر اس بات کے چھپانے میں کیا حکمت پوشیدہ ہے۔''

باپ نے جواب دیا،

''اس میں مصلحت یہ کہ مصیبت دوہری نہ ہو جائے، یعنی ایک کے بجائے دو نہ ہو جائیں ایک مال میں نقصان دوسرا لوگوں کو تمسخر۔''

شیخ سعدی اس حکایت میں اس حقیقت کو آشکار کرتے ہیں کہ دشمنوں کو اپنا دکھ نہ سنا، ان کی زبان پر لاحول ہوگا اور دل میں خوشی۔

ل

لقمان اور دانائی:

کسی نے مشہور فلسفی اور معلم اخلاق حکیم لقمان سے پوچھا:

''آپ نے دانائی کی یہ باتیں کیسے حاصل کیں؟''

لقمان نے جواب دیا،

''نادانوں سے، وہ اس طرح کہ جب وہ کوئی حماقت کرتے ہیں تو میں ان کے انجام سے عبرت حاصل کرتا ہوں، اور ویسی برائی کبھی نہیں کرتا۔''

دانا لوگ ہر بات سے سبق حاصل کرتے ہیں، یہاں تک کہ وہ ہنسی کی بات میں بھی عبرت کا پہلو تلاش کر لیتے ہیں، اور نادان کے لئے حکمت کی سو باتیں بھی بے وقعت ہوتی ہیں۔ وہ ان سے کچھ حاصل نہیں کر پاتا، کہ ان کا دل تو حماقت کو آماجگاہ ہوتا ہے۔

شیخ سعدی نے اس حکایت میں غور وفکر کی برکتوں کی طرف اشارہ کیا ہے، جو شخص دنیا اور کار دنیا کو محض کھیل تماشا نہیں سمجھتا، ہر بات توجہ سے سنتا اور معاملے پر پوری طرح غور کرتا ہے۔ اس کا ذہن نور مغفرت سے دمک اٹھا ہے۔ اسکے مقابلے میں بے پرواہ شخص واضح سچائیوں سے بھی فائدہ حاصل نہیں کرتا۔

لعل اور پتھر:

ایک بادشاہ اپنے لشکر کیساتھ سفر کر رہا تھا۔ ایکشب اس نے ایک جگہ پڑاؤ کیا تو اس کے بیٹے کے تاج سے ایک لعل گر گیا۔ بادشاہ کو یہ بات معلوم ہوئی تو شہزادے سے کہا:

''اے بیٹے! تو اپنا لعل اس وقت تک تلاش نہ کر سکے گا، جب تک ایک ایک پتھر کو خوب توجہ سے نہ دیکھے گا۔''

اے بیٹے! آوارہ اور بد چلن لوگوں میں نیک لوگ اسی طرح ہیں جس

طرح پتھروں میں لعل، پرکھنے اور جانچنے سے ہی انہیں تلاش کیا جا سکتا ہے۔تو جس شخص کو اپنی دانست میں حقیر اور کم درجہ خیال کرتا ہے، ہو سکتا ہے وہ اللہ کی نظر میں معزز، محترم ہو، بہت سے بطیت زدہ اور اہل دنیا کے ہاتھوں تکلیف اٹھانے والے لوگ جنت میں لباس فاخرہ پہنے ہوں گے، پس اگر تو غافل وفرازانہ ہے تو اس شہزادے کا بھی ادب کر جو قید خانہ میں پڑا ہوا ہے۔ہو سکتا ہے کل یہی تاجدار بن جائے، اس وقت تیرا یہ اچھا سلوک تجھے اس کی مہربانیوں کا مستحق بنا دے گا۔''

شیخ سعدی نے اس حکایت میں اہل لوگوں کی تلاش جاری رکھنے کا درس دیا ہے، اور قیمتی بات بتائی ہے کہ یہ لوگ کسی اور دنیا میں پیدا نہیں کیے جاتے بلکہ ہماری اس دنیا میں اور انہیں کئے جاتے بلکہ ہماری اس دنیا میں اپنی عام لوگوں میں ملے جلے ہوتے ہیں۔ البتہ تلاش و جستجو سے انہیں شناخت کیا جا سکتا ہے، اور انہیں تلاش کرنا چاہئے کیونکہ یہی لوگ مصاحب کے قابل ہوتے ہیں۔

م

مردِ آزاد:

دو بھائی تھے۔ان میں سے ایک بادشاہ کی سرکار میں ملازم تھا، اور دوسرا سخت مزدوری کرکے آزادی سے اپنی روزی کماتا تھا۔ایک دن امیر بھائی اپنے غریب بھائی سے ملنے آیا تو دوران گفتگو کہنے لگا:

”بھائی! میں تو کہتا ہوں کہ تم بھی بادشاہ کی ملازمت اختیار کرلو، محنت مزدوری کرکے تو تمہارا گزارہ بھی نہیں ہوتا۔مشکل سے دو وقت کی روکھی سوکھی ملتی ہے۔“

اپنے بھائی کی بات سن کر غریب بھائی نے کہا:

”تم مجھے بادشاہ کی نوکری اختیار کرنے کی ترغیب دے رہے ہو، اور میں کہتا ہوں تم پرائی تابعداری ترک کرکے آزادی کی زندگی اختیار کیوں نہیں کرتے، عقل مندوں نے کہا ہے، جو کی روکھی سوکھی کھاکر آزاد زندگی بسر کرنا، اس سے لاکھ درجہ بہتر ہے کہ سنہری پٹکاں کمر سے باندھ کر بادشاہ کی خدمت کرتے رہیں۔“

تمام عمر اس فکر میں گزر جاتی ہے کہ آج تجھے کیا ملے گا، اور کل تو کیا کھائے گا۔

بادشاہ کے حضور ذلت سے سر جھکا کر زندگی بسر کرنا چھوڑ، اپنے دل سے ہوس کو نکال کر اس میں صبر کا بسیرا کر۔

شیخ سعدی نے اس حکایت میں بندگی، بے چارگی کی برائیوں اور آزاد زندگی کی برکتوں کی طرف اشارہ کیا ہے۔ان کا خیال ہے کہ ملازمت خواہ بادشاہ ہی کی کیوں نہ ہو باعث ذلت ہے۔

مردِ شجاع:

ایک شجاع تاتاریوں کے ساتھ لڑتے ہوئے زخمی ہوگیا۔زخم کاری تھا۔معمولی

علاج سے افاقہ نہ ہوا تو اس کے ایکدوست نے کہا:

''فلاں سوداگر کیپاس ایک نوش دارو (قدیم زمانو کی ایک یونانی دوا جو فوری تاثیر دکھانے میں مشہور تھی) ہے مناسب ہے اس سے سوال کر۔ یہ دوا مل گئی تو امید ہے تو جلد شفایاب ہو جائے گا۔''

جس سوداگر کے پاس نوش دارو تھی وہ بہت کنجوس تھا۔ اس کی خسامت کا یہ حل تھا کہ آفتاب ایک روٹی ہوتا اور اس کے دستر خوان پر رکھ دیا جاتا تو دنیا قیامت تک روشنی کو ترستی رہتی زخمی سپاہی نے اپنے دوست سے کہا:

''بھائی! اگر میں اس کنجوس سے سوال کروں تو معلوم نہیں وہ نوش دارو دے گا بھی یا نہیں۔ اور اگر دے بھی دے گا تو معلوم نہیں مجھے شفاء ہو گی یا نہیں ۔ میں تو خیال کرتا ہوں کہ کمینے شخص کے سامنے ہاتھ پھیلانے بہت بڑی ذلت ہے۔''

کمینے سے ہرگز چارہ سازی کی امید نہیں رکھنی چاہئے، کیونکہ وتجھ پر کبھی کرم نہیں کرے گا۔ اگر وہ تمہیں کچھ دے بھی دیتا ہے تو اس میں بھی رسوائی کا سامان موجود ہے۔

شیخ سعدی نے اس روایت میں سوال کرنے کو ایک بڑی کمزوری ثابت کیا ہے اور ان کی یہ بات دراصل اسلامی فلسفہ اخلاق کی تشریح ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سوال کرنے سے منع فرمایا ہے۔

شیخ سعدی فرماتے ہیں:

''سوال کرنا یوں بھی ذلت ہے۔''

یہاں یہ بات سمجھنے کے قابل ہے کہ اسلامی فلسفہ اخلاق میں کمینے اور شریف کا وہ تصور ہرگز نہیں ہے، جو دیگر اقوام بالخصوص ہندوؤں میں ہے۔ کہ ایک طبقہ نسلی اور خلقی طور پر شریف اور دوسرا طبقہ کمینہ ہے

اسلامی نقطہ نظر سے یہ تخصیص انسانوں کے اعمال و افعال کی بنا پر پیدا ہوتی ہے۔سوداگر کو اس کے کنجوس ہونے کی بنا پر کمینہ کیا گیا ہے۔

مومن اور کافر:

ایک امیر زادہ اپنے باپ کی قبر کے قریب بیٹھا کہہ رہا تھا:

میرے باپ کا بزار تیرے باپ کے مزار سے اچھا ہے۔میرے باپ کی لاش جس صندوق میں رکھی ہوئی ہے۔وہ بہترین پتھر کا ہے، اور اس پر رنگین کتبہ لگا ہے۔مقبرے کا فرش سنگ مرمر کا ہے،فیروزے کی اینٹیں لگی ہیں،تیرے باپ کی قبر پر تو دو اینٹیں لگا کر اوپر مٹی ڈال دی گئی ہے۔"

امیر زادے کی باتیں سن کر درویش کے بیٹے نے کہا:

"ایسا خیال نہ کر۔عاقبت میرے باپ کی تیرے باپ سے بہتر رہی۔

جب تک تیرے باپ تے اس بھاری وزن کے نیچے جنبش کی ہوگی،

میرا باپ جنت کے باغوں میں پہنچ چکا ہوگا۔"

موت کی منزل سے وہی خوش ہو کر گزرے گا، جو راہ حق میں فاقوں سے دلگیر رہا۔موت اسے ہی راحت دیتی ہے جو تکلیف میں ہو،امیر تو اس کی ہیبت سے لرز اٹھا ہے،قید سے جسے رہائی ملے وہی قیدی خوش بخت ہے ورنہ وہ کیسا بد بخت ہے جسے اسیر کر کے لایا جائے۔

شیخ سعدی نے اس حکایت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس حدیث مبارک کیتشریح کی ہے۔

"مومن دنیا کے لئے قید خانہ اور کافر کے لئے جنت ہے۔"

مطلب یہ کہ کافر تو اس دنیا ہی کو سب کچھ سمجھتا ہے،اور یہاں زیادہ سے زیادہ پر مسرت زندگی گزارنے کے لئے عیش و عشرت کے سامان جمع کر لیتا ہے،لیکن جب

اسے عیش سے نکل کر قبر کی طرف سفر کرنا ہوتا ہے،تو یہ تبدیلی اس کے لئے بالکل ایسی ہوتی ہے، جیسے کسی کو جنت سے نکال کر دوزخ میں پھینک دیا جائے۔

اس کے علاوہ ایک بات یہ بھی ہے کہ عاقبت کے انعامات میں اس کا کوئی حصہ نہیں ہوتا۔اس کے مقابلے میں مومن رضائے الٰہی کے مطابق زندگی بسر کرتا ہے تو اس دل میں یہ خیال پختہ تر ہوتا چلا جاتا ہے کہ عاقبت کی زندگی میں اسے جو کچھ حاصل ہونے والا ہے، اسکے مقابلے میں دنیاوی سامان ہیچ ہے۔ اس لئے جب اسے موت آتی ہے تو اسے یقین کامل ہوتا ہے کہ موت جیسے ہی اس کی آنکھیں بند کرے گی، وہ ہزار گنا بہتر جگہ پر پہنچ جائے گا۔

ن

نادان منشی:

شیخ سعدی بیان فرماتے ہیں:

”میرے جاننے والوں میں ایک منشی روزگار نہ ملنے سے بہت پریشان تھا۔ ایک دن کو میرے پاس آیا، اور اپنا حال بیان کرنے کے بعد کہا:

”بادشاہ کے دربار میں آپ کی رسائی ہے، کسی عہدیدار سے کہہ کر کوئی کام دلوادیں۔“

اس کی بات سن کر میں نے کہا:

”بھائی! بادشاہوں کی ملازمت خطرے سے خالی نہیں ہوتی۔ نان ہاتھ آنے کی امید کے ساتھ جان جانے کا امکان بھی ہوتا ہے۔“

میں نے یہ نصیحت اس کی بھلائی کے خیال سے کی تھی، لیکن اس نے خیال کیا کہ میں ٹالنے کی کوشش کررہا ہوں، کہنے لگا:

”یہ بات ٹھیک ہو گی، لیکن جو لوگ ایمانداری اور محنت سے اپنا کام کریں انہیں ڈرنے کی کیا ضرورت ہے۔ آپ نے سنا ہوگا کہ میلے کپڑے ہی کو دھوبی پتھر پر مارتا ہے۔“

میں نے اسے پھر سمجھایا:

”تو ٹھیک کہتا ہے، سانچ کو آنچ نہیں، بہت مشہور بات ہے، لیکن بادشاہوں اور حاکموں کے بارے میں لومڑی کی سی احتیاط برتنی چاہئے۔ جو گرتی پڑتی بھاگتی چلی جارہی تھی۔ کسی نے پوچھا کہ خالہ لومڑی، کیا مصیبت پڑی ہے جو یوں بھاگتی چلی جارہی ہو؟ لومڑی بولی:”میں نے سنا ہے بادشاہ کے سپاہی اونٹ بیگار میں پکڑے جارہے ہیں۔“اس نے ہنس کر کہا:”عجیب بے وقوف ہے! اگر اونٹ

پکڑے جارہے ہیں تو تجھے کیا ڈر؟ تو تو لومڑی ہے'' لومڑی نے جواب دیا: ''تیری بات ٹھیک ہے لیکن اگر کسی دشمن نے کہہ دیا کہ یہ اونٹ کا بچہ ہے، اسے بھی پکڑ لو تو میں کیا کروں گی؟ جب تک یہ تحقیق ہوگی کہ میں لومڑی ہوں یا اونٹ کا بچہ، میرا کام تمام ہو چکا ہوگا۔ مثل مشہور ہے کہ جب تک عراق سے تریاق آئے گا، بیمار مر چکا ہوگا۔ جس کیلئے تریاق منگوا گیا ہوگا۔''

میری یہ بات بالکل درست تھی، لیکن وہ اپنے خیال پر قائم رہا، اور میں نے اس کی حالت کا اندازہ کرکے اسے بادشاہ کے دفتر میں ملازمت دلوادی۔ شروع شروع میں تو اسے معمولی سا کام ملا، لیکن چونکہ آدمی قابل تھا اس لئے بہت ترقی کر گیا، اور عزت و آرام کے ساتھ زندگی بسر کرنے لگا۔

کچھ دنوں بعد میں قافلے کے ساتھ حج کے سفر پر روانہ ہوگیا، اور جب اس مبارک سفر واپس آیا تو ہو شخص کئی منزل چل کر میرے استقبال کے لئے آیا، لیکن میں نے دیکھا کہ اس کی حالت سے پریشانی ظاہر ہو رہی تھی۔ حالات پوچھے تو اس بتایا:

''مجھے اب معلوم ہوا کہ آپ نے جو بات کہی تھی، وہ بالکل ٹھیک تھی۔ میں نے اپنی قابلیت اور محنت سے ترقی کی تو حسد کرنے والوں کو یہ بات بری لگی، اور انہوں نے مجھ پر الزام لگا کر قید کروا دیا۔ اب حاجیوں کے قافلے کی خیریت سے لوٹنے کی خوشی میں قیدیوں کو آزاد کیا گیا ہے تو مجھے بھی رہائی نصیب ہوئی، ورنہ بادشاہ نے تو یہ تحقیق کرنے کی ضرورت بھی محسوس نہیں کی تھی کہ میں گناہگار ہوں یا بے گناہ۔''

میں نے کہا:

''افسوس! تو نے میری بات نہ مانی، میں تے تو تجھے پہلے ہی سمجھایا تھا

کہ بادشاہ کا قرب سمندر کے سفر کی مانند ہے کہ اس سے انسان کو بہت فائدے حاصل ہوتے ہیں، لیکن ساتھ جان جانے کا اندیشہ بھی ہوتا ہے۔"

جو شخص ہوش مندوں کی نصیحت پر کان نہیں دھرتا، آخر ایک دن وہ مصیبت میں گرفتار ہو کر رہتا ہے۔ اگر زہر سہنے کی تجھ میں طاقت نہیں ہے، تو پھر بچھوؤں کے گاؤں میں مکین ہے۔

شیخ سعدی نے اس حکایت میں بھی بادشاہوں کا قرب حاصل کرنے کی جگہ قناعت اور صبر کی زندگی بسر کرنے کو افضل بنایا ہے۔ ان کے اپنے زمانے کے مطلق العنان بادشاہوں کے اندازِ فکر و عمل کے بارے میں تو کچھ کہنے کی چنداں ضرورت نہیں کہ ان کی ہر الٹی بات قانون کا درجہ رکھتی تھی۔ یہ بات آج کے صاحب اقتدار لوگوں کیلئے بھی درست ہے کہ جب تک پوری صلاحیت اور اہلیت حاصل نہ ہو ان کا قرب خطرے سے خالی نہیں ہوتا۔

نالائق شاگرد کا انجام:

پرانے زمانے میں ایک پہلوان اپنے فن میں طاق تھا، جو پہلوان بھی اس کے مقابلے پر آتا تھا، وہ اسے مار گراتا تھا۔ چانچہ اس کی اس قابلیت اور مہارت کی وجہ سے بادشاہ اس کی بہت عزت کرتا تھا۔ یہ نامی گرامی پہلوان بہت سے نوجوانوں کو کشتی لڑنے کا فن سکھایا کرتا تھا۔ ان میں سے ایک نوجوان کو اس نے اپنا شگرد خاص بنایا تھا، اور اسے وسارے پیچ داؤ سکھا دیئےتھے جو اسے آتے تھے۔ احتیاط کے طور پر بس ایک داؤ نہ سکھایا تھا۔

زمانہ اسی طرح گزرتا رہا۔ وہ پہلوان بوڑھا ہو گیا، اور اس کا چہیتا شاگرد اپنے وقت کا سب سے بڑا پہلوان بن گیا۔ شرافت کا تقاضا تو یہ تھا کہ وہ اپنے استاد کا یہ احسان مانتا کہ اس نے اسے اپنا ہنر سکھا کر ایسا قابل بنا دیا، لیکن وہ کچھ ایس بد

فطرت تھا کہ ایک دن اس نے بادشاہ کے دربار میں یہ بڑ ہانکی:

''بے شک میرا استاد بزرگی میں مجھ سے زیادہ ہے، لیکن طاقت اور کشتی لڑنے کے فن میں اب میں اس سے بڑھ کر ہوں۔''

بادشاہ کو اس کی یہ بات ناگوار گزری، اس نے حکم دیا کہ استاد اور شاگرد کشتی لڑیں، تاکہ یہ فیصلہ ہو سکے کہ ان دونوں میں کون بڑا ہے۔

چنانچہ ایک میدان میں اکھاڑا تیار کیا گیا۔ استاد شاگرد کشتی لڑنے کے لئے اکھاڑے پر اترے۔ نوجوان شاگرد اپنی طاقت کے نشے میں جھومتا ہوا استاد کے سامنے آیا۔ یوں لگتا تھا کہ اگر لوہے کا پہاڑ بھی اس کے سامنے ہو تو وہ اسے اکھاڑ کر پھینک دے گا، لیکن جب اس نے استاد سے ہاتھ ملایا اور کشتی شروع ہوئی تو استاد نے اپنا وہی داؤ آزمایا، جو اس نے نالائق شاگرد کو نہ سکھایا تھا، اور اسے سر سے اونچا اٹھا کر زمین پر پٹخ دیا۔

ہر طرف سے واہ واہ کے نعرے بلند ہوئے۔ بادشاہ نے بوڑھے پہلوان کو خلعت اور بھاری انعام دیا اور ناخلف شاگرد کو خوف لعنت ملامت کی وہ کہنے لگا،

''استاد صاحب صرف اس وجہ سے جیت گئے کہ انہوں نے یہ داؤ نہ سکھایا تھا جسے استعمال کر کے مجھے گرایا ہے۔''

استاد صاحب نے فوراً جواب دیا:

''اور یہ داؤ میں نے تجھے اس خیال سے نہ سکھایا تھا کہ اگر کبھی تو میرے مقابلے پر آجائے تو میں اپنا بچاؤ کر سکوں۔''

دانش مندوں نے بالکل سچ کہا ہے کہ اپنے بہترین دوست کو بھی اس قابل نہیں بنانا چاہئے کہ اگر وہ کبھی مقابلے پر آجائے تو تمہیں نقصان نہ پہنچا سکے۔

شیخ سعدی نے اس حکایت میں اس سچائی کی طرف اشارہ کیا ہے کہ

جس طرح انسانوں میں اہلیت اور نا اہلیت کا فرق ہے ۔ اسی طرح کمینگی اور شرافت کا فرق ہے، اور کمینے سے کچھ بعید نہیں ہوتا کہ اپنے استاد بلکہ سگے باپ کے سر پر پاؤں رکھنے کے لئے تیار ہو جائے ۔ اس لئے دانائی کا تقاضا یہ ہے ۔ علم اور ہنر سکھاتے وقت اس بات کا خیال رکھنا چاہئے اور اپنی حفاظت کے خیال سے غافل نہیں ہونا چاہئے ۔

و
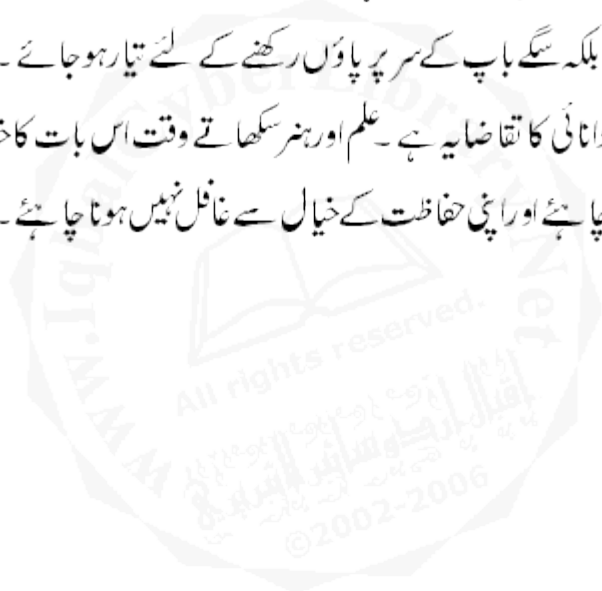
وہی سہاگن جو پیا من بھائے،

سلطان محمود کے محرم راز اور مصاحب خاص حسن میمندی سے لوگوں نے پوچھا:

''سلطان کے پاس بڑے بڑے حسین وجمیل غلام ہیں۔ حسن میں ایک سے ایک بڑھ کر عجوبہ روزگار ہے۔ سمجھ نہیں آتی کیا وجہ ہے کہ بادشاہ کو ان میں سے کسی سے بھی اتنا لگاؤ اور پیار نہیں جتنی کہ ایاز سے محبت و رغبت رکھتا ہے، حالانکہ وہ دوسروں کے مقابلہ میں اتنا حسین بھی نہیں۔''

حسن میمندی نے جواب دیا:

''جو دل میں اتر جائے وہی حسین نظر آئے، وہی سہاگن جو پیا من بھائے۔''

نفرت کی نگاہ سے دیکھو گے تو صورت یوسف میں بھی عیب نظر آئے گا، اور اگر عقیدت کی نگاہ ڈالو گے تو فرشتوں کے حسن کی جھلک نظر آئے گی۔

شیخ سعدی اس حکایت میں یہ راز بیان فرماتے ہیں کہ انسان کی قدر و قیمت اس کے ظاہری حسن و جمال سے نہیں ہوتی، بلکہ اس کی اصل قدر و قیمت اس کے اعلیٰ اوصاف میں پوشیدہ ہے۔

۵

ہارون الرشید کا انصاف:

بنو عباس کے مشہور خلیفہ ہارون الرشید کا ایک بیٹا ایک دن اس کے پاس ایسی حالت میں آیا کہ غصے اور رنج سے اس کا چہرہ تمتمایا ہوا تھا۔خلیفہ نے بیٹے کی یہ حالت دیکھی تو اس نے پوچھا:

"جان پدر! کیا بات ہے؟ تم پریشان نظر آرہے ہو؟"

شہزادے نے کہا:

"فلاں سپاہی کے بیٹے نے مجھے گالی دی ہے۔"

بیٹے کی بات سن کر خلیفہ نے اپنے درباریوں سے پوچھا:

"بتاؤ، ایسے مجرم کو کیا سزا دی جائے؟"

ایک درباری نے کہا:

"ایسے ناہنجار کو قتل کرا دینا چاہئے۔"

دوسرا بولا:

"اس کی زبان کٹوا دینا چاہئے۔"

تیسرے نے مشورہ دیا:

"اس کے باپ کی ساری جائیداد ضبط کر لی جائے۔"

ہارون الرشید نے سب کے مشورے توجہ سے سنے، پھر اپنے بیٹے کی طرف دیکھ کر بولا:

"بیٹا! خدا نے ہمیں یہ اختیار دیا ہے کہ مجرم کو سخت سے سخت سزا دے سکتے ہیں، لیکن ہمارے نزدیک سب سے اچھی بات یہ ہے کہ تم اسے معاف کر دو، پھر زیادہ سے زیادہ یہ کرو کہ تم بھی اسے ماں کی گالی دے سکتے ہو، لیکن یہ بات اچھی طرح سمجھ لو کہ اس سلسلے میں معمولی سی زیادتی

بھی نہیں ہونی چاہئے۔ خدا ان لوگوں کو پسند نہیں کرتا جو زیادتی کرتے ہیں۔''

شیخ سعدی نے اس حکایت میں نہایت دلکش اور موثر انداز میں صاحب اقتدار طبقہ کو یہ بات سمجھانے کی کوشش فرمائی ہے کہ اگر کمزوروں اور زیر دستوں سے کسی قسم کی خطا سرزد ہو جائے تو ماں کی گالی دی تھی۔ جسے سن کر غریب اور کمزور شخص بھی آپے سے باہر ہو جاتا ہے، لیکن خلیفہ ہارون الرشید نے اپنے بیٹے کو مشورہ دیا کہ وہ مجرم کو معاف کر دے۔

ے

ہے بھلی ماں باپ کی محبت سے مار استاد کی:

شیخ سعدی بیان فرماتے ہیں:

ایک دفعہ مجھے ملک مغرب کے ایک مکتب کو دیکھنے کا اتفاق ہوا! مکتب کا استاد انتہائی زبان دراز، اکھڑ مزاج، دل آزار، بدطوار، خیر و بھلائی سے نا آشنا، بے مروت اور بے وفا تھا۔ جو مسلمان بیچارہ اس دیکھ لیتا، اس کا سارا لطف تباہ ہو جاتا قرآن مجید کی تلاوت کیا کرتا کہ دلوں پر اور سیاہی پھیل جاتی۔

معصوم اور بھولے بھالے بچوں کی ایک جماعت اس کے رحم و کرم پر تھی۔ بچوں کو بولنے کی ہمت نہ تھی، ظالم جلاد کبھی سرخ و معصوم رخساروں پر طمانچے رسید کرتا اور کبھی ان کی پنڈلیوں کو شکنجے میں کس کر اپنی ظلم و بربریت کا ثبوت دیتا۔ کچھ لوگوں کو اس استاد کی بدمزاجی و تندی کا حال معلوم ہوا، انہوں نے اس کو مار بھگایا اور مکتب میں ایک صلح پسند استاد کو لا بٹھایا۔

یہ استاد متقی، پرہیز گار پارسا، نرم مزاج، حلیم الطبع، باوقار اور بردبار تھا، کسی کا دل نہ دکھاتا بلا ضرورت بات نہ کرتا۔ بچوں کے دل میں استاد کا جو ڈر اور خوف تھا، وہ سب نکل گیا۔ استاد کی اس نرم مزاجی کی وجہ سے شریر بچوں کو شیطان نے اکسایا، کوئی پڑھائی میں عدم دلچسپی لینے لگا تو کسی نے میدان کا رخ کیا، کسی نے کسی کا سر پھوڑا تو کسی کا بازو توڑا، یوں انہوں نے مکتب کا نظام بگاڑ کر رکھ دیا۔“

شیخ سعدی فرماتے ہیں:

”اتفاق سے ایک دو ہفتے کے بعد میرا ادھر پھر گزر ہوا تو کیا دیکھتا ہوں کہ اہل محلّہ نے پھر پہلے استاد کو منت سماجت کر کے مکتب میں لا بٹھایا۔

مجھے بڑی حیرت ہوئی، سچ پوچھو بڑا دلی دکھ ہوا۔ میں نے لاحول پڑھا

اور کہا:

''واہ یہ شیطان پھر کیسے فرشتوں کا معلم بن گیا۔''

ایک خوش مزاج بوڑھے نے سنا تو ہنس کر کہا:

''سعدی! ایک بادشاہ نے مکتب میں جب اپنے بیٹے کو بٹھایا تو چاندی کی ایک عمدہ تختی کو اس کے بغل میں دبایا۔ لوگوں نے اسے دیکھا تو اس پر سنہری حروف پر لکھا ہوا پایا:

''ہے بھلی ماں باپ کی محبت سے مار استاد کی۔''

صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین

اللہ اور رسول اللہ کا شیر:

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔:

''قسم ہے اس اللہ پاک کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے، اللہ تعالی نزدیک ساتویں آسمان پر لکھا ہوا ہے۔ ''اللہ کا شیر اور رسول کا شیر .... حمزہ رضی اللہ تعالی عنہ۔''

حضرت حمزہ رضی اللہ تعالی عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا بھی ہیں اور رضا بھائی بھی ۔آپ وہ عظیم المرتبت صحابی ہیں جنہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ''سید الشہداء'' کا خطاب عطا فرمایا۔آپ کے ایمان لانے کا وقعہ اس طرح ہے۔

ایک روز ابو جہل لعین نے حسب معمول نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بہت ستایا۔ بہت گالیاں بھی دیں ۔حضرت حمزہ رضی اللہ تعالی عنہ اس روز ملہ مکرمہ میں موجود نہیں تھے ۔آپ ابھی مسلمان بھی نہیں ہوئے تھے مگر اس کے باوجود آپ رضی اللہ تعالی عنہ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بہت زیادہ محبت تھی ۔

جب آپ واپس ملہ پہنچے تو کسی نے آپ کو ابو جہل کی زیادتی کے بارے میں بتایا۔ یہ سن کر آپ جوش غضب میں فوراً ابو جہل کے پاس پہنچے ۔آپ نے جاتے ہیں غصے میں اپنے کندھے سے لٹکی ہوئی کمان اتاری اور اتنے زور سے ابوجہل کے سر پر اری کہ اس لعین کا سر پھٹ گیا۔اس کے بعد حضرت حمزہ رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا۔

''تو محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو گالیاں دیتا ہے اور انہیں ایذا دیتا ہے ۔حالانکہ میں بھی ان کے دین پر ہوں ۔وہ جو کچھ فرماتے ہیں، میں

بھی وہی کچھ کہتا ہوں، اگر تجھ میں ہمت ہے تو ذرا مجھے بھی گالیاں دے کر دیکھ۔''

حضرت حمزہ رضی اللہ تعالی عنہ کو اس قدر غضبناک دیکھ کر کسی میں اتنی ہمت نہ ہوئی کہ وہ آپ کو کچھ کہہ سکے۔ اس کے بعد حضرت حمزہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ اقدس میں حاضر ہوئے اور بولے۔

''اے میرے پیارے بھتیجے، تمہیں خوش ہونا چاہئے کہ میں نے ابوجہل سے تمہارا بدلہ لے لیا ہے۔''

''چچا جان، میری خوشی تو اس بات میں ہے کہ آپ اسلام قبول کر لیں۔''

یہ سن کر حضرت حمزہ رضی اللہ تعالی عنہ نے کلمہ پڑھا اور فوراً مسلمان ہو گئے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حضرت حمزہ رضی اللہ تعالی عنہ کے اسلام قبول کرنے کی بے انتہا خوشی ہوئی تھی۔

اللہ کے پیارے بندے:

اسلامی لشکر نے اسکندریہ شہر پر حملہ کیا۔ کفار مجاہدین اسلام کے حملے کی تاب نہ لا سکے اور ایک مضبوط قلعے میں بند ہو گئے۔ اسلامی لشکر نے قلعے کا محاصرہ کر لیا۔ وقفے وقفے سے دونوں لشکروں میں جھڑپیں ہوتی رہیں مگر جنگ کا کوئی فیصلہ نہ ہو رہا تھا۔

اس جنگ میں ایک جلیل القدر صحابی رسول حضرت شرجیل بن حسنہ رضی اللہ تعالی عنہ بھی شریک تھے۔ یہ جوش ایمانی میں کفار کے مقابلے میں بہادری کے بڑے جوہر دکھایا کرتے تھے۔

اسی جنگ میں اسکندریہ کا بادشاہ بھی شریک تھا اور وہ اپنی پوری کوشش کر رہا تھا کہ اس کے سپاہی مسلمانوں کا مقابلہ کریں مگر کافروں کا حوصلہ پست ہو چکا تھا اور وہ

کسی بھی طرح قلعہ سے نکل کر مسلمانوں کا مقابلہ نہیں کر رہے تھے۔

مسلمان بھی اس محاصرے سے تنگ آ چکے تھے۔ وہ جلد از جلد کنار کو شکست دینے کے لئے بے چین تھے۔ آخر ایک روز محاصرے سے تنگ آ کر حضرت شرجیل بن حسنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کنار کو مخاطب کر کے فرمایا:

''اے مشرکو! اللہ کی عزت کی قسم! اس وقت ہمارے درمیان اللہ کے ایسے پیارے بندے بھی موجود ہیں کہ اگر اس قلعہ کی دیوار کی طرف اشارہ کر کے کہیں کو زمین میں دھنس جاؤ تو یہ قلعہ اسی حالت میں زمین میں دھنس جائے۔''

یہ فرما کر حضرت شرجیل بن حسنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنا ہاتھ قلعہ کی دیوار کی طرف اٹھا کر بلند آواز سے نعرہ تکبیر بلند کیا۔ آپ کا قلعہ کی طرف اشارہ کرنے کی دیر تھی کہ پورے کا پورا قلعہ زمین میں دھنس گیا اور تمام کنار جو اسے قلعے میں موجود تھے دیکھتے دیکھتے ہی کھلے آسمان تلے میدان میں کھڑے نظر آئے۔ خدا کی شان دیکھئے کہ قلعہ کا نام و نشان تک مٹ گیا تھا۔

یہ دیکھ کر کنار اور اسکندریہ کا بادشاہ مارے خوف کے اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھے اور انہوں نے فوراً میدان جنگ سے راہ فرار اختیار کر لی، اور اس طرح اسکندریہ کا شہر اسلامی فوج کے قبضہ میں آ گیا۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے بندے کی دعا قبول فرما کر کنار کو شکست فاش دی اور اپنے پیارے بندے کی بات کو موقع پر ہی سچ کر دکھایا۔

اللہ تعالیٰ کی پسند اور ناپسند:

غزوہ احد میں لڑائی اپنے پورے عروج پر تھی۔ مسلمان اپنی معمولی سی غلطی کی وجہ سے جیتی ہوئی جنگ ہارتے نظر آ رہے تھے یہ ایک طرح سے مسلمانوں کو سزا بھی ملی

تھی کہ انہوں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کی نافرمانی کی تھی۔

مسلمان بکھر چکے تھے۔ کفار کا زور بڑھتا ہی جا رہا تھا۔ اچانک نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی تلوار اپنے دست مبارک میں پکڑ کر بلند فرمائی اور پھر ارشاد فرمایا:

''کون ہے جو آج میری تلوار کو لے کر اس کا حق ادا کرے گا؟''

یہ سن کر عاشقان رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بے تاب ہو کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف لپکے۔ ہر ایک کی خواہش تھی کہ یہ مبارک تلوار اسے مبارک تلوار سے ملے۔ ان صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین میں حضرت ابو دجانہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی شامل تھے۔ آپ کی بھی یہی خواہش تھی کہ یہ تلوار انہیں ملے۔ آپ ایک بڑے ہی پہلوان تھے۔

رحمت الٰہی آج حضرت ابو دجانہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر مہربان تھی، حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نظر کرم دجانہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر آ کر رک گئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہ تلوار حضرت ابو دجانہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عنایت فرما دی اور پھر ارشاد فرمایا:

''اے ابو دجانہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)، آج اس تلوار سے دشمن پر زبردست حملہ کرنا اور اس تلوار کا حق ادا کرنا۔''

حضرت ابو دجانہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خوشیوں کا کوئی کا کوئی ٹھکانہ نہ رہا۔ آپ نے ایک سرخ رنگ کا رومال اپنے سر پر باندھا اور تلوار کو ایک عجیب شان سے اپنے ہاتھ میں پکڑ کر اکڑتے ہوئے میدان جنگ میں نکلے۔

جب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابو دجانہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس طرح اکڑ اکڑ کر چلتے تو ارشاد فرمایا۔

''بلاشبہ اللہ تعالیٰ کو اس طرح کی چال انتہائی ناپسند ہے، مگر اس وقت

کیونکہ ابو دجانہ رضی اللہ تعالی عنہ کافروں کے ساتھ مقابلہ کرنے کے لئے اکڑ کر چلتا ہوا جا رہا ہے، ابو دجانہ رضی اللہ تعالی عنہ کی یہ چال خدا تعالی کو بڑی ہی پسند ہے۔"

حضرت ابو دجانہ رضی اللہ تعالی عنہ نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تلوار مبارک سے وہ معرکے دکھائے کہ دیکھنے والے عش عش کر اٹھے اور حضرت ابو دجانہ رضی اللہ تعالی عنہ نے واقعی حضور نبی کریم کی عطا کردہ تلوار کا حق ادا کر کے دکھا دیا۔

امت محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فقراء:

ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے حضرت سعید بن عامر رضی اللہ تعالی عنہ کی خدمت میں ایک دینار بھیجے۔ جب یہ رقم حضرت سعید بن عامر رضی اللہ تعالی عنہ کے پاس پہنچی تو آپ بہت غم زدہ اور فکرمندی کی حالت میں اپنے گھر پہنچے تو آپ کی زوجہ محترمہ نے آپ کی یہ حالت دیکھ کر پوچھا:

"کیا آج کوئی خاص بات ہوگئی ہے؟"

آپ نے ارشاد فرمایا:

"ہاں آج بہت خاص بات ہوگئی ہے۔"

اس کے بعد آپ نماز پڑھنے کے لئے کھڑے ہو گئے ساری رات اسی حالت میں نماز میں رو رو کر اللہ تعالی کے حضور دعا مانگ کر عرض کرتے رہے۔

"اے اللہ، میں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے کہ میری امت کے فقراء مال داروں سے پانچ سو سال پہلے جنت میں داخل ہوں گے۔ یہاں تک کہ اگر کوئی مالدار آدمی ان کی جماعت میں شامل ہوگا تو اسے ہاتھ سے پکڑ کر باہر نکال دیا جائے گا۔"

امیر المومنین کا کھانا:

مدینہ منورہ سے بہت دور ایک اعراب رہتا تھا۔ اس اعرابی کا منٹ مر گیا۔ اونٹ کی وجہ سے اس کی گزر بسر ہو رہی تھی ۔ وہ بڑا پریشان ہوا۔ آخر اس کے ذہن میں یہ بات آئی کہ وہ مدینہ منورہ جا کر امیر المومنین سے درخواست کرے کہ وا سے بیت المال سے ایک اونٹ دے دیں۔

یہ حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ کا دور خلافت تھا۔ وا عرابی سفر کرتا ہوا مدینہ منورہ پہنچ گیا۔ پھر لوگوں سے پوچھتا ہوا وہ حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ کے در مبارک تک پہنچ گیا۔ دروازے پر اس اعرابی کی ملاقات حضرت امام حسین رضی اللہ تعالی عنہ سے ہوگئی۔

اعرابی نے حضرت امام حسین رضی اللہ تعالی عنہ سے درخوست کی کہ وہ انہیں امیر المومنین سے ملوا دیں۔

حضرت امام حسین رضی اللہ تعالی عنہ نے اس اعرابی کا بڑی خندہ پیشانی سے استقبال کیا۔ اس کو مسجد کے حجرے میں بٹھا اور اسے کہا:

”بھائی، امیر المومنین تو کسی کام سے گئے ہوئے ہیں۔ آپ یہاں بیٹھیں۔ میں اتنی دیر میں آپ کے لئے کھانے وغیرہ کا بندوبست کرتا ہوں۔“

کچھ دیر بعد حضرت امام حسین رضی اللہ تعالی عنہ نے بڑا پر تکلف کھانا تیار کروایا اور اسے لے کر خود اعرابی کے پاس تشریف لائے۔ اعرابی نے دیکھا کہ مسجد کے ایک کونے میں شخص پرانے کپڑے پہنے ہوئے بیٹھا تھا، اور سوکھی روٹی پانی میں بھگو کر کھا رہا ہے۔

اعرابی کو یہ دیکھ کر اس غریب آدمی پر بڑا ترس آیا۔ اس نے حضرت امام حسین رضی اللہ تعالی عنہ سے کہا۔

”میں اپنے اس پر تکلف کھانے میں اس غریب آدمی کو بھی شریک کرنا

چاہتا ہوں۔"

حضرت امام حسین رضی اللہ تعالی عنہ نے یہ سن کر فرمایا،

"بھائی، وہی تو امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ ہیں۔ وہ اپنا معمول کا کھانا تناول فرما رہے ہیں، اور وہ اپنا کھانا چھوڑ کر یہ پر تکلف کھنا ہرگز نہیں کھائیں گے۔"

اعرابی یہ بات سن کر حیرت کے سمندر میں غوطے کھانے لگا اور سوچ میں پڑ گیا کہ اتنی بڑی اور وسیع و عریض سلطنت کے حاکم اس قدر سادہ زندگی گزارتے ہیں اور اس غذا پر زندگی بسر کرتے ہیں کہ جس کو کوئی غریب آدمی بھی کھانا پسند نہیں کرتا۔

اس کے بعد وہ اعرابی امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور اپنے آنے کا مدعا بیان کیا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ نے اس اعرابی کو بیت المال سے ایک اونٹ عطا فرما کر رخصت فرمایا۔

انصاف اور ملامت:

ایک شخص پر کسی نے زیادتی کی۔ وہ شخص کمزور ہونے کی وجہ سے اپنا بدلہ نہ لے سکا اور وقت کے حاکم امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی۔

"یا امیر المومنین! فلاں شخص نے میرے ساتھ ظلم اور زیادتی کی ہے۔
آپ میرے ساتھ چلیں اور مجھے انصاف دلوائیں۔"

اس وقت حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ کسی کام میں مصروف تھے۔ آپ کو اس شخص کی بے جا مداخلت پر سخت غصہ آیا۔ آپ نے جھنجھلا کر اس شخص کو درہ دے مارا اور فرمایا:

"جب میں ایسے کاموں کیلئے عدالت لگاتا ہوں تو تم لوگ اس وقت کیوں نہیں آتے، اور جب مجھے تنگ کرتے ہو کہ ہمیں بدلہ دلوادیں۔"

وشخص حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ کو غصے میں دیکھ کر خوفزادہ ہو گیا اور خاموشی سے وہاں سے چلا گیا۔ اس شخص کے چلے جانے کے بعد حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ کو اپنے طرز عمل کا احساس ہوا تو آپ کو افسوس ہوا۔ آپ نے فوراً ایک آدمی کو اس شخص کے پیچھے دوڑایا تاکہ وہ اس شخص کو واپس بلا لائے۔ وہ شخص ابھی تھوڑی ہی دور گیا تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ کے بھیجے ہوئے آدمی نے اسے جالیا اور اسے کر واپس حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ کے پاس آ گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے اسے دیکھتے ہی درہ اس کے ہاتھ میں پکڑاتے ہوئے فرمایا:

''میں نے تجھ پر زیادتی کی، یہ لو درہ اور اپنا بدلہ مجھ سے لے لو۔''

یہ دیکھ کر اس شخص کے دل میں حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ کے لئے عزت اور احترام اور بھی بڑھ گیا۔ اس نے عرض کی:

''یہ دیکھ کر اس شخص کے دل میں حضرت عمر رضی تعالی کی خاطر معاف کیا۔''

اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ جب گھر واپس تشرف لائے تو سب سے پہلے دو رکعت نماز ادا کی اور پھر خود کو ملامت کرتے ہوئے خود کو مخاطب کر کے فرمانے لگے:

''اے عمر (رضی اللہ تعالی عنہ) تو کمینہ تھا، اللہ تعالی نے تجھے اونچا کیا۔ تو گمراہ تھا، رب تعالی نے ہدایت فرمائی، تو ذلیل تھا، اللہ پاک نے تجھے عزت عطا فرمائی، اور پھر تجھے لوگوں لوگوں پر حکمران بنایا۔ اب اگر ایک آدمی آ کر تجھ سے کہتا کہ مجھے ظلم کا بدلہ دلوا دو تو تو اس کو مارتے لگتا ہے، کل کو روز محشر تو اپنے رب تعالی کو کیا جواب دے گا؟''

ادب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا:

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہجرت کے بعد حضرت ابو ایوب انصاری

رضی اللہ تعالی عنہ کے گھر میں سات ماہ تک مقیم رہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے لئے مکان کی نچلی منزل پر رہے۔ جب پہلی رات ہوئی تو حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالی عنہ اور ان کے اہل خانہ تمام رات کمرے کے ایک کونے میں سمٹ کر بیٹھے رہے، اور تمام رات سو نہ سکے صبح ہوئی تو آپ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ آپ نے عرض کی:

''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، میں اور میرے اہل خانہ تمام رات سو نہیں سکے۔''

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دریافت فرمایا:

''کیوں؟''

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالی عنہ نے عرض کیا:

''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، صرف اس خیال سے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نیچے تسریف فرما ہیں اور ہم اوپر والی چھت پر ہیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہمارے اوپر چلنے پھرنے سے آپ کی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بے ادبی نہ ہو جائے، اور یہ کہ کہیں ہمارے چلنے پھرنے سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر کوئی گردوغبار چھت سے نہ گرے۔''

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ سن کر بڑے خوش ہوئے اور آپ کے اور آپ کے اہل خانہ کے لئے دعا فرمائی۔

اس کے بعد حضرت ابوایوب انصار رضی تعالی عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے التجا فرمائی کہ آپ اوپر والی منزل پر تشریف فرما ہوں۔ مگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اس طرح میرے آنے جانے والوں کو تکلیف ہوگی۔ اس لئے میرا نیچے والی منزل پر ٹھہرنا ہی ٹھیک ہے۔ لیکن حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالی عنہ کےبے انتہا اصرار پر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اوپر والی منزل پر رہنا

قبول فرمالیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تقریباً ایک ماہ اوپر والی منزل پر قیام فرما ہوئے اسکے بعد حضرت جبرائیلؑ تشریف لائے اور اللہ تعالی کی طرف سے یہ حکم لائے اور اللہ تعالی کی طرف سے یہ حکم لائے کہ اب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے لئے حجرہ مبارک اور مسجد تعمیر کیجئے۔ چنانچہ اس کے بعد مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حجرہ مبارک کی تعمیر شروع ہوئی۔

اللہ کا قرض:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالی عنہ بیان فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں ایک شخص نے حاضر ہو کر عرض کیا:

”یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میری بہت نے حج کی نذر مانی تھی اور نذر کو پورا کرنے سے پہلے ہی اس کا انتقال ہو گیا۔“

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

”اگر اس پر قرض ہوتا تو کیا تو اس کو ادا کرتا؟“

اس نے عرض کیا:

”جی ہاں۔“

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا،

”تو پھر اللہ تعالی کا قرض بھی ادا کر کہ اس کا ادا کرنا زیادہ ضروری ہے۔“

احسان کا مستحق:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ روایت فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے عرض کیا

”یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، سب سے زیادہ احسان کا مستحق کون ہے ہے؟“

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

”تمہاری ماں۔“

اس نے عرض کیا۔

”پھر کون؟“

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

”تمہاری ماں۔“

اس نے عرض کیا۔

”پھر کون؟“

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

”تمہارا باپ۔“
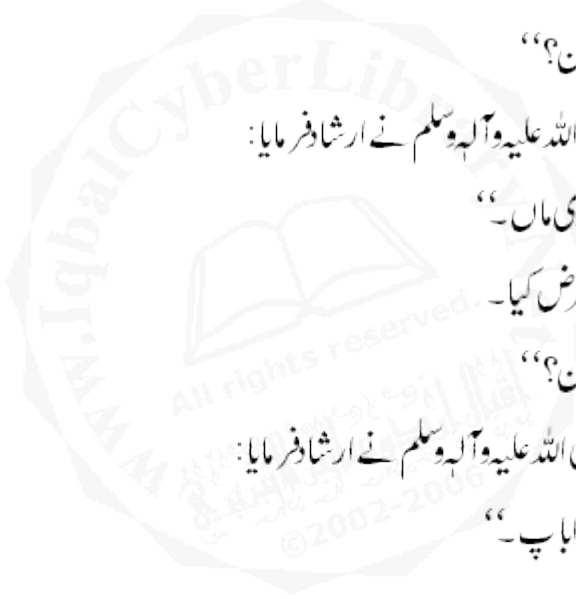
ب

بسم اللہ کی برکت:

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالی عنہ ایک مرتبہ اسلامی لشکر کی قیادت کر رہے تھے ۔ اس مرتبہ مد مقابل نصرانی تھے ۔لشکر اسلام نے ایک جگہ پر پڑاؤ ڈالا ۔ نصرانیوں کو لشکر اسلام کی خبر مل چکی تھی۔ انہوں نے اپنے ایک انتہائی عقل مند اور جہاں دیدہ شخص جس کا نام عبدالمسیح تھا، اسے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالی عنہ کے پاس بھیجا تا کو وہ پوری طرح صورت حال کا پتہ لگا کر آئے ۔ یہ شخص واقع عقل مند تھا اور دیکھتے ہی دیکھتے معاملہ کی تہہ تک پہنچ جایا کرتا تھا۔

جب یہ نصرانی حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالی عنہ کی خدمت اقدس میں پہنچا تو اس کے ہاتھ میں ایک چھوٹی سی بوتل تھی ۔حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالی عنہ نے اس پوچھا:

"یہ تیرے ہاتھ میں کیا ہے؟"

نصرانی بولا:

"اس بوتل میں ایسا خطرناک زہر ہے جس کو پیتے ہی انسان فوراً مر جاتا ہے۔"

آپ نے پوچھا۔

"اسے ساتھ کیوں لائے ہو؟"

نصرانی بولا:

"اس لئے کہ اگر آپ میرے ساتھ کوئی سختی کرنے کی کوشش کریں گے تو میں یہ زہر پی کر فوراً موت کے سفر پر روانہ ہو جاؤں گا اور آپ کی سختی سے بچ جاؤں گا۔"

یہ سن کر حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالی عنہ نے اس کے ہاتھ سے زہر والی بوتل پکڑلی اور بسم اللہ کہتے ہوئے پوری بوتل پی کی خالی بوتل اس کے سامنے پھینک دی۔

یہ دیکھ کر نصرانی اپنے ہوش وحواس کھو بیٹھا کیونکہ زہر نے اللہ تعالیٰ کے بابرکت نام کی وجہ سے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر کوئی اثر نہ کیا تھا۔

یہ نصرانی جب اپنی قوم میں واپس گیا تو کہنے لگا۔

''میں ایسے لوگوں سے مل کر آیا رہا ہوں جن پر زہر بھی اثر نہیں کرتا۔ان پر تلوار کیا اثر کرے گی؟''

اپنے سب سے عقل مند شخص کی بات سن کر نصرانیوں نے لڑائی کا ارادہ ترک کر دیا اور مسلمانوں کو صلح کا پیغام بھیج دیا اور لڑائی سے باز رہے۔

باب علم:

تورات کا ایک بہت بڑا عالم حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔اس نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے علم اور فضل کے بڑے چرچے سنے تھے۔اس لئے وہ آپ کی ذہانت کا امتحان لینے کی خاطر آیا تھا۔اس عالم نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے چند سوال پیش کیے اور بولا:

''اے علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ! مجھے ان کے فوراً جواب دیں۔''

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا۔

''تم سوال کرو میں جواب دوں گا۔''

عالم بولا:

''وہ کون سا مرد ہے جس کی نہ والدہ ہے نہ والد۔''

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا:

''حضرت آدم علیہ السلام۔''

عالم بولا:

''وہ کون سا مرد ہے جس کی والدہ تو ہے مگر والد نہیں:''

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

''حضرت عیسیٰ علیہ السلام۔''

عالم نے کہا۔

''وہ کون سا پتھر ہے جس میں سے ایک جانور کی ولادت ہوئی؟''

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا۔

''وہ پتھر جس سے حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی نے جنم لیا تھا۔''

عالم بولا،

''وہ کون سی عورت ہے جس نے ایک ہی دن صرف تین پہروں میں ایک بچہ جنم دیا؟''

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

''وہ عورت حضرت مریمؑ ہیں۔جنہوں نے ایک دن میں ہی تین پہروں میں ایک بچے کو جنم دیا۔ایک پہر میں انہیں حمل ٹھرا، دوسرے پہر میں زچگی کی درد شروع ہوگئی اور تیسرے پہر میں حضرت عیسیٰؑ کی ولادت پاک ہوئی۔''

عالم بولا:

''وہ کون سے دو دوست ہیں جو کبھی آپس میں دشمن نہیں بنیں گے؟''

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

''وہ دوست روح اور جسم ہیں۔یہ کبھی آپس میں دشمن نہیں بنیں گے۔''

عالم بولا:

وہ کون سے دو دشمن ہیں جو کبھی آپس میں دوست نہیں بن سکتے؟''

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا۔

''وہ دشمن موت اور زندگی ہیں۔یہ آپس میں کبھی دوست نہیں بن سکتے۔''

برائی کی حد:

حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ کی خلافت کا زمانہ تھا۔ایک روز ایک چور کو آپ کی خدمت میں پیش کیا گیا۔آپ نے پوری طرح چھان بین کی تو اس شخص کا جرم ثابت ہوگیا۔حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے شرع کے حکم کے مطابق اس چور کا ہاتھ کاٹنے کا حکم صادر فرما دیا۔

یہ چور ایک نوجوان شخص تھا۔سزا کے متعلق سنتے ہی رو رو کر حضرت رضی اللہ تعالی عنہ سے معافی مانگنے لگا اور عرض کرنے لگا:

"اے امیر المومنین! یہ میری پہلی چوری ہے، میں وعدہ کرتا ہوں کہ آئندہ کبھی چوری نہیں کروں گا۔"

حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا:

تم جھوٹ بولتے ہو، تمنے اس سے پہلے بھی کئی مرتبہ چوری کی ہے۔

وہ نوجوان بولا،

"نہیں امیر المومنین، میں نے آج سے پہلے کبھی چوری نہیں کی۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے اس یہ بات ماننے سے انکار کر دیا اور پورے یقین سے فرمانے لگے:

"تم جھوٹ بولتے ہو، تم اس سے پہلے بھی کئی مرتبہ چوری کر چکے ہو۔"

کافی دیر تک بحث کرنے کے بعد آخر اس شخص کو یہ بات تسلیم کرنا پڑی کہ واقعی وہ اس سے پہلے بھی کئی مرتبہ چوری کر چکا ہے۔مگر اسے اس بات پر حیرت تھی کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ کو اس کی پہلی چوریوں کے متعلق کس طرح پتہ چلا ہے۔ حالانکہ وہ پکڑا تو پہلی مرتبہ گیا تھا۔اس نے بڑی حیرت سے حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ سے دریافت کیا:

"اے امیر المومنین! میری پہلی چوریوں کا علم سوائے میرے اور اللہ

تعالی کے کسی اور کو نہیں تھا۔ آپ کو ان چوریوں کے متعلق کس طرح سے پتہ چل گیا؟''

حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے ارشاد فرمایا:

''اللہ تعالی کسی کو بھی اس وقت تک ذلیل و خوار نہیں کرتا جب تک کہ وہ برائی کی حد سے آگے نہ بڑھ جائے۔''

باغ کی خریداری:

مدینہ منورہ میں ایک مرتبہ سخت قحط پڑ گیا۔ لوگ فاقوں کی وجہ سے مرنے لگے تھے۔ دو وقت کی روٹی کے لئے لوگ اپنی قیمتی اشیا اونے پونے بیچ رہے تھے۔ جن لوگوں کے پاس دولت تھی وہ یہ اشیا دھڑا دھڑا خرید رہے تھے۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالی عنہ کو اللہ تعالی نے بہت زیادہ مال و دولت سے نوازا تھا۔ اسی دور میں آپ کو بتایا کہ فلاں شخص اپنا باغ انتہائی سستے داموں بیچ رہا ہے۔ آپ اس سے اس کا باغ خرید لیں۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالی عنہ نے یہ سن کر آمادگی ظاہر فرمائی اور رقم لے کر باغ کے مالک کی طرف روانہ ہو گئے۔ راستے میں جاتے ہوئے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالی عنہ نے دیکھا کہ فاقوں کی وجہ سے لوگوں کا برا حال ہے۔ بھوک سے لوگ مر رہے ہیں۔ یہ دیکھ کر حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالی عنہ کی آنکھوں سے بے اختیار آنسوں بہنے لگے۔ آپ نے یہ گوارا نہ فرمایا کہ لوگ تو روٹی کے ایک ٹکڑے کے لئے مر رہے ہوں اور وہ باغات کی خریداری کرتے پھریں۔ آپ نے باغ کے لئے جو رقم رکھی تھی وہ ساری کی ساری مستحق لوگوں میں اللہ کے نام پر تقسیم کر دی اور خود خالی ہاتھ واپس تشریف لے آئے۔

گھر واپس پہنچے تو گھر والوں نے پوچھا:

''کیا آپ نے وہ باغ خرید لیا ہے؟''

حضرت عثمان رضی اللہ تعالی عنہ نے جواب میں فرمایا:

''ہاں! میں تمہارے لئے جنت میں بہت ہی خوبصورت باغ خرید کر آ رہا ہوں۔''

بیوی سے عذر:

حضرت سعید بن المسیب رضی اللہ تعالی عنہ روایت فرماتے ہیں کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالی عنہ نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالی عنہ کو بنی کلاب کی طرف بھیجا تا کہ وہ ان کے اموال کو ان پر تقسیم کریں اور کچھ بچا کر نہ رکھیں۔ چنانچہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالی عنہ تمام مال تقسیم کرنے کے بعد خالی ہاتھ واپس آ گئے۔ آپ کے پاس جاتے ہوئے ایک کملی تھی اور وہی آتے ہوئے آپ کندھوں پر پڑی ہوئی تھی۔

جب آپ گھر میں داخل ہوئے تو آپ کی بیوی نے یہ دیکھ کر کہا:

''آپ ایسی جگہ سے آ رہے ہیں جہاں عمال اپنے بیوی بچوں کے لئے بہت کچھ مال لے کر آتے ہیں۔ آپ کیا لائے ہیں؟''

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا:

''مجھ پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالی عنہ نے ایک نگہبان مقرر فرمایا تھا۔''

بیوی حیرانگی سے بولی:

''آپ تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نزدیک امین تھے، اور یہاں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالی عنہ آپ پر نگہبان مقرر کرتے ہیں۔''

اس کے بعد آپ کی بیوی دوسری عورتوں کے پاس گئیں اور حضرت عمر فاروق

رضی اللہ تعالی عنہ کی شکایت کی۔ ہوتے ہوتے یہ خبر حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالی عنہ کو بھی پہنچ گئی۔ انہوں نے حضرت نے حضرت معاذ رضی اللہ تعالی عنہ کو بلایا اور فرمایا:

”اے معاذ، میں نے تم پر کون سا نگہبان مقرر کیا تھا؟“

حضرت معاذ رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا۔

”اے امیر المومنین! میں اپنی بیوی سے ایسا کوئی عذر نہ پاتا تھا سوائے اس بات کے کہنے کے، چنانچہ میں نے یہ کہہ کر عذر بیان کر دیا اور یہ بات میں نے رمز اور اشارہ کے طور پر کہی ہے۔“

اس پر حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ ہنسے اور مال دیا اور فرمایا:

”جاؤ، اس سے بیوی کو راضی کرو۔“

ابن جریر فرماتے ہیں کہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالی عنہ کا نگہبان کہنے سے مطلب اپنے خدا تعالی کا علم تھا۔

بچوں سے پیار:

اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالی عنہا سے مروی ہے کہ ایک اعرابی نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں آ کر عرض کیا:

”آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوگ بچوں کو بوسہ دیتے ہیں ہم انہیں بوسہ نہیں دیتے۔“

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

”اللہ تعالی نے تیرے دل سے رحمت نکال لی ہے تو میں کیا کروں؟“

پ

پاسبان رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم:

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالی عنہ کا شمار حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیارے جانثاروں میں ہوتا ہے۔ ایک رات حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیدار تھے اور نیند نہیں آ رہی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''کاش کوئی مرد صالح میرے صحابہ رضوان اللہ تعالی علیہم اجمعین میں سے میری پاسبانی کرے اور میں کچھ دیر سکون سے سولوں۔''

اچانک ہتھیاروں کی آواز آپ کے کان مبارک میں پڑی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''کون ہے؟''

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالی عنہ نے عرض کیا:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

کیوں آئے ہو؟''

حضرت سعد رضی اللہ تعالی عنہ نے عرض کیا:

''آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پاسبانی کے لئے حاضر ہوا ہوں۔''

یہ سن کر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہت خوش ہوئے اور آپ کے لئے دعا فرمائی۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالی عنہ سب سے پہلے شخص ہیں جنہوں نے اللہ تعالی کی راہ میں تیر اندازی کی تھی۔ غزوہ احد کے موقع پر بھی تیر اندازی پر مامور تھے۔ جب جب لڑائی زوروں پر تھی تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت سعد رضی اللہ تعالی عنہ سے فرماتے:

''اے سعد! تیر پھینک، تجھ پر میرے ماں باپ فدا ہوں۔''

ایک کافر نے جس کا نام مالک بن زہیر تھا، اس بہت سے مسلمانوں کو زخمی اور شہید کیا تھا۔حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالی عنہ نے اس کافر کی آنکھ پر ایسا تاک کر تیر مارا جو اس کی گدی سے باہر نکل گیا۔یہ دیکھ کر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خوش ہو کر حضرت سعد کے حق میں دعائے خیر کرتے ہوئے فرمایا:

''اللہ تعالی تمہاری دعائیں قبول فرمائے اور تمہارے تیر کا نشانہ درست رکھے۔''

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس دعا کی برکت سے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالی عنہ کو اللہ تعالی نے ایسا بلند مرتبہ عطا فرمایا کہ آپ کے منہ سے جو دعا نکلتی وہ اللہ تعالی قبول فرمالیتا اور لوگ اسی وجہ سے ان سے دعا کرانے کے لئے انہیں ڈھونڈتے رہتے تھے۔

آخر عمر میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالی عنہ نابینا ہو گئے۔لوگوں نے ان سے کہا:

''آپ لوگوں کے لئے تو شفا کی دعا کرتے ہیں، اپنے لئے دعا کیوں نہیں کرتے۔تا کہ اللہ تعالی کی قضا مجھے بینائی سے زیادہ محبوب ہے۔اللہ تعالی جو چاہے اپنے لئے تو اس کا حکم میری آنکھ کی بصارت سے زیادہ عزیز ہے۔''

پردہ:

حضرت اُم سلمہ رضی اللہ تعالی عنہا سے مروی ہے کہ یہ اور حضرت میمونہ رضی اللہ تعالی عنہا دونوں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر تھیں کہ حضرت عبد اللہ بن مکتوم رضی اللہ تعالی عنہ آئے۔حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان دونوں سے فرمایا:

''پردہ کرلو''

حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالی عنہ فرماتی ہیں کہ میں نے عرض کیا:

''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ، وہ تو نابینا ہیں ۔ وہ ہمیں نہیں دیکھیں گے ۔''

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''کیا تم دونوں بھی نابینا ہو۔ کیا تم انہیں نہیں دیکھو گی ۔''

ت
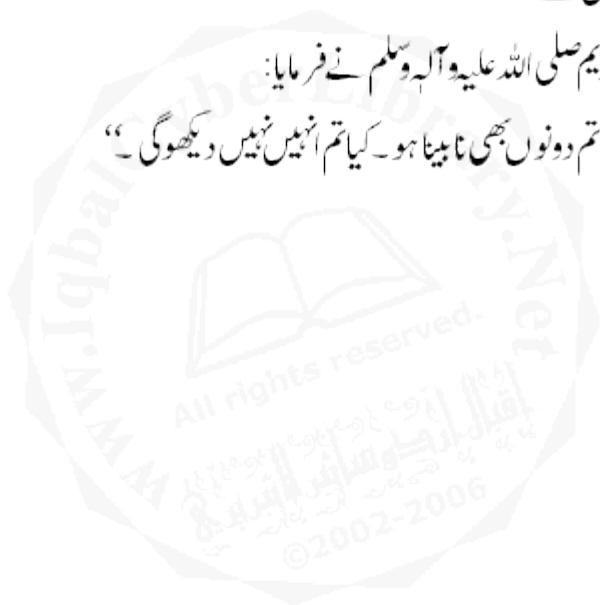
توبہ:

ایک روز حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ کو رات کے وقت ایک عورت ملی ۔وہ عورت ایک بہت بڑا گناہ کر چکی تھی ۔اس عورت نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے پوچھا:

''اے ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ میں نے ایک گناہ کیا ہے، کیا میری توبہ قبول ہو سکتی ہے؟''

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ نے پوچھا:

''تم نے کون سا گناہ کیا ہے؟''

وہ عورت بولی:

''میں نے زنا کیا ہے، اس کے نتیجے میں میرے ہاں بچہ پیدا ہوا۔میں نے اس کو قتل کر ڈالا۔

یہ سن کر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا،

''اے عورت تو تباہ ہوگئی۔تیرے لئے تو کوئی توبہ نہیں ہے۔''

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ کی یہ بات سن کر وہ عورت بے ہوش ہوگئی اور زمین پر گر پڑی۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہا سے وہیں چھوڑ کر اپنے راستے پر ہو لئے۔

اچانک ان کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ میں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھے بغیر ہی اس عورت کو اتنی بڑی بات کیوں کہہ دی کہ اس کے لئے کوئی توبہ نہیں۔

یہ سوچ کر وہ فوراً حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ اقدس میں پہنچے اور سارہ واقعہ عرض کیا۔واقعہ سن کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''اے ابو ہریرہ (رضی اللہ تعالی عنہ)، تو نے برا کیا۔'' (یعنی اس عورت کو تو نے نا امید کیوں کیا؟)

یہ بات سن کر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ فوراً اس عورت کی تلاش میں نکل پڑے۔ وہ عورت انہیں مل نہیں رہی تھی۔ آپ ہر آنے جانے والے سے اس عورت کے بارے میں پوچھ رہے تھے۔ ان کی یہ حالت دیکھ کر لوگ انہیں عجیب نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ مگر آپ ان سب سے لاپرواہ اس عورت کو ڈھونڈ رہے تھے۔ آخر انہوں نے اس عورت کو تلاش کر ہی لیا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ نے اس عورت کی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بات بتائی تو وہ عورت خوشی سے دیوانی ہوگئی اور اسی خوشی میں بولی۔

''میں نے اپنا باغ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے وقف کر دیا۔''

ث

ثابت قدمی:

حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالی عنہ کی ولادت مبارکہ واقعہ فیل کے چھ سال بعد ہوئی اور بعثت کے پہلے سال حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ کے فرمانے پر ایمان لائے۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالی عنہ کی کنیت ابوعبداللہ، ابوعمر اور ابویعلی ہیں۔ آپ کا لقب ذوالنورین ہے کیونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دو صاحبزادیاں یکے بعد دیگرے آپ رضی اللہ تعالی عنہ کے عقد میں آئیں۔ یہ دولت کس یا ور انسان کے حصہ میں نہیں آئی کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دو صاحبزادیاں اس کے عقد میں رہیں ہوں۔ یہ شرف حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالی عنہ کی امتیازی خصوصیات ہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"اگر میری پالیس لڑکیاں بھی ہوتیں تو میں یکے بعد دیگرے حضرت عثمان رضی اللہ تعالی عنہ کے عقد میں دے دیتا۔"

آپ رضی اللہ تعالی عنہ کا اسم گرامی عثمان بن عفان ابن ابی العاص بن امیہ بن عبدالشمس بن عبد مناف ہے۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالی عنہ نے اسلام کیلئے دو بار ہجرت فرمائی۔ پہلی ہجرت حبشہ کی طرف اور دوسری مدینہ طیبہ کی طرف۔ آپ کا شمار ان دس خوش قسمت صحابہ کرام رضوان اللہ تعالی علیہم اجمعین میں ہوتا ہے جن کو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی حیات مبارکہ میں ہی جنت کی خوشخبری دی تھی۔

اسلام قبول کرنے کے بعد حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالی عنہ نے کئی مصائب برداشت کیے اور اللہ کی راہ میں اس قدر مال و دولت نثار کیا کہ تاریخ اسلام میں ایک بہترین مثال قائم کی۔ ابن سعد نے محمد بن ابراہیم کے حوالے سے لکھا ہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالی عنہ کے اسلام قبول کرنے کے بعد آپ کے چچا حکم بن ابی

العاص نے آپ کو پکڑ کر ایک کمرے میں بند کر دیا اور کہا:

''تم نے اپنا آبائی مذہب ترک کر کے ایک نیا مذہب اختیار کر لیا ہے ،جب تک تم اس نئے مذہب کو چھوڑ نہیں دو گے میں تمہیں آزاد نہیں کروں گا۔''

یہ سن کر حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا:

''چچا! اللہ کی قسم، میں مذہب اسلام کو نہیں چھوڑوں گا۔''

اسی طرح قید و بند میں کئی دن گزر گئے اور حکم بن ابی العاص نے آپ کی اسلام پر ثابت قدمی سے مجبور ہو کر آپ کو قید و بند سے آزاد کر دیا۔

ج

جانثار رسولؐ:

جب کفار مکہ نے دیکھا کہ ان کی تمام تر کوششوں کے باوجود بھی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تبلیغ اسلام سے باز نہیں آتے تو انہوں نے فیصلہ کیا کہ نعوذ باللہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قتل کر دیا جائے۔ چنانچہ کفار مکہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کفار کے منصوبے کا علم ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ سے ارشاد فرمایا۔

"اے علی! مجھ کو مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کرنے کا حکم ملا ہے۔ میرے پاس کفار کی کچھ امانتیں پڑی ہیں۔ وہ میں تمہارے سپرد کرتا ہوں۔ تم کل انہیں ان کے مالکوں تک پہنچا کر مدینہ چلے آنا۔ کفار آج کی رات مجھ کو قتل کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ تم آج میری چارپائی پر میری چادر اوڑھ کر سو جانا۔ اطمینان رکھو، خدا کے فضل سے وہ تمہیں کوئی نقصان نہ پہنچا سکیں گے۔"

حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان کے مطابق وہ چادر مبارک اوڑھ کر انتہائی اطمینان سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چارپائی پر سو گئے اور اپنی جان کو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نثار کرنے کا تہیہ کر لیا۔ فرمان رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مطابق کفار آپ کو ذرا سی خراش بھی نہ پہنچا سکے۔

حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ کی کنیت ابوتراب اور ابوالحسن تھی جب کہ لقب مبارک مرتضیٰ اور اسداللہ تھا۔ اسم مبارک علی رضی اللہ تعالی عنہ تھا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ کے والد کا نام حضرت ابو طالب اور والدہ ماجدہ کا نام حضرت فاطمہ تھا۔ آپ رضی اللہ تعالی عنہ عشرہ مبشرہ

میں سے ہیں۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ سے بے انتہا پیار تھا۔ ابوتراب کی کنیت بھی آپ کو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہی عطا فرمائی تھی اور حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ کو اپنی کنیت بہت ہی پیاری تھی اور جب کوئی آپ کو اس نام سے پکارتا تو آپ رضی اللہ تعالی عنہ بہت خوش ہوتے تھے۔ اور کنیت کے ملنے کا واقعہ کچھ اس طرح سے ہے کہ ایک دن حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالی عنہا سے کسی بات سے ناراض ہو کر مسجد میں آ کر لیٹ گئے اور آپ کے بدن مبارک پر کچھ مٹی لگ گئی۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کو بلانے خود مسجد میں تشریف لائے۔ آپ کے بدن پاک سے مٹی جھاڑتے ہوئے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"اے ابوتراب، اب اٹھو۔"

چنانچہ اسی روز سے آپ کی یہ کنیت مشہور ہوگئی۔

جنتی آدمی:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ روایت فرماتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں ایک اعرابی حاضر ہوا اور کہا:

"آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے ایسا عمل بتائیں کہ جب میں وہ کروں تو جنت میں ہو جاؤں۔"

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا،

"اللہ تعالی کی عبادت کر، اسکا کسی کو شریک نہ ٹھہرا، فرض نماز قائم کر، فرض زکوۃ ادا کر، اور رمضان کے روزے رکھ۔"

وہ اعرابی کہنے لگا:

"مجھے قسم ہے اس ذات کی کہ جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے

میں اس پر زیادہ نہیں کروں گا۔''

جب وہ چلا گیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''جس کو یہ اچھا معلوم ہوتا ہے کہ وہ جنتی کو دیکھے تو وہ اس کو دیکھ لے۔''

ح

حواری رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم:

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"ہر نبی کے کچھ حواری (مددگار) ہوتے ہیں اور میری امت میں میرے حواری حضرت زبیر رضی اللہ تعالی عنہ ہیں۔"

صحابی ہیں جنہوں نے سب سے پہلے اللہ تعالی کی راہ میں تلوار اٹھائی۔

حضرت صفیہ رضی اللہ تعالی عنہا بنت عبدالمطلب کے صاحبزادے ہیں۔ آپ نے جب اسلام قبول کیا تو آپ کے چچا نے آپ پر ظلم وستم کی انتہا کر دی حتی کہ وہ حضرت زبیر رضی اللہ تعالی عنہ کو چٹائی میں لپیٹ کر دھواں دیتے تا کہ آپ جھے رہے ۔ہجرت حبشہ کرنے والوں میں آپ بھی شامل تھے۔ آپ نے تمام غزوات میں شرکت فرمائی اور ہر وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اپنی جان نثار کرنے کیلئے تیار رہتے تھے۔

ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت زبیر رضی اللہ تعالی عنہ سے فرمایا:

"اے ابو عبداللہ، جبرائیل ہیں جو تمہیں سلام کہتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ میں قیامت کے دن تمہارے ساتھ ہوں گا تا کہ تم سے جہنم کے شعلوں کو دور کروں۔"

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ کی استقامت:

جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ بنے تو آپ کو بہت سے دوسرے مسائل کے علاوہ ایک مسئلہ مرتدین کا بھی پیش آیا۔ آپ نے اپنے عزم و استقامت سے ان تمام مسائل پر قابو پا لیا۔ لوگوں نے آپ کو یہ مشورہ دیا کہ حالات کے پیش نظر فی الحال لوگوں سے نرمی اختیار کی

جائے مگر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ نے دین کیمعاملے میں کسی قسم کی رورعایت کرنے سے صاف انکار کردیا۔

ایک مرتبہ کچھ لوگ اسلام سے باغی ہوکر مرتد ہو گئے۔انہوں نے چند افراد پر مشتمل ایک وفد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ کی حدمت میں بھیجا۔اس وفد نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ کے سامنے پہنچ کر بڑے باغیانہ انداز میں اپنا مطالبہ پیش کرتے ہوئے کہا،

"اے ابوبکر (رضی اللہ تعالی عنہ)! اگر تم چاہتے ہو کہ ہم دوبارہ مسلمان ہوجائیں تو پھر تمہیں ہماری ایک شرط ماننا ہوگی۔"

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ نے پوچھا:

"وہ کیا شرط ہے۔"

وہ بولے:

"ہماری شرط ہے کہ تم نماز میں کمی کردو، اورزکوۃ معاف کردو۔"

جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ نے مرتدین کا یہ مطالبہ سنا تو آپ غضبناک ہوگئے اور کرج کر فرمایا،

"ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا۔نہ تو نماز میں معمولی سی بھی تخفیف ہوسکتی ہے اور نہ ہی صاحب زکوۃ پر زکوۃ کی معافی ہوسکتی ہے۔یادرکھو، اگر زکوۃ میں معمولی سی رسی بھی آتی ہوگی تو میں اس رسی کے لئے بھی تم سے لڑوں گا اور تمہیں تمہارے انجام تک پہنچاؤں گا، خواہ اس معاملے میں ایک شخص بھی میرا حمایتی نہ رہے اور میں اکیلا رہ جاؤں مگر جب تک میرے جسم میں جان اور ہاتھ میں تلوار ہے، میں منافقین سے آخری دم تک جہاد کرتا رہوں گا اور مرتدوں کا خاتمہ کرکے چھوڑوں گا۔"

چنانچہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ نے اپنے اس عزم کو بڑی

استقامت سے پورفرمایا اور جلد ہی مرتدوں اور منافقوں کو ان کے انجام تک پہنچادیا۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ اور شیطان لعین:

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک غزوہ سے فتح یاب ہو کر واپس مدینہ طیبہ میں تشریف لائے۔ ایک عورت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ اقدس میں حاضر ہوئی اور عرض کرنے لگی:

''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میرے ماں باپ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر قربان ہوں۔ میں نے یہ نذر مانی تھی کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میدان جنگ سے خیرو عافیت سے واپس تشریف لے آئیں گے تو میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے دف بجا کر اور گا کر اپنی خوشی کا اظہار کروں گی۔''

یہ سن کر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا،

''اگر تم نے نذر مانی تھی تو پھر اجازت ہے، ورنہ یہ ٹھیک نہیں ہے۔''

وہ عورت بولی:

''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، واقعی میں نے نذر مانی تھی۔''

اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے اپنی خوشی پوری کرنے کی اجازت عطا فرمادی۔

وہ عورت دف بجانے لگی اور گانے لگی۔ اسی وقت وہاں پر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ تشریف لے آئے مگر وہ عورت دف بجاتی رہی۔ کچھ دیر بعد وہاں حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ بھی تشریف لے آئے۔ وہ عورت بدستور دف بجاتی رہی اور گاتی رہی۔

اچانک وہاں حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ بھی تشریف لے آئے۔ جونہی اس عورت کی نظر حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ پر پڑی تو اس نے فوراً دف بجانا بند کر دیا۔

دف اپنے نیچے چھپا کر وہ خود اس کے اوپر بیٹھ گئی۔ یہ منظر دیکھ کر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بے ساختہ مسکرا پڑے اور فرمایا لگے:

''اے عمر (رضی اللہ تعالی عنہ)! میری موجودگی میں تو یہ عورت دف بجاتی رہی اور گاتی بھی رہی مگر تمہیں دیکھ کر اس نے دف بجانا چھوڑ دیا۔ اے عمر، بے شک شیطان تم سے ڈرتا ہے۔''
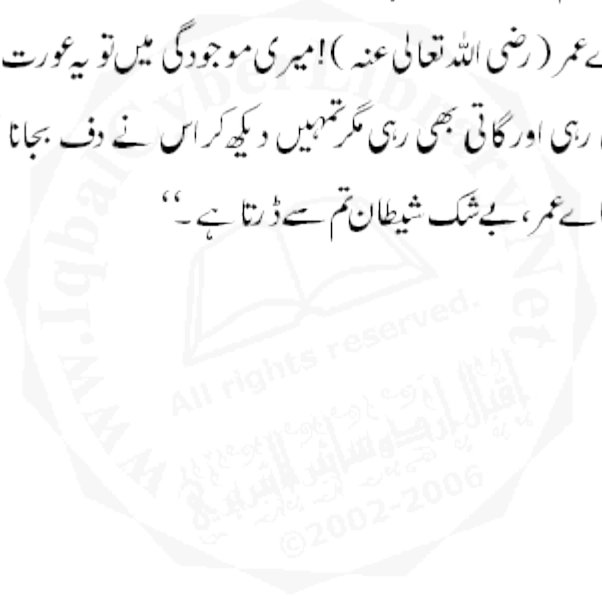
خ

خوشخبری:

غزوہ بدر کے موقع پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت سعید بن زید رضی اللہ تعالی عنہ کو کسی ضروری کام کے لئے حضرت طلحہ رضی اللہ تعالی عنہ کے ہمراہ ملک شام کی طرف بھیجا ہوا تھا۔ ان دونوں صحابہ کرام رضوان اللہ تعالی علیہم اجمعین نے اپنا کام ختم کر کے جلد از جلد مدینہ پہنچنے کی کوشش کی۔

جب یہ مدینہ پہنچے تو لشکر اسلام کے لئے روانہ ہو چکا تھا۔ ان دونوں صحابہ کرام رضوان اللہ تعالی علیہم اجمعین نے بغیر کسی توقف کے بدر کا رخ کیا مگر اتنی دیر میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کفار مکہ کو شکست دے چکے تھے اور مجاہدین کے ساتھ واپس تشریف لا رہے تھے۔

لومانی کے مقام پر حضرت سعید بن زید رضی اللہ تعالی عنہ اور حضرت طلحہ رضی اللہ تعالی عنہ مجاہدین سے مل گئے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کمال مہربانی فرماتے ہوئے ان دونوں کو غزوہ بدر سے حاصل ہونے والے مال غنیمت سے حصہ بھی دیا اور جہاد کے ثواب سے بہرہ مند ہونے کی خوشخبری بھی دی۔

حضرت سعید من زید رضی اللہ تعالی عنہ نے تمام غزوات میں شرکت کی اور بہادری سے انمٹ نقوش چھوڑے۔ آپ بیعت رضوان میں بھی موجود تھے۔ آپ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ کے دور خلافت میں آپ نے معرکہ اجنادین میں بہادری اور شجاعت کا زبردست مظاہرہ کیا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے یہ عظیم صحابی اسی برس کی عمر میں مدینہ منورہ کے نواح میں وصال فرما گئے۔ اس روز جمعہ کا دن تھا۔ آپ کو حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالی عنہ نے غسل دیا اور حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالی عنہ نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی۔

خوبصورتی کا فتنہ:

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالی عنہ اپنے دور خلافت میں ایک گشت پر تھے کہ ایک گلی میں سے آپ کا گزر ہوا۔ اچانک ایک مکان میں سے ایک عورت کے گانے کی آواز حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ کے کانوں میں پڑی۔ وہ عورت کسی شخص کی یاد میں گانا گا رہی تھی۔ گانے میں اس کے محبوب کا نام بھی شامل تھا جو کہ نصر بن حجاج تھا۔ عورت کے شعروں سے اس بات کا اظہار ہو رہا تھا کہ وہ نصر بن حجاج نامی شخص کے پاس جانے کے لئے بے چین ہے اور یہ کہ وہ شخص بے انتہا حسین ہے جس کی وجہ سے وہ عورت اس پر عاشق ہوگئی ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ خاموشی سے واپس چلے آئے۔ صبح ہوئی تو حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے اپنے ساتھیوں سے نصر بن حجاج نامی شخص کے متعلق معلومات حاصل کی۔ اس کے بعد اس شخص کو طلب فرمایا۔ جب وہ شخص حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ کے سامنے پہنچا تو حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے دیکھا کہ وہ شخص واقعی بہت زیادہ حسین تھا۔ اس کے بال بھی بہت خوبصورت تھے۔ آپ نے حکم دیا:

''نصر کے بال مرنڈ دیے جائیں۔''

حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ کے حکم کی تعمیل ہوئی۔ نصر کے بال مونڈ دیے گئے مگر اس سے نصر کی خوبصورتی میں اور بھی اضافہ ہو گیا۔ اس کی کشادہ پیشانی اور بھی نمایاں ہوگئی اور اس کا حسن مزید نکھر گیا۔ یہ دیکھ کر حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے حکم دیا:

''اس کا منہ کالا کر دیا جائے۔''

حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ کے اس حکم کی بھی تعمیل کی گئی مگر حیرت انگیز طور پر نصر کی خوبصورتی میں اور بھی اضافہ ہو گیا۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا:

"قسم ہے اس ذات پاک کی، جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے،

اے نصر! تو اس جگہ نہیں رہ سکتا جہاں میں رہتا ہوں۔"

چنانچہ نصرہ بھیج دیا گیا۔

حالانکہ نصر حجاج کا اپنی خوبصورتی میں کوئی قصور نہ تھا مگر حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے نصر کو صرف اس لئے مدینہ منورہ سے نکال دیا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شہر مدینہ منورہ کی عورتیں نصر کی خوبصورتی کے فتنے سے محفوظ رہ سکیں۔

د

دست مبارک کی برکت:

حضرت ابوطلحہ رضی اللہ تعالی عنہ کسی کام سے سفر پر گئے ہوئے تھے۔ آپ رضی اللہ تعالی عنہ کی عدم موجودگی میں آپ کا بیٹا انتقال کر گیا۔ آپ کو اپنے بیٹے سے بے انتہا محبت تھی۔ جب حضرت طلحہ رضی اللہ تعالی عنہ سفر سے واپس آئے تو آتے ہی اپنی زوجہ محترمہ جن کا نام اُم سلیم رضی اللہ تعالی عنہ تھا، ان سے اپنے بیٹے کے متعلق پوچھا۔انہوں نے جواب دیا:

"وہ آرام کر رہا ہے۔"

یہ سن کر حضرت طلحہ رضی اللہ تعالی عنہ سکون سے بیٹھ گئے اور آپ نے کھانا کھایا۔ اس کے بعد حضرت اُم سلیم رضی اللہ تعالی عنہا جو کہ بڑی عقلمند اور باہمت خاتون تھیں ۔انہوں نے آپ سے فرمایا:

"میں آپ سے ایک اہم مسئلہ پوچھنا چاہتی ہوں۔"

حضرت ابوطلحہ رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا:

"پوچھو۔"

وہ بولیں:

"مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی نے میرے پاس اپنی کوئی امانت رکھوائی ہو اور کچھ عرصے بعد وہ مجھ سے اپنی امانت طلب کرے تو مجھے کیا کرنا چاہیئے ۔"

حضرت ابوطلحہ رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا:

"یہ بھی کوئی پوچھنے والی بات ہے، جس کی امانت ہو وہ جب بھی طلب کرے اس کو فوراً ہی واپس لوٹانی چاہیئے۔"

وہ بولیں۔

''جب امانت واپس کر دی جائے تو اس کا کوئی غم بھی کرنا چاہئے یا نہیں؟''

آپ نے فرمایا:

''بالکل غم نہیں کرنا چاہئے۔''

حضرت ام سلیم بولیں:

''اگر یہ بات ہے تو پھر میں آپ کو اصل بات سے آگاہ کرتی ہوں۔ اللہ تعالی نے ہمیں جو امانت ہمارے پیارے فرزند کی صورت میں دی تھی وہ واپس لے لی ہے۔ ہمارا پیارا بیٹا فوت ہو چکا ہے۔ اب ہمیں غم کی بجائے صبر کرنا ہوگا۔''

یہ سن کر حضرت ابو طلحہ رضی اللہ تعالی عنہ نے صبر کر لیا۔ رات ختم ہوئی تو اگلے دن فجر کے وقت آپ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور اپنے پیارے بیٹے کیا انتقال کا سارہ واقعہ جا سنایا۔

ساری بات نس کر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''اے ابو طلحہ (رضی اللہ تعالی عنہ)، آج کی رات اللہ تعالی تیرے لئے برکت والی کرے۔''

چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعا کی برکت سے اللہ تعالی نے حضرت ابو طلحہ رضی اللہ تعالی عنہ کو ایک اور بہت ہی خوبصورت بیٹا عطا فرمایا۔ حضرت ابو طلحہ خوشی خوشی اپنے بیٹے کو لے کر بارگاہ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں پہنچے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ کے بیٹے کو دیکھ کر خوشی کا اظہار فرمایا اور اس بچے کی پیشانی پر اپنا دست مبارک پھیرا اور اس کا نام خود ہی عبد اللہ بھی رکھا۔

حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پیشانی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دست مبارک پھیرے جانے کی برکت سے بے انتہا روشن اور چمکتی دکھائی دیتی تھی اور یہ چمک تاحیات پیشانی مبارک پر رہی۔

دعا کی قبولیت:

مدینہ منورہ کی گلی میں ایک جوان آدمی تیزی سے چلا جارہا تھا۔ اس نے کپڑوں میں ایک شراب کی بوتل چھپا رکھی تھی۔ وہ کسی کی نظروں میں آئے بغیر جلد از جلد اپنی منزل پر پہنچ جانا چاہتا تھا۔

اچانک سامنے سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشریف لاتے ہوئے دکھائی دیے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشریف لاتے ہوئے دکھائی دیے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی اس شخص کو دیکھ لیا۔ وہ شخص آپ کو دیکھ کر سخت ہراساں ہوگیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کچھ شک پڑ گیا۔ آپ نے اسے روک کر پوچھا:

''اے شخص، تو نے کپڑوں کے نیچے کیا چھپا رکھا ہے؟''

وہ شخص جلدی سے بولا:

''امیر المومنین ایک بوتل ہے۔''

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا:

''اس بوتل میں کیا ہے؟''

اب تو مارے شرمندگی اور خوف کے اس شخص کا برا حال ہوگیا۔ اس نے اپنے دل میں سچے دل سے اللہ تعالیٰ کے حضور گڑگڑا کر دعا مانگی۔

''اے اللہ! مجھے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ کے سامنے شرمندگی اور رسوائی سے بچالے۔ میرے عیب پر پردہ ڈال دے۔ میں سچے دل سے توبہ کرتا ہوں کہ آئندہ کبھی شراب نہیں پیوں گا۔''

یہ لمحہ دعا اس نوجوان کے لئے قبولیت کا لمحہ بن گیا۔ اللہ تعالی نے اس نوجوان کی سچی توبہ قبول فرمالی۔

اس شخص نے حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ کو جواب دیتے ہوئے کیا۔

''اے امیر المومنین! اس بوتل میں سرکہ ہے۔''

آپ نے فرمایا:

''مجھے دکھاؤ۔''

یہ کہہ کر آپ نے اس شخص کے ہاتھ سے بوتل پکڑ کر کھولی تو واقعی اس میں شراب کی جگہ سرکہ تھا۔ یہ تھا سچی توبہ کا معجزہ۔

دلوں میں نفرت:

ایک مرتبہ ایک قافلہ کسی سفر پر جا رہا تھا۔ اس قافلے میں بہت سے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالی علیہم اجمعین بھی شامل تھے۔ جن میں حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالی عنہ اور حضرت ابن رضی اللہ تعالی عنہ جیسے مامور صحابہ کرام رضون اللہ تعالی علیہم اجمعین بھی شامل تھے۔ اس قافلے میں چرواہوں کی ایک ٹولی بھی شامل تھی اور عرب کا گویا رباح فہری بھی شامل تھا۔ یہ گویا گانے کے فن میں بڑی مہارت رکھتا تھا۔ قدرت نے اس کو بڑی سریلی آواز سے نوازا تھا۔

رات ہوئی تو قافلہ ایک جگہ پر پڑاؤ ڈالا۔ چرواہوں نے رباح سے فرمائش کی کہ وہ انہیں کوئی اچھا سا گانا سنائے۔ رباح بولا،

''میں حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ کے ہوتے ہوئے گانا نہیں گا سکتا۔ وہ برا منائیں گے۔''

چرواہے بولے:

''تم گانا گاؤ۔ اگر حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے برا منایا تو بند کر دینا۔ اگر وہ خاموش رہے تو گاتے رہنا۔''

یہ سن کر رباح رضامند ہو گیا اور اس نے گانا شروع کر دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رباح کا گانا سنا تو بہت خوش ہوئے اور رباح کو منع نہ فرمایا۔

رباح گاتا رہا یہاں تک کہ لوگوں کو وقت گزرنے کا پتہ ہی نہ چلا اور فجر کی اذان کا وقت ہو گیا۔ اس وقت حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا۔

"رباح، اب بس کرو، یہ اللہ تعالیٰ کے ذکر اور عبات کا وقت ہے۔"

یہ سن کر رباح نے فوراً گانا بند کر دیا۔

دوسری رات ہوئی تو پھر ایسا ہی ہوا۔ رباح پہلے تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وجہ سے انکار کرتا رہا پھر گانا شروع کر دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی سنتے رہے اور رباح کو کچھ نہ کہا۔ البتہ فجر کے وقت رباح کو منع فرما دیا۔

تیسری رات کو بھی یہی واقعہ پیش آیا۔ ابھی رباح نے گانا شروع ہی کیا تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بلند آواز سے فرمایا:

"رباح بس کرو، گانا دلوں میں نفرت پیدا کرتا ہے۔"

اس پر رباح نے فوراً گانا بند کر دیا۔

دنیا سے کنارہ کشی:

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک روز ہم بہت سے لوگ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر میں بیٹھے ہوئے تھے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پیاس محسوس ہوئی۔ آپ نے پانی طلب فرمایا۔ چنانچہ خادم نے آپ کی خدمت میں پانی اور شہد پیش کیا۔

جب آپ نے اسے پینے کے لئے اپنے منہ کے قریب کیا تو نجانے کیا

ہوا کہ آپ بے اختیار رونے لگے۔ آپ کو زار و قطار روتا دیکھ کر ارد گرد بیٹھے ہوئے تمام صحابہ اکرام رضوان اللہ تعالی علیہم اجمعین بھی رونے لگے۔

کچھ دیر بعد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ کے آنسو تھمے تو آپ نے پھر پینے کا ارادہ فرمایا لیکن پانی اور شہد کو دیکھ کر رونے لگے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالی علیہم اجمعین دوبارہ رونے لگے۔ مگر وہ آپ سے رونے کی وجہ نہ دریافت کر سکے۔ جب حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ کے دل کو تھوڑی دیر بعد کچھ ڈھارس بندھی تو صحابہ کرام رضوان اللہ تعالی علیہم اجمعین نے جن کو:

''اے امیر المومنین! آپ کے رونے کی کیا وجہ تھی؟''

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا:

''ایک مرتبہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ تھا۔ آپ اپنے جسم سے کس نظر نہ آنے والی شے کو دور فرما رہے تھے۔

میں نے عرض کیا:

''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کس چیز کو دور فرما رہے تھے؟''

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''ابھی ابھی میرے پاس دنیا آئی تھی، میں نے اس سے کہا، مجھ سے دور ہو۔ چنانچہ وہ واپس چلی گئی اور یہ کہہ کر گئی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تو مجھ سے کنارہ کشی اختیار فرمائی ہے لیکن بعد میں آنے والے ایسا نہیں کر سکیں گے۔''

دعوت الی اللہ:

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہ روایت فرماتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی

اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالی عنہ کو یمن بھیجا اور فرمایا:

''ان کو یہ دعوت دو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اللہ کا (رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہوں اگر وہ اس کی اطاعت کریں تو ان کو بتاؤ اللہ تعالی نے ان پر ان کے مالوں میں صدقہ فرض کیا ہے جو ان میں سے مالداروں سے لیا جائے اور غریبوں میں تقسیم کیا جائے گا۔''

دوزخ سے رکاوٹ:

اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالی عنہا سے روایت ہے کہ ایک عورت اپنی دو بچیاں لے کر میرے پاس آئی اور اس نے مجھ سے کچھ مانگا۔ میرے پاس ایک کھجور کے علاوہ کچھ نہ تھا۔ میں نے وہی دے دی۔ عورت نے کھجور تقسیم کر کے دونوں لڑکیوں کو دے دی اور خود نہیں کھائی۔ جب وہ چلی گئی تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''جس کو اللہ تعالی نے بیٹیاں عطا کی ہوں اگر وہ ان کے ساتھ احسان کرے تو وہ دوزخ کی آگ سے اس کے لئے رکاوٹ ہو جائیں گی۔''

ر

رعایا کی خبر گیری:

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالی عنہ جب خلیفہ مقرر ہوئے تو آپ اکثر راتوں کو بازاروں میں گشت فرمایا کرتے تھے تا کہ رعایا کے حال سے باخبر رہ سکیں۔ گشت کے دوران آپ کو بہت سے لوگ ملتے اور اپنی اپنی تکالیف حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ سے بیان کرتے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ فوراً موقع پر ہی ان کے مسائل حل کر دیتے۔

ایک روز حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ حسب معمول گشت پر تھے کہ راستے میں ایک نوجوان عورت کھڑی ملی۔ وہ عورت حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالی عنہ کو دیکھ کر جلدی سے آگے بڑھی اور بولی:

''اے امیر المومنین! میں ایک بیوہ عورت ہوں۔ میرے شوہر کا انتقال ہو چکا ہے۔ میرے چھوٹے چھوٹے کمسن بچے ہیں جن کا میرے علاوہ کوئی سہارا نہیں ہے۔ ہمارے پاس نہ تو کوئی زمین ہے کہ جس کی آمدن سے ہم لوگ گزر بسر کرسکیں اور نہ تو کوئی ایسا جانور ہے کہ جس کے دودھ سے بچے پیٹ بھر سکیں اور نہ ہی ہمارے پاس کوئی بھیڑ بکری ہے کہ جس کا گوشت کھا کر ہم لوگ اپنی بھوک مٹا سکیں۔ میرے بچے فاقے سے ہیں۔ مجھے ڈر ہے کہ کہیں میرے بچے بھوک کی وجہ سے مر نہ جائیں۔ اے امیر المومنین! میں خفاف بن ایمن غفاری رضی اللہ تعالی عنہ کی بیٹی ہوں جو صلح حدیبیہ کے موقع پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ شریک تھے۔''

حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ سر جھکائے پوری توجہ سے اس بیوہ عورت کی باتیں سنتے رہے۔ اس کے حالات جان کر آپ کو بہت دکھ ہوا۔ آپ نے اس عورت کی دل جوئی فرمائی۔ اس کو تسلی دی اور اس کے تمام مسائل حل کرنے کی یقین دہانی بھی اسے کرائی۔

اس کے بعد حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے گھر واپس آئے۔ گھر میں ایک اونٹ تھا۔ اس کی رسی کھولی۔ بیت المال سے دو بوریاں کھانے پینے کی چیزوں سے بھریں اور اس اونٹ کو لے کر اس عورت کے پاس پہنچے۔ کھانے پینے کی چیزوں سے لدے ہوئے اونٹ کی مہار اس عورت کے ہاتھ میں دے کر حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا۔

"اسے لے جاؤ، یہ تمہارے لئے کافی ہے، جب تک کہ تمہارے پاس کوئی مال نہ آجائے۔"

س

سب سے اچھا سودا:

مکہ مکرمہ میں ایک بڑا امیر کبیر آدمی رہتا تھا۔ اس کا نام امیہ بن خلف تھا۔ اس شخص کے کئی بیٹے تھے۔ اس کے بارہ غلام تھے۔ اس نے ایک بہت بڑا بت خانہ بنوا رکھا تھا اس بت بت خانے کا ایک انچارج بھی تھا۔ یہ انچارج بھی امیہ کا غلام تھا اور اس کا نام بلال تھا۔

ایک روز بلال پر اللہ تعالی کی کرم نوازی ہوئی اور وہ کفر سے تائب ہو کر دین اسلام کی سچی راہ پر گامزن ہو گئے۔ اب بت خانے میں سب لوگ تو بتوں کو سجدہ کرتے مگر حضرت بلال رضی اللہ تعالی عنہ اپنے سچے اور واحد لاشریک خدا کو سجدہ کرتے۔ اس بات کی خبر حضرت بلال رضی اللہ تعالی عنہ کے مالک امیہ کو ہوگئی۔ وہ غصے میں بھرا ہوا حضرت بلال رضی اللہ تعالی عنہ کے پاس آیا۔ امیہ حضرت بلال رضی اللہ تعالی عنہ کو بہت پیار کرتا تھا اور اسی لئے اس نے آپ کو بت خانے کا انچارج بھی بنایا تھا۔ مگر حضرت بلال رضی اللہ تعالی عنہ کے اسلام قبول کرنے کی خبر سن کر وہ غضبناک ہو گیا اور آتے ہی بولا:

''کیا تو محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے رب کو سجدہ کرتا ہے؟''

حضرت بلال رضی اللہ تعالی عنہ نے جواب دیا:

''ہاں! اللہ تعالی کو سجدہ کرتا ہوں۔''

امیہ یہ جواب سن کر اپنی ساری محبت بھول گیا اور حضرت بلال رضی اللہ تعالی عنہ پر بے پناہ تشدد کیا۔ وہ آپ کو مجبور کرنے لگا کہ آپ واپس کفر کی جانب لوٹ آئیں مگر آپ نے صاف انکار کر دیا۔ اس پر حضرت بلال رضی اللہ تعالی عنہ پر ظلم وستم کے پہاڑ ٹوٹنے لگے۔

جب گرمیوں میں سورج اپنے جوبن ہوتا، زمین تنور کی طرح تپ جاتی تو امیہ

آپ کو ننگا کر کے کھلے میدان میں تپتی ریت پر لٹا دیتا اور اوپر بڑے پتھر رکھ دیتا۔ پھر وہ آپ پر گرم گرم ریت ڈالتا اور کہتا۔

''محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے دین کو چھوڑ کر دوبارہ لات وعزیٰ پر ایمان لے آؤ۔''

حضرت بلال رضی اللہ تعالی عنہ کی زبان مبارک پر اس وقت ایک لفظ ہوتا۔

''احد .... احد''اس کا مطلب تھا کہ میں صرف خدائے وحدہ لاشریک کی عبادت کرتا ہوں۔

ایک روز امیہ اسی طرح حضرت بلال رضی اللہ تعالی عنہ پر ظلم وستم کر رہا تھا کہ وہاں سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ کا گزر ہوا۔ آپ نے حضرت بلال رضی اللہ تعالی عنہ کو اس حالت میں دیکھا تو آپ کو بہت دکھ ہوا۔ آپ نے امیہ کو کہا:

''اے امیہ! اس غلام کو اذیت دے کر تیرا کون سا کام سنور جاتا ہے۔
اللہ تعالی سے ڈر، اور ظلم سے اپنا ہاتھ روک لے۔''

وہ ظالم بولا،

''یہ میرا غلام ہے، مجھے اس کو سزا دینے کا حق ہے۔''

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا:

''اس کا یہی قصور ہے کہ وہ یہ بات کہتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہےتو اس کو اذیت دیتا ہے، یہ کس قدر ظلم کی بات ہے۔''

امیہ بولا۔

''اے ابوقحافہ کے بیٹے! تم نے ہی اسے بتوں کی پوجا سے روکا ہے اور اسے نقصان والے راستے پر ڈالا ہے اور دین محمدی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے مذہب کو ترغیب دی ہے۔ اب اگر تیرے دل میں اس کے لئے رحم ہے تو پھر اس کو خرید لے اور اس کو اس عذاب سے چھڑا لے۔''

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس موقع کو غنیمت جانا اور فوراً اس سے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو آزاد کرنے کی قیمت پوچھی۔

امیہ بولا،

"میں بلال (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے بدلے میں ایک سفید نصرانی غلام اور دس اوقیہ سونا لوں گا۔"

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فوراً امیہ کو یہ قیمت دے کر حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو چھڑا لیا۔ اس پر امیہ ہنسنے لگا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا:

"تو کیوں ہنستا ہے۔؟"

"لات و عزیٰ کی قسم تو نے بہت گھاٹے کا سودا کیا ہے، اگر تو مجھ سے اسے ایک درہم میں بھی خریدتا تو بھی میں اسے بیچ ڈالتا۔"

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا۔

"اللہ کی قسم! میں نے آج زندگی کا سب سے اچھا سودا کیا ہے۔ اگر تو اس غلام کے بدلے میں مجھ سے میرا سارا مال بھی طلب کرتا تو میں تجھے دے دیتا اور بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو چھڑا لیتا۔"

اس کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی چادر مبارک کے ساتھ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جسم مبارک سے لگا ہو گرد و غبار خود صاف کیا اور آپ کو نہلا دھلا کر نیا لباس پہنا کر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں لے کر حاضر ہوئے اور فرمایا،

"یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میں نے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر آزاد کر دیا۔"

سب سے پہلے شہید:

یہ ظہور اسلام کے ابتدائی دنوں کی بات ہے۔حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ تعالی عنہ اور ان کے ماں باپ دولت اسلام سے سرفراز ہو چکے تھے۔ یہ دور مسلمانوں پر بڑا سخت دور تھا۔ان دنوں کفار مکہ اسلام قبول کرنے والوں پر بے پناہ ظلم کرتے تھے ۔حضرت عمار رضی اللہ تعالی عنہ اور ان کے ماں باپ پر بھی کفار ظلم وستم کے پہاڑ توڑ رہے تھے مگر یہ چھوٹا سا کنبہ ایک چٹان کی طرح دین اسلام پر جما ہوا تھا۔

ایک دن کفار نے حضرت عمار رضی اللہ تعالی عنہ کو مکہ مکرمہ کے میدان میں تپتی ریت پر لٹایا ہو تھا۔وہ آپ کے مختلف اعضا پر آگ جیسے پتھر رکھ رہے تھے۔ یہ پتھر اس قدر گرم تھے کہ اگر ان پر گوشت بھی رکھ دیا جاتا تو وہ کباب بن جاتا۔

کفار یہ چاہتے تھے کہ حضرت عمار رضی اللہ تعالی عنہ اور ان کے والدین دوبارہ کفر کی جانب واپس آجائیں۔وہ حضرت عمار رضی اللہ تعالی عنہ کو سزائیں دیتے اور یہی مطالبہ کرتے تھے،

"اے عمار (رضی اللہ تعالی عنہ)! کہو لاوت عزیٰ (نعوذ باللہ) محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے بہتر ہیں۔"

لیکن حضرت عمار رضی اللہ تعالی عنہ جواب میں فرماتے:

"مصیبت نعمت ہے، اور مصیبت پر رونا غلطی ہے۔"

ایک روز کفار حضرت عمار رضی اللہ تعالی عنہ اور ان کے ماں باپ کو اذیتیں دے رہے تھے کہ وہاں سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا گزر ہوا۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ دیکھ کر فرمایا:

"اے آل یاسر رضی اللہ تعالی عنہ! تھوڑا صبر کرو، اللہ تعالی نے تمہارے لئے جنت کا وعدہ کیا ہے۔"

ظالموں نے حضرت عمار رضی اللہ تعالی عنہ کی والدہ ماجدہ کو دو اونٹوں کے درمیان باندھ دیا اور ابوجہل جہنمی نے برچھا مار کر انہیں شہید کر دیا

۔

اس کے بعد مشرکین نے حضرت عمار رضی اللہ تعالی عنہ کی والد حضرت یاسر رضی اللہ تعالی عنہ کو بھی شہید کر دیا۔

اسلام میں سب سے پہلے شہادت کے بلند مرتبہ پر فائز ہونے والے حضرت عمار رضی اللہ تعالی عنہ کے والدین تھے۔

سیدھی راہ:

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالی عنہ نے قبول اسلام سے پہلے جب کہ وہ جنگ احزاب سے واپس آئے تھے۔ اپنے چند ساتھیوں سے مشورہ کرتے ہوا کہا:

"آج کل محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) دن بدن بلند مقام حاصل کرتے جارہے ہیں۔ ایسے میں میرا خیال ہے کہ ہم لوگ نجاشی کے ملک حبشہ چلتے ہیں اگر اس دوران میں محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہماری قوم پر غلبہ حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے تو ہم لوگ وہیں رہ جائیں گے اور اگر ہماری قوم کو فتح حاصل ہو گئی تو ہم واپس آجائیں گے۔"

ان کے ساتھوں نے بھی ان کی تجویز مان لی اور یہ چند افراد مل کر حبشہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ انہوں نے حبشہ کے بادشاہ نجاشی کے لئے کچھ تحائف بھی لے لئے اور جا کر نجاشی کو پیش کئے اور پھر وہیں رہنے لگے۔

انہی دنوں عمرو بن امیہ رضی اللہ تعالی عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قاصد کی حیثیت سے نجاشی کے پاس آئے۔ حضرت عمرو بن العاص کو اس بات کی خبر ملی تو یہ نجاشی کے دربار میں پہنچے اور کہا،

"عمرو بن امیر (رضی اللہ تعالی عنہ) کو میرے حوالے کر دیں تا کہ میں اس کو قتل کر کے قریش کے سامنے سرخرو ہو سکوں۔"

شاہ نجاشی جو کہ اسلام قبول کر چکا تھا، توبہ استغفار کرتے ہوئے بولا:

''اے عمرو بن العاص، میں اس مقدس ہستی کے قاصد کو تیرے حوالے کس طرح کر سکتا ہوں جس پر ناموس اکبر یعنی جبرائیلؑ اترتا ہے۔ وہ اللہ کے سچے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ میری بات غور سے سن، اے عمرو، تم بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی اختیار کرو اور یہ بھی جان لے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک دن اپنے تمام مخالفوں پر غالب آئے تھے۔''

نجاشی کی بات نے حضرت عمرو بن العاص کی کایا پلٹ دی اور آپ کی سمجھ میں یہ بات آ گئی۔ انہوں نے فوراً نجاشی کے ہاتھ پر اسلام قبول کر لیا۔

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے ساتھیوں پر اپنے قبول اسلام کو ظاہر نہ کیا اور خاموشی سے مدینہ منورہ کی راہ پر چل پڑے۔ راستے میں انہیں حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ ملے۔ انہوں نے پوچھا:

کہاں جا رہے ہو؟''

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا:

''اے عمرو! خدا کی قسم، سیدھی راہ ظاہر ہو چکی ہے۔ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے سچے رسول ہیں۔ میں ان کی خدمت اقدس میں جا رہا ہوں تا کہ اسلام قبول کر سکوں۔''

انہوں نے کہا:

''میں بھی اسی ارادے سے جا رہا ہوں۔''

چنانچہ یہ دونوں مدینہ منورہ پہنچے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ اقدس میں حاضر ہوئے۔ پہلے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسلام قبول کیا اس کے بعد ان کی باری آئی۔ انہوں نے عرض کیا:

''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، اپنا دست مبارک بڑھائیے تا کہ بیعت کروں۔''

جب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا دست مبارک بڑھایا تو انہوں نے اپنا ہاتھ واپس کھینچ لیا۔ اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''اے عمرو، کیا بات ہوئی؟''

انہوں نے عرض کیا:

''میری شرط ہے کہ اسلام قبول کرنے کے بعد میرے تمام پچھلے گناہ معاف ہو جائیں۔''

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''اے عمرو، تمہیں معلوم نہیں کہ ایمان تمام سابقہ گناہ معاف کر دیتا ہے اور کفر چھوڑ کر اسلام کی آغوش میں آنا اور حج کرنا ہر ایک عمل پچھلے کیے ہوئے تمام گناہوں کو ختم کر دیتا ہے۔''

اس پر حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالی عنہ نے اسلام کی سیدھی راہ اپنا لی۔

غ

غلام کی رہائی:

حضرت ابومسعود رضی اللہ تعالی عنہ ایک روز اپنے ایک غلام سے کس بات پر ناراض ہو گئے۔ غصے میں آ کر آپ نے غلام کو پیٹنا شروع کر دیا۔ وہ غلام مار کھا کر بلند آواز سے اللہ تعالی کو پکار پکار کر دہائی دینے لگا مگر ابومسعود رضی اللہ تعالی عنہ برابر اس کو مارتے جاتے تھے۔

غلام نے جب دیکھا کہ اللہ تعالی کی دہائی دینے پر بھی حضرت مسعود رضی اللہ تعالی عنہا سے مارتے جاو ہے ہیں تو اس نے بلند آواز سے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وہائی دینا شروع کر دی۔

غلام کے منہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام مبارک سنتے ہی حضرت ابو مسعود رضی اللہ تعالی عنہ نے فوراً اپنا ہاتھ روک لیا اور غلام کو مارنا بند کر دیا۔ اتفاق سے اسی وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی تشریف لے آئے اور حضرت ابو مسعود رضی اللہ تعالی عنہ سے فرمایا،

> ''اے ابومسعود (رضی اللہ تعالی عنہ)! اللہ تعالی کی قسم! رب تعالی اس سے زیادہ تجھ پر قدرت رکھتا ہے جتنی کہ اس غلام پر قدرت رکھتا ہے۔''

حضرت ابومسعود رضی اللہ تعالی عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فرمان سنتے ہی فوراً اس غلام کو آزاد کر دیا۔

ف

فرمان رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور شیر:

حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ ایک مرتبہ سفر پر کہیں جا رہے تھے کہ اچانک انہیں ایک جگہ بہت سے لوگوں کا مجمع نظر آیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ ان لوگوں کے قریب پہنچے اور پوچھا،

''یہاں اتنے لوگ کیوں جمع ہیں؟''

لوگوں نے حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ کو بتایا کہ ایک شیر راستے میں کھڑا ہے اور لوگ اس کے خوف کی وجہ سے آگے نہیں جا رہے۔

یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ اپنی سواری سے نیچے تشریف لے آئے اور بے خوف ہو کر اس شیر کے پاس چلے گئے۔ شیر کے قریب پہنچ کر اسے کان سے پکڑ کر کھینچا اور پھر اس کی گدی پر ہاتھ مارا اور اسے راستے سے ہٹا دیا۔ اس کے بعد شیر اور وہاں پر موجود لوگوں سے مخاطب ہو کر فرمایا:

''اے لوگو سنو! حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شیر کے بارے میں بالکل ٹھیک فرمایا تھا۔ میں نے خود حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ شیر انسان پر اس وقت مسلط کیا جاتا ہے جب انسان اس سے ڈرتا ہے۔ اگر انسان صرف اللہ تعالی سے ڈرے تو اس کے اوپر غیر اللہ کبھی مسلط نہیں کیا جاتا ہے اور انسان اس کی سپردگی میں دیا جاتا ہے جس سے انسان اپنی امید وابستہ کرتا ہے اور اگر انسان صرف اللہ تعالی سے اپنی امیدیں وابستہ ورے تو پھر اللہ تعالی اس کو اپنے سوا غیر کی سپردگی میں نہیں دیتا۔ اس لئے ہمیں صرف اللہ تعالی سے ہی ڈرنا چاہئے۔''

ق

قوی امانت دار:

نجران کے وفد کو ہمارے پیارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب مباہلہ کی دعوت دی تو وہ لوگ اس دعوت سے بہت خوفزدہ ہوئے کیونکہ وہ لوگ جانتے تھے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سچے ہیں۔ ان لوگوں نے آپس میں صلاح مشورہ کیا اور پھر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی:

"اے ابوالقاسم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہم نے غور و فکر کے بعد یہ فیصلہ کیا ہے کہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے مباہلہ نہ کریں اور اپنے گھروں کو واپس لوٹ جائیں اور اپنے دین پر رہیں۔ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے گزارش ہے کہ آپ اپنے صحابہ کرام (رضوان اللہ تعالی علیہم اجمعین) میں سے کسی ایسے شخص کو ہمارے ساتھ بھیج دیں جو ہمارے مالی اختلافی امور میں ہمارے درمیان صحیح فیصلہ کیا کرے۔"

"تم لوگ شام کو آنا، میں تمہارے ساتھ ایک قوی امانت دار کو بھیج دوں گا۔"

حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں کہ اس روز جتنی خواہش مجھے امیر بننے کی تھی پھر دوبارہ کبھی نہ ہوئی۔ صرف اس امید پر کہ مجھ میں وہ اوصاف موجود تھے، یعنی قوی اور امین۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں کہ اس روز میں ظہر کے وقت دھوپ میں ہی پہنچ گیا۔

جب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں ظہر کی نماز پڑھائی اور سلام پھیر کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی سیدھی جانب، اور پھر بائیں جانب ملاحظہ

فرمایا تو میں او نچا ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے ہو رہا تھا تا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے دیکھ لیں۔ مگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نگاہ مبارک حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ تعالی عنہ پر پڑی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں بلا کر فرمایا:

''ان لوگوں کے ساتھ جاؤ اور ان کے اختلافی معاملوں میں ان کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کیا کرو۔''

چنانچہ حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ تعالی عنہ اس جماعت کے ساتھ چلے گئے۔

آپ رضی اللہ تعالی عنہ کا نام عامر رضی اللہ تعالی عنہ تھا اور آپ عشرہ مبشرہ میں شامل ہیں۔

قرض کا بدلہ:

حضرت عبداللہ بن ابی ربیعہ رضی اللہ تعالی عنہ روایت فرماتے ہیں:

''مجھ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قرض لیا تھا۔ جب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس مال آیا تو ادا فرما دیا اور دعا دی:

''اللہ تیرے اہل وعیال میں برکت دے۔''

اور فرمایا:

''قرض کا بدلہ شکریہ ہے اور ادا دینا۔''

ک

کہانت کا معاوضہ:

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ نے اپنے ایک غلام کی مزدوری میں اپنا کچھ حصہ مقرر کر رکھا تھا۔ جسے آپ اپنے استعمال میں لاتے تھے۔

ایک روز وہ غلام کوئی کھانے پینے کی چیز لے کر آیا۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ نے اس کھانے میں سے اپنا حصہ نکال کر اسے تناول فرمالیا۔ یہ دیکھ کر غلام نے عرض کیا:

''آقا، کیا آپ کو معلوم ہے کہ میں نے یہ کھانے کی چیز کس طرح حاصل کی ہے۔''

آپ نے دریافت فرمایا:

''کس طرح حاصل کی ہے؟''

''جاہلیت کے دنوں میں میرا پیشہ کہانت تھا۔ آپ کو تو علم ہو گا ہی کہ کہانت جھوٹی سچی پیشن گوئیاں ہوتی ہیں۔ ایک مرتبہ میں نے ایک شخص کو فال بتائی تھی۔ اس وقت اس شخص کے پاس کچھ نہیں تھا۔ اس نے تب مجھے کچھ نہ دیا۔ آج اتفاق سے وہ شخص مجھے بازار میں مل گیا۔ اس نے مجھے پہچان لیا اور اس نے میری اس وقت کی کہانت کے معاوضے کے طور پر مجھ کو یہ کھانے کی چیزیں دی تھیں جو آپ نے ابھی ابھی تناول فرمائی ہیں۔''

یہ سن کر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ نے اپنے حلق میں انگلیاں ڈالیں اور قے کر کے کھائی ہوئی چیز باہر نکال دی۔

کسوٹی:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ روایت فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں عرض کیا:

''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! مجھے یہ کیسے معلوم ہو کہ میں نے اچھا کیا یا برا کیا۔''

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''جب تم اپنے ہمسائیوں کو یہ کہتے سنو کہ تم نے اچھا کیا ہے تو بے شک تم نے اچھا کیا اور جب یہ کہتے سنو کہ تم نے برا کیا تو بے شک تم نے برا کیا ہے۔''
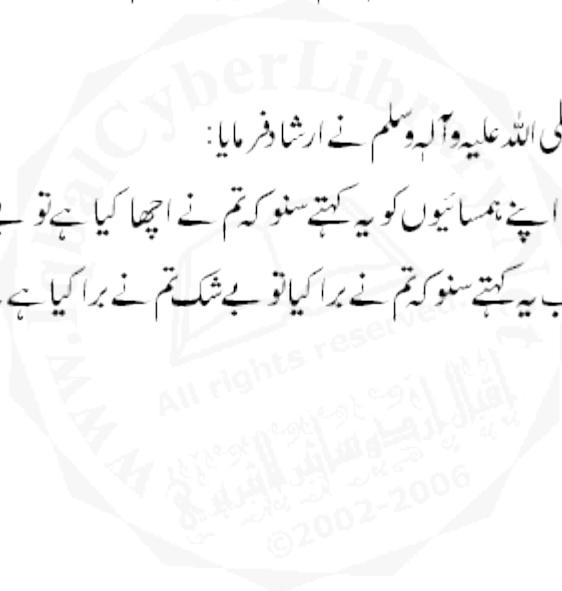
محدث اسلام:

قبول اسلام کے بعد ایک روز حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کیا:

''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، کیا ہم حق پر نہیں ہیں؟''

اس پر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''قسم اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، ہم حق پر ہیں۔''

حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے عرض کیا:

''پھر یہ چھپ کر اسلام کی تبلیغ کیوں؟ قسم ہے اس ذات پاک کی، جس نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مبعوث فرمایا ہے ہم ضرور کھل کر سامنے آئیں گے۔''

چنانچہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحابہ کرام رضوان اللہ تعالی علیہم اجمعین کی دو صفوں میں باہر تشریف لائے۔ ایک صف میں حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ اور دوسری صف میں حضرت حمزہ رضی اللہ تعالی عنہ تھے۔ ان دونوں بہادروں کا جہاں پاؤں پڑتا تھا وہاں زمین ایسی ایسی ہو جاتی تھی گویا پسا ہوا آٹا ہو۔

مسلمان خانہ کعبہ میں داخل ہو گئے اور قریش ان کا منہ ہی دیکھتے رہ گئے۔ مگر ان میں سے کسی کو اتنی جرات نہ ہوئی کہ وہ ان صفوں کے قریب آنے کی جرات کرتا جن میں حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ اور حضرت حمزہ رضی اللہ تعالی عنہ تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ اسلام لے آنے کے بعد بے چین تھے کہ سب کو اپنے اسلام لانے کی خبر پہنچا دیں تاکہ جو لڑنا چاہے لڑے۔ آپ بے انتہا طاقتور تھے۔ جوان تھے اور جرات رکھتے تھے۔ کسی کافر میں اتنی جرات نہیں تھی کہ ان پر غلبہ

حاصل کر سکے۔ انہیں کوئی کافر ڈرا نہیں سکتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ آپ نے دوسرے مسلمانوں کی طرح چھپ کر کوئی کام نہ کیا بلکہ مسلمانوں کے ساتھ کعبہ میں نماز پڑھنے کی قسم کھائی اور اس وقت یہ قسم کھائی جب مسلمان مکہ کے آس پاس کی پہاڑیوں میں چھپ کر نمازیں پڑھتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ فرمایا کرتے تھے:

''حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ کا اسلام لانا ہماری فتح، ان کی ہجرت، ہماری کامیابی اور ان کی امارت، اللہ کی رحمت تھی۔ جب تک حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ اسلام نہیں لائے تھے ہم کعبہ میں نماز نہیں پڑھ سکتے تھے لیکن جب وہ مسلمان ہوئے تو قریش مجبور ہو گئے کہ مسلمانوں کو کعبہ میں نماز پڑھنے سے نہ روکیں۔''

حضرت صہیب بن سنان رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں:

''جب حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ مسلمان ہوئے تو اسلام کھل کر سامنے آ گیا اور اس کی اعلانیہ دعوت دی جانے لگی اور ہم کعبہ کے گرد حلقہ بنا کر بیٹھتے اور بیت اللہ کا طواف کرتے تھے۔ زیادتی کرنے والے سے بدلہ لیتے اور سختی سے پیش آنے والے کو منہ توڑ جواب دیتے تھے۔''

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ سے بے حد محبت کرتے تھے۔ طبرانی نے کتاب اوسط میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالی عنہ کے حوالہ سے بیان کیا ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

''جس شخص نے عمر رضی اللہ تعالی عنہ سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی۔ اللہ تعالی نے اہل عرفہ پر عموماً اور حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ پر

خصوصاً فخر و مباہات کی بات کی ہے۔ جتنے انبیاؑ مبعوث ہوئے ہیں ہر ایک کی امت میں ایک محدث ضرور رہوا ہے اور اگر میری امت کا کوئی محدث ہے تو وہ عمر رضی اللہ تعالی عنہ ہیں۔''

صحابہ کرام رضوان اللہ تعالی علیہم اجمعین نے یہ سن کر عرض کیا:

''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم محدث کون ہوتا ہے؟'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا،

''جس کی زبان سے ملائکہ گفتگو کریں۔''

محافظ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم:

غزوہ احد کے موقع پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''طلحہ (رضی اللہ تعالی عنہ) ان لوگوں میں سے ہیں جنہوں نے اپنا حق پورا پورا ادا کر دیا۔''

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بات یونہی نہیں فرمائی تھی۔ کہا جاتا ہے کہ اس روز حضرت طلحہ رضی اللہ تعالی عنہ نے اپنے کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ڈھال بنا رکھا تھا اور ابن قمیہ لعین کی تلواروں کے واروں کو اپنا ہاتھ پر روکتے رہے۔ تلوار کے زخموں سے ان کا ہاتھ شل ہو گیا تھا۔ جب ایک کافر نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر تیر پھینکا تو وہ حضرت طلحہ رضی اللہ تعالی عنہ کی چھنگلی پر لگا تو وہ ضائع ہو گئی۔

غزوہ احد میں حضرت طلحہ رضی اللہ تعالی عنہ نے اسی (80) کھائے مگر اس کے باوجود نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حفاظت کرتے رہے۔ آپ رضی اللہ تعالی عنہ کی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کا یہ عالم تھا کہ ایک کافر نے آپ رضی اللہ تعالی عنہ پر تلوار کے دو وار کیے جو آپ رضی اللہ تعالی عنہ کے سر مبارک پر لگے تو آپ رضی اللہ تعالی عنہ بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ

تعالی عنہ نے جلدی سے آگے بڑھ کر ان کے چہرے مبارک پر پانی کے چھینٹے مارے اور ان کو ہوش میں لائے۔ جب حضرت طلحہ رضی اللہ تعالی عنہ ہوش میں آئے تو فوراً دریافت کیا۔

''نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کیا حال ہے؟''

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا:

''وہ خیرت سے ہیں۔''

آپ نے کہا،

''الحمدللہ، اب وہ ہر مصیبت جو اس کے بعد ہو آسان ہے۔''

حضرت طلحہ رضی اللہ تعالی عنہ کا شمار عشرہ مبشرہ میں ہوتا ہے۔ آپ رضی اللہ تعالی عنہ تمام غزوات میں شریک ہوئے ماسوائے غزوہ بدر کے، کیونکہ اس دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو حضرت سعید بن زید رضی اللہ تعالی عنہ کے ساتھ قافلہ قریش کی تلاش میں بھیجا ہوا تھا

۔

میز بان رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم):

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ مکرمہ سے ہجرت فرما کر مدینہ منورہ میں تشریف لائے تو مدینہ منورہ میں ایک جشن کا سا سماں تھا۔ اہل مدینہ نے اپنے گھروں کو سجایا ہوا تھا۔ ہر شخص کی یہ تمنا تھی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے ہاں قیام فرمائیں، اور اس کے گھر کو یہ سعادت حاصل ہو کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وہاں پر قیام ہوا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی کا بھی دل نہیں توڑنا چاہتے تھے۔ اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ معاملہ اللہ تعالی پر چھوڑ دیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی اونٹنی پر سوار تھے۔ اونٹنی کی باگ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کھلی چھوڑ

رکھی تھی اور اونٹنی اپنی مرضی سے چلی جا رہی تھی۔ لوگوں کا ایک ہجوم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ساتھ چل رہا تھا۔ وہ بار بار نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سواری کی باگ پکڑنے کی کوشش کرتے تھے۔ اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

> ''اونٹنی سے ہاتھ اٹھا لو، کیونکہ جہاں اسے اللہ کا حکم ہو گا، یہ وہیں ٹھہرے گی۔''

اونٹنی اللہ کے حکم پر اس میدان میں پہنچی جو کہ مسجد نبوی کے بالمقابل تھا۔ یہ وہاں بیٹھ گئی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے اٹھالیا اور باگ ڈھیلی چھوڑ دی۔ اونٹنی تھوڑا سا آگے جا کر پھر وہیں آ کر بیٹھ گئی۔ اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نیچے تشریف لائے اور فرمایا:

> ''انشا اللہ تعالی ہماری یہی منزل ہے۔''

اس جگہ سے حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالی کا مکان سب سے زیادہ نزدیک تھا۔ اس لئے حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالی عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سامان مبارک لے کر اپنے گھر چلے گئے۔ اس طرح حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالی عنہ کو رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا میزبان بننے کا شرف حاصل ہوا۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تقریباً سات ماہ تک ان کے مکان میں قیام فرمایا۔ اس میدان پر بعد میں مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رہنے کے لئے گھر تعمیر ہوا تھا۔

موخذہ:

صبح کا وقت تھا اور امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالی عنہ ایک اونٹ پر سوار ہو کر وادی کی طرف چلے جا رہے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ نے انہیں

دیکھ کر آواز دے کر بلایا اور دریافت فرمایا:

اے امیر المومنین! آپ صبح صبح کہاں تشریف لئے جا رہے ہیں۔"

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا،

"اے علی! صدقہ کے اونٹوں میں سے ایک اونٹ کہیں گم گیا ہے۔ اس کی تلاش کر رہا ہوں۔"

حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا:

"اے امیر المومنین! آپ نے اپنے بعد آنے والے خلفاء کو بڑی مشکل میں ڈال دیا ہے۔"

حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا،

"اے ابوالحسن (رضی اللہ تعالی عنہ)! مجھے ملامت نہ کرو۔ اب تعالی کی قسم! جس نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو رسول برحق بنا کر مبعوث فرمایا۔

اگر دریائے فرات کے کنارے ایک سالہ بھیڑ کا بچہ بھی مر جائے تو قیامت کے دن اس کے متعلق بھی مواخذہ ہوگا۔ کیونکہ اس امیر کی کوئی عزت نہیں جس نے مسلمانوں کو ہلاک کر دیا اور نہ ہی اس بد بخت کا کوئی مقام ہے جس نے مسلمانوں کو خوفزدہ کیا۔"

مرئے مبارک کی برکت:

جنگ یرموک میں حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالی عنہ کی ٹوپی کہیں گم ہوگئی۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالی عنہ بہت پریشان ہوئے۔ آپ نے اپنے ساتھیوں کو حکم دیا۔

"اس ٹوپی کو تلاش کیا جائے۔"

لوگ بہت دیر تک اس ٹوپی کو ڈھونڈتے رہے مگر ٹوپی نہ ملی۔ حضرت خالد بن

ولید رضی اللہ تعالی عنہ کی پریشانی بڑھتی چلی جارہی تھی۔آپ نے حکم دیا:

''اس ٹوپی کو ہر قیمت پر تلاش کیا جائے۔''

سب لوگ پوری تندہی سے ٹوپی تلاش میں جت گئے۔ بہت دیر ڈھونڈنے کے بعد آخر کار ٹوپی مل گئی۔لوگ ٹوپی کو دیکھ کر بڑے حیرت زدہ ہوئے۔کیونکہ ٹوپی بڑی پرانی اور بوسیدہ تھی۔وہ بڑی حیرت سے ٹوپی لے کر حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالی عنہ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کی:

''یا حضرت، اتنی پرانی اور خستہ حال ٹوپی کے لئے اس قدر پریشان ہونے کی کیا ضرورت تھی۔اس میں ایسی کون سی خاص بات تھی جو آپ نے اس کے لئے اتنی تگ و دو فرمائی۔''

حضرت خالد بن ولیں رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا،

''ایک مرتبہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عمرہ ادا فرمایا تھا اور اپنے سر مبارک کے موئے مبارک اتروائے تھے۔لوگوں نے موئے مبارک لینے میں جلدی کی اور میں نے پیشانی مبارک کے موئے شریف لینے میں سبقت کی۔اس کے بعد حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان موئے مبارک کو اس ٹوپی میں محفوظ فرما کر مجھے عنایت فرما دیا۔اس کے بعد میں جس جنگ میں بھی شریک ہوا یہ ٹوپی میرے ساتھ رہی اور اللہ تعالی نے اس کی برکت سے ہر مرتبہ مجھے فتح و نصرت عطا فرمائی۔''

مسلمان پر صدقہ:

حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ تعالی عنہ بیان فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''ہر مسلمان پر صدقہ ہے۔''

صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے عرض کیا،

''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! جو شخص مال نہ پائے؟''

(آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:)

''وہ اپنے سے کام کرے۔ خود بھی نفع حاصل کرے اور صدقہ بھی کرے۔''

صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے عرض کیا:

''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! اگر یہ بھی نہ کر سکے؟''

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''کسی مصیبت زدہ ضرورت مند کی مدد کرے۔''

صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے عرض کیا،

''اگر یہ بھی نہ ہو سکے؟''

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''تو پھر اچھی باتوں پر عمل کرے اور بری باتوں سے رکے۔ اس کے لئے یہی صدقہ ہے۔''

محبت کی نظر:

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''جب اولاد اپنے ماں باپ کی طرف محبت سے دیکھتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے ہر نظر کے بدلے حج کا ثواب لکھتا ہے۔''

پوچھا گیا:

''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! اگر چہ دن میں سو مرتبہ دیکھے۔''

(ارشاد فرمایا گیا:)

''ہاں، اللہ بڑا قدرت والا ہے۔ اس سے پاک ہے کہ اس کے دینے

سے عاجز کیا جائے۔"

ن

نیکی میں سبقت:

مدینہ طیبہ میں ایک بوڑھی عورت رہتی تھی۔ یہ بے چاری نابینا تھی۔ اس کا کوئی بھی رشتہ دار یا عزیز نہیں تھا جو اس کے گھر کا کام کاج کرتا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالی عنہ کو اس بڑھیا کے حال کا پتہ چلا تو آپ نے ہر روز رات کے وقت اس بوڑھی عورت کے گھر جانا شروع کر دیا۔ آپ وہاں جا کر اس بڑھیا کا سارا کام کاج کرتے، اسکے لئے کھانے کا بندوبست کرتے، صفائی ستھرائی کرتے اور پھر کنویں سے پانی بھی لے کر آتے تھے۔

ایک روز حسب معمول حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ رات کو جب بڑھیا کے گھر پہنچے تو یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ بڑھیا کے گھر کا سارا کام ان سے پہلے ہی کوئی کر کے جا چکا تھا۔ آپ خاموشی سے واپس آ گئے۔ دوسرے دن آپ پھر تشریف لے گئے تو پھر ان سے پہلے ہی کوئی سارا کام کر کے جا چکا تھا۔ (حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ بڑے حیران تھے کہ وہ کون شخص ہے جو یہ کام ان سے پہلے ہی کر کے چلا جاتا ہے۔ چند دن اسی طرح گزر گئے۔ آخر) حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ کی تجسس پیدا ہوا کہ اس شخص کا کھوج لگانا چاہئے جو اس نیکی کے کام میں ہر روز ان پر سبقت لے جاتا تھا۔

اگلے روز حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ وقت سے کافی پہلے بڑھیا کے گھر کے قریب جا کر چھپ گئے اور اس شخص کا انتظار کرنے لگے جو ان سے پہلے ہی یہ کام کر کے چلا جاتا تھا۔ ابھی تھوڑی دیر ہی گزری تھی کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے ایک شخص کو آتے دیکھا۔ وہ شخص آیا اور آ کر خاموشی سے بڑھیا کے کام کرنے لگا۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ یہ دیکھ کر حیرت زدہ رہ گئے کہ وہ شخص کوئی عام شخص نہیں تھا بلکہ اس وقت کے خلیفہ ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ تھے۔

نگہبان:

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالی عنہ جب خلیفہ بنے تو آپ کا یہ معمول تھا کہ آپ راتوں کو مدینہ منورہ شہر میں گشت کیا کرتے تھے تا کہ یہ دیکھیں کہ رعایا کو کوئی تکلیف تو نہیں۔ ساری رات رات لوگ تو آرام اور چین کی نیند سوتے مگر حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ اپنی نیند رعایا کے سکھ پر قربان کر دیتے تھے۔

ایک رات حسب معمول حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ گشت پر تھے کہ آپ نے ایک قافلے کو دیکھا جس نے شہر سے باہر پڑاؤ ڈالا تھا۔ آپ نے سوچا کہ قافلے والے سفر سے تھکے ہارے ہوں گے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ لوگ مارے تھکاوٹ کے سو جائیں اور کوئی چور ان کے سامان کا صفایا کر جائے۔ یہ سوچ کر آپ اس قافلے کی طرف روانہ ہو گئے۔

اچانک ایک طرف سے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالی عنہ تشریف لے آئے۔ وہ حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ کو دیکھ کر ان کے پاس آ کر بولے:

''یا امیر المومنین! آپ اس وقت کہاں جا رہے ہیں۔''

''حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا:

''عبدالرحمٰن، ایک قافلے نے یہاں پڑاؤ کیا ہے۔ مجھے ڈر ہے کہ کوئی چور ان کو نقصان نہ پہنچا دے۔ اس لئے آؤ ہم دونوں جا کر اس قافلے والوں کے سامان کی رکھوالی کریں۔''

چنانچہ یہ دونوں عظیم صحابی وہاں جا کر بیٹھ گئے اور ساری رات قافلے کی نگہبانی کرتے رہے۔ جب صبح فجر کی اذان ہوئی تو حضرت رضی اللہ تعالی عنہ نے بلند آواز سے فرمایا:

''اے قافلے والو! اٹھو نماز کا وقت ہو گیا ہے۔''

جب وہ لوگ نیند سے جاگ گئے تو حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ اور حضرت

عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالی عنہ واپس تشریف لے گئے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بھائی:

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالی عنہ اپنے اسلام لانے کا واقعہ بیان فرماتے ہوئے کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت سے پہلے یمن میں تجارت کی غرض سے گیا ہوا تھا اور عکان بن عوام حمیری جو کہ ایک انتہائی بوڑھا شخص تھا، اس کے پاس ٹھہرا۔ میں جب بھی یمن جاتا تو اسی کے پاس ٹھہرتا۔ ہر مرتبہ وہ مجھ سے پوچھتا کہ تم میں کوئی شخص پیدا ہوا ہے جو بزرگی اور شہرت رکھتا ہو اور تمہارے دین کا مخالف ہو۔ میں جواب دیتا:

''نہیں ایسا کوئی شخص ہمارے ہاں پیدا نہیں ہوا۔''

آپ فرماتے ہیں کہ اس مرتبہ جب میں گیا تو وہ پہلے سے زیادہ بوڑھا اور کمزور ہو چکا تھا۔ اس کے تمام بیٹے اس کے پاس جمع تھے۔ مجھے دیکھ کر اس نے کہا:

''اپنا نسب بیان کر۔''

میں نے کہا:

''میں عبدالرحمٰن بن عوف بن الحارث بن زمرہ ہوں۔''

اس نے کہا۔

''بس اسی قدر کافی ہے۔ میں تجھے ایسی بات کی خوشخبری سناتا ہوں جو تیرے لئے یمن کی تجارت سے بہتر ہے۔ اللہ تعالی نے گزشتہ ماہ تیری قوم میں ایک پیغمبر مبعوث فرمایا، اسے تمام مخلوقات سے منتخب فرمایا ہے۔ اس پر کتاب نازل کی ہے۔ وہ بتوں کی عبادت سے روکتا ہے اور اسلام کی دعوت دیتا ہے باطل دین سے روکتا ہے۔''

''میں نے پوچھا:۔

''وہ کون سے قبیلے سے ہے؟''

اس نے کہا:

''بنی ہاشم سے ہے اور تم اس کے بھائی ہو۔ اے عبدالرحمٰن، جلدی کر اور جلدی واپس جا، اس کی پیروی کر اور اسے سچا جان اور اس کی مدد کر۔''

پھر اس نے چند اشعار پڑھے اور کہا:

''یہ شعر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں عرض کرنا ۔''

آپ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد میں جتنی جلدی ہو سکا اپنے کام کو مکمل کیا اور واپس آ گیا۔ جب مکہ مکرمہ پہنچا تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ سے ملا اور حمیری کا واقعہ ان سے بیان کر کے آپ سے اس کی باتوں کی تصدیق چاہی ۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا:

''ہاں، یہ بات درست ہے۔ اللہ تعالی نے حضرت محمد بن عبداللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مخلوق کی طرف رسول بنا کر بھیجا ہے۔ لہذا تم بھی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر اسلام قبول کرو۔''

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس وقت حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالی عنہا کے گھر تشریف فرما تھے۔ میں نے حاضر ہونے کی اجازت چاہی ۔ جب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نگاہ مبارک مجھ پر پڑی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسکرانے لگے اور پھر فرمایا:

''میں ایسا چہرا دیکھتا ہوں جس سے مجھے بھلائی اور خیر کی امید ہے۔''

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے اسلام دعوت دی ۔ میں نے

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دلیل طلب کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا

۔

"تم ایک امانت لے کر آئے ہو جس کو دے کر تمہیں میری طرف بھیجا گیا ہے تو وہ امانت جو اٹھا کر لائے ہو یا پیغام جو تم لائے ہو اسے مجھ تک پہنچاؤ اور بیان کرو۔"

"وہ خواص مومنین میں سے ہے۔"

چنانچہ میں نے اسلام قبول کرلیا اور حمیری کیا اشعار حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں پڑھے جو خوشخبری مجھے حمیری نے سنائی تھی وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بیان کی۔ اس پر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"کتنے ہی خوش قسمت لوگ ہیں جو مجھے دیکھے بغیر مجھ پر ایمان لائے اور بغیر حاضر ہوئے میری تصدیق کی، یہ لوگ میرے بھائی ہیں۔"

و

وصیت:

جب حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالی عنہ کے وصال کا وقت قریب آیا تو آپ نے فرمایا:

''میرے ملنے جلنے والوں کو میرے غلاموں اور خدمتگاروں کی، میرے ہمسائیوں کو اور رشتہ داروں کو میرے پاس بلاؤ۔''

جب سب لوگ آگئے تو حضرت عبادہ رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا:

'میرا آخری وقت قریب ہے۔ ہو سکتا ہے کہ میں نے تم میں سے کسی کے ساتھ ہاتھ یا زبان سے زیادتی کی ہو، اور وہ اللہ تعالی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے، قیامت کے روز بدلہ لینے والا ہے۔ اس لئے میں یہ چاہتا ہوں کہ تم میں سے ایک ایک کر کے ہر شخص میرے پاس آئے اور جو اس کے دل میں ہو مجھ سے بدلہ لے لے، اس سے پہلے کہ میری جان نکال لی جائے۔''

لوگوں نے عرض کیا:

''اے عبادہ بن صامت (رضی اللہ تعالی عنہ)، آپ تو ہمارے لئے والد کا درجہ رکھتے ہیں، ہم کو ادب سکھانے والے تھے اور کبھی اپنے خادم کو بھی برا کلمہ نہ کہتے تھے۔''

یہ سن کر حضرت عبادہ رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا،

''کیا تم لوگوں نے جو کچھ ہوا ہے سب کچھ معاف کر دیا ہے۔''

لوگوں نے جواب دیا:

''ہاں۔''

آپ رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا۔

''یا اللہ، تو گواہ رہ۔''

اس کے بعد فرمایا،

''اچھا اگر کوئی بدلہ نہیں لیتا اور مجھے معاف کردی تو میری وصیت کی حفاظت کرنا، میں تم میں سے ہرانسان پر اس بات کی قابندی لگاتا ہو ں کہ وہ میرے اوپر روے، جب میری جان نکل جائے تو تم سب وضو کرنا اور اچھا وضو کرنا، پھر تم میں سے ہرانسان مسجد میں جائے اور نماز پڑھے اور پھر عبادہ بن صامت اور اس کی جان کے لئے اللہ تعالی سے مغفرت طلب رے۔''

والد کا فرض:

حضرت ابورزین رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی:

''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میرا بوڑھا والد اس قدر کمزور ہے کہ حج وعمرہ کی طاقت نہیں رکھتا نہ سواری پر سفر کرنے کی اس میں طاقت ہے۔''

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرمایا:

''تو اپنے والد کی طرف سے حج وعمرہ کرلے۔''

ہمسائے کا حق:

حضرت عبداللہ بن رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"تمہیں معلوم ہے کہ ہمسائے کا حق کیا ہے؟ یہ کہ

وہ جب تم سے مدد مانگے، مدد کرو اور

جب قرض مانگے تو قرض دو اور

جب محتاج ہو تو اسے دو اور

جب بیمار ہو تو عیادت کرو اور

جب اسے بھلائی پہنچے تو مبارک باد دو اور

جب مصیبت پہنچے تو تعزیت کرو اور مر جائے تو جنازہ کے ساتھ جاؤ اور

بغیر لونڈی سے اس کو ایذا نہ دو اور

پھل خریدو تو اس کے پاس بھی ہدیہ کرو اور اگر ہدیہ نہ کرنا ہو تو چھپا کر گھر میں لاؤ اور

تمہارے بچے اسے لے کر باہر نہ نکلیں کہ ہمسائے کے بچوں کو رنج ہوگا

۔

تمہیں معلوم ہے کہ ہمسائے کا حق کیا ہے؟ مجھے قسم ہے جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے پورے طور پر ہمسائے کا حق ادا کرنے والے تھوڑے ہیں۔ وہی ہیں جن پر اللہ تعالی کی مہربانی ہے۔"

ے

یارغار:

جب ہجرت کے سفر میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ غار ثور کی طرف جا رہے تھے تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ کبھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آگے چلتے اور کبھی پیچھے چلنے لگتے یہ دیکھ کر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا:

''اے ابوبکر (رضی اللہ تعالی عنہ)! ایسا کرتے ہو؟''

حضرت ابوبکر صدیق اللہ تعالی عنہ نے جواب دیا:

''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! جب مجھے تلاش کرنے والوں کا خیال آتا ہے تو میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے ہو جاتا ہوں اور جب گھات میں بیٹھے ہوئے دشمنوں کا خیال آتا ہے تو آگے آگے چلنے لگتا ہوں اور مبادا کرئی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گزند نہ پہنچے۔'' حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! اب ذوالجلال کی قسم، میری یہی آرزو ہے۔''

جب غار کے نزدیک پہنچے تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ نے عرض کی:

''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! رب ذوالجلال کی قسم، میری یہی آرزو ہے۔''

جب غار کے نزدیک پہنچے تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ نے عرض کی:

''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ٹھہریے،

میں غار کو صاف کرلوں۔''

یہ کہہ کر غار میں داخل ہو گئے اور ہاتھوں سے ٹٹول کر غار کو اچھی طرح صاف کیا۔

اس کے بعد جہاں جہاں کہیں کوئی سوراخ نظر آیا وہاں کپڑا پھاڑ کر اس کو بند کر دیتے یہاں تک کہ سارا کپڑا ختم ہو گیا اور ایک سوراخ باقی رہ گیا۔وہاں آپ نے اپنے پاؤں کا انگوٹھا رکھ دیا تا کہ کوئی چیز حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تکلیف نہ پہنچائے۔

اس کے بعد حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غار میں داخل ہوئے اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ کی گود میں سر مبارک رکھ کر سو گئے۔جس سوراخ پر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ کی گود میں سر مبارک رکھ کر سو گئے۔جس پر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ نے اپنا پاؤں رکھا ہوا تھا اس سوراخ سے ایک سانپ نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ کو ڈس لیا مگر آپ نے شدید تکلیف کے باوجود اپنے پاؤں کو جنبش نہ دی کہ کہیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آنکھ نہ کھل جائے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نیند میں خلل نہ پڑے۔مگر سانپ کے کاٹے کی تکلیف سے آپ کے آنسو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرا اقدس پر پڑے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آنکھ مبارک کھل گئی۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر فرمایا:

''ابو بکر، کیا بات ہے؟''

آپ نے عرض کیا،

''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم!سانپ نے ڈس لیا ہے۔''

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا لعاب دہن مبارک اس جگہ لگا دیا جہاں سانپ نے کاٹا تھا تو زہر کا اثر فوراً جاتا رہا۔

یتیم سے حسن سلوک:

حضرت ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''جو شخص یتیم کے سر پر محض اللہ کی خوشنودی کے لئے ہاتھ پھیرے تو جتنے بالوں پر اس کا ہاتھ گزرے گا ہر بال کے بدلے میں اس کے لئے نیکیاں ہیں اور جو شخص یتیم لڑکے پر احسان کرے میں اور وہ جنت میں (دو انگلیوں کو آپس میں ملا کر فرمایا) اس طرح ہوں گے۔''

یتیم کی کفالت:

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''جو شخص یتیم کی کفالت کرے وہ یتیم اس گھر کا ہو یا غیر، میں (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور وہ جنت میں اس طرح ہوں گے۔''

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انگشت شہادت اور درمیانی انگلی سے اشارہ کیا اور دونوں انگلیوں کے درمیان تھوڑا فاصلہ کیا۔

۱

آتش پرستوں کی توبہ:

حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ ایک مرتبہ حضرت عثمان ماروَنی رحمتہ اللہ علیہ سفر کرتے وئے ایک ایسی بستی میں پہنچے جو کہ آتش پرستوں کی بستی تھی۔ وہاں پر ایک آتش کدہ بنا تھا جس میں ہر روز لاکھوں کی تعداد میں لکڑیاں ڈالی جاتی تھی اور کسی بھی وقت اس کی آگ نہ بجھتی تھی۔ یہ دیکھ کر حضرت عثمان رحمتہ اللہ علیہ نے ان لوگوں سے پوچھا۔

"اے لوگو، تمہیں اس آگ کی پرستش سے کیا حاصل ہوتا ہے۔ تم لوگ اس خدائے واحد کی پرستش کیوں نہیں کرتے جس نے اس آگ کو بھی پیدا فرمایا ہے۔"

ان لوگوں نے جواب دیا:

"ہمارے مذہب میں آگ کو عظیم تر بتایا گیا ہے اس لئے ہم آگ کی پوجا کرتے ہیں۔"

حضرت عثمان رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا:

"کیا تم اپنے ہاتھ یا پاؤں کو آگ کیا اندر ڈال سکتے ہو۔"

وہ کہنے لگے:

"یہ کیسے ہوسکتا ہے، آگ کا کام تو جلانا ہے، کسی کی یہ جرات کیسے ہوسکتی ہے کہ وہ آگ کے نزدیک بھی جا سکے۔"

حضرت عثمان رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا،

"تو پھر دیکھو میں اس خدائے وحدہ لاشریک کا ماننے والا ہوں۔ یہ آگ میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔"

یہ کہہ کر حضرت عثمان باروَنی احمتہ اللہ علیہ نے ایک آتش پرست کو گود سے اس کا

معصوم بچہ پکڑا اور بچے کو اپنی گود میں اٹھا کر بولے:

''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم قلنا یا نار کونی برداوسلاماً علیٰ ابراھیم۔''

یہ کہتے ہوئے آپ اس دہکتی ہوئی آگ کے اندر جا گھسے کوئی چار گھنٹے تک اس آگ کے اندر رہے۔ اس کے بعد جب باہر آئے تو نہ آپ کا لباس اس آگ سے جلا نہ ہی اس بچے پر اس آگ کا کوئی اثر ہوا۔

یہ دیکھ کر وہاں پر موجود تمام لوگ آپ کے قدموں پر گر پڑے اور آتش پرستی سے توبہ کر لی، اور سب لوگ مسلمان ہو گئے۔ یہ بچہ اس کا باپ بعد میں دونوں ہی ولی کامل ہو گئے۔

الزام اور حقیقت:

حضرت شیخ ابو الحسن پوشنجی رحمتہ اللہ علیہ اللہ تعالی کے بڑے صاحب کرامات ولی اللہ تھے۔ ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ کسی دیہاتی کا گدھا گم ہو گیا۔ وہ سیدھا حضرت ابو الحسن رحمتہ اللہ علیہ کے پاس آیا اور آپ کو پکڑ کر اس نے شور مچانا شروع کر دیا کہ میرا گدھا آپ نے چوری کر لیا ہے۔ آپ نے اس دیہاتی سے کہا،

''بھلے مانس، تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے میں نے تمہارہ گدھا چوری نہیں کیا ۔''

وہ دیہاتی اپنی بات پر اڑا رہا اور آپ کی بات کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور اسی بات پر اکڑ گیا کہ آپ نے ہی گدھا چوری کیا ہے۔ یہ دیکھ کر حضرت ابو الحسن نے اللہ تعالی کی بارگاہ میں دعا مانگی:

''یا اللہ، مجھے اس شخص سے خلاصی عطا فرما اور اس کا کھویا ہوا گدھا ظاہر فرما دے۔''

آپ کے دعا مانگتے ہی اسی وقت گدھا سامنے سے آتا ہوا دکھائی دیا۔ دیہاتی نے جلدی سے آگے بڑھ کر اپنے گدھے کو پکڑ لیا اور پھر واپس آپ کے پاس آ کر

معافی مانگنے گا۔ ساتھ ہی وہ آپ کا شکریہ بھی ادا کرنے لگا اور بولا۔

''یا حضرت، مجھے اس بات کا پورا یقین تھا کہ آپ نے میرا گدھا چوری نہیں کیا لیکن میں یہ بھی جانتا تھا کہ اگر میں اللہ تعالی کی بارگاہ میں فریاد کروں گا بھی تو میری کون سنتا ہے، اس لئے میں نے آپ کو مجبور کیا تو آپ کی بدولت اللہ تعالی نے میری سن لی اور مجھے میرا گدھا واپس مل گیا۔''

اعتقاد:

ایک شخص حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور عرض کی،

'یا حضرت، میرے حق میں دعا فرمائیں کہ اللہ تعالی میری غربت اور تنگدستی دور فرمادے۔''

آپ نے اس شخص کی جانب ایک نظر دیکھا اور پھر فرمانے لگے:

''اگر میں تجھ سے یہ کہوں کہ میری نظر اللہ تعالی کے عرش تک پہنچتی ہے تو کیا تم اس بات کا یقین کرلو گے؟''

''یا حضرت، بالکل یقین کرلوں گا، بلکہ میرا اعتقاد تو آپ پر اس سے بھی زیادہ ہے۔''

اس پر حضرت بختیار کاکی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا:

''اچھا جب تم کو مجھ پر اتنا اعتقاد ہے تو میں تم سے کہتا ہوں کہ وہ چاندی کے اسی ٹکے جو تم نے اپنے گھر چھپا کر رکھے ہیں پہلے ان کو خرچ کرلو پھر آ کر مجھ سے اپنی غربت کی شکایت کرنا۔''

یہ سن کر وہ شخص بڑا شرمندہ ہوا اور اسی حالت میں چپ چاپ وہاں سے واپس چلا گیا۔

اللہ کی حفاظت:

ایک شخص جو کہ دہلی کا رہنے والا تھا۔ وہ اس نیت سے پاک پتن شریف کے سفر پر روانہ ہوا کہ وہ وہاں پہنچ کر حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ کے دست مبارک پر توبہ کرے گا۔

وہ شخص جب اپنے سفر پر روانہ ہوا تو راستے میں ایک گانے والی عورت بھی اس کے ساتھ سفر میں شریف ہوگئی وہ شخص جب اپنے سفر پر روانہ ہوا تو راستے میں گانے والی عورت بھی اس کے ساتھ سفر میں شریک ہوگئی۔ اس عورت نے اس شخص کو اپنے جال میں پھنسانے کی کوشش کرنی شروع کردی۔ اس عورت نے اس شخص کو اپنے جال میں پھنسانے کی کوشش کرنی شروع کردی، مگر اس شخص نے اس عورت کی طرف نگاہ بھی اٹھا کر نہ دیکھا کیونکہ وہ پہلے ہی توبہ کرنے کے ارادے سے جا رہا تھا۔

وہ عورت اس شخص کے رویے پر بڑی حیرت زدہ تھی، لیکن اس نے اپنی کوشش برابر جاری رکھی۔ ایک جگہ پر ایک ایسا موقعہ آیا کہ ان دونوں کو ایک ہی سواری پر سوار ہونا پڑ گیا۔ وہ عورت موقع غنیمت جان کر اس کے بالکل ساتھ لگ کر بیٹھ گئی، اور مختلف طریقوں اس شخص اپنی طرف مائل کرنے کی کوشش کی۔

عورت کی قربت نے اس شخص کے دل میں بھی تھوڑی نرمی پیدا کردی اور اس کے دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی کہ وہ اس وقت اکیلا ہے کوئی دوسرا شخص بھی اسے دیکھ نہیں رہا۔ چلو کچھ دیر کے لئے اس عورت سے دل ہی بہلا لیا جائے۔ ابھی خیال اس کے ذہن میں ابھرا ہی تھا کہ عین اسی لمحہ اس نے ایک بزرگ کو دیکھا کہ وہ آئے اور ایک زوردار تھپڑ اس کے مارتے ہوئے کہنے لگے:

> ''کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ تم حضرت فرید الدین گنج شکر کے پاس توبہ کی نیت سے جا رہے ہو اور حرکتیں تمہاری یہ ہیں۔''

یہ کہہ کر وہ بزرگ فوراً غائب ہوگئے۔ اس شخص نے فوراً خود کو سنبھالا اور اپنے دل

سے ناپاک خیال کو جھٹک دیا۔

جب یہ شخص حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں پہنچا تو حضرت بابا صاحب نے جو بات سب پہلے اس سے فرمائی وہ یہ تھی۔

"اللہ تعالی نے اس روز تمہاری بڑی حفاظت کی۔"

اللہ کا دوست:

حضرت یہ شخص حضرت ذوالنون مصری رحمتہ اللہ علیہ کا جس دن انتقال ہوا تو اس رات ستر اولیاء کرام نے خواب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کی۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرما رہے تھے:

"آج اللہ کا ایک دوست ہمارے پاس آرہا ہے۔ہم اس کا استقبال کریں گے۔"

جب حضرت ذوالنون مصری رحمتہ اللہ علیہ کا جنازہ اٹھا گیا تو سورج کی گرمی اپنے زوروں پر تھی۔اللہ تعالی نے بے شمار پرندوں کو بھیجا جو آپ کے جنازے پر اپنے پر پھیلا کر اڑنے لگے۔اس طرح آپ کے جنازے پر سایہ ہوگیا۔یہ پرندے ایسی شکل کے تھے کہ آج تک کسی نے اس طرح کے پرندے نہیں دیکھے تھے۔حضرت ذوالنون مصری رحمتہ اللہ علیہ کی یہ شان دیکھ کر آپ کے منکروں نے بھی اس دن توبہ کی اور آپ کی عظمت کے دل سے قائل ہو گئے۔

امیر تیمور کا قیدی:

جب امیر تیمور نے دہلی پر حملہ کیا فتح پائی تو اس نے دہلی میں قتل وغارت کا بازار گرم کر دیا۔پھر اس نے حکم دیا کہ دہلی اور اس کے اردگرد کے علاقوں سے جو بھی لوگ قابو میں آئیں ان کو گرفتار کر کے قید میں ڈال دیا جائے۔

امیر تیمور کے حکم کی تعمیل ہوئی۔اس کی فوجوں نے ایسے ہی کیا۔ان قیدیوں میں

حضرت شیخ احمد کھتور رحمتہ اللہ علیہ بھی شامل تھے جو کہ اپنے وقت کے بڑے صاحب کرمت و لی اللہ تھے ۔ان دنوں دہلی میں جنگ ک وجہ سخت قحط سالی قید اہو چکی تھی اور لوگ فاقوں کی وجہ سے مر رہے تھے ۔

حضرت شیخ احمد کھتور رحمتہ اللہ علیہ کو جس چار دیواری کے اندر قید کیا گیا تھا وہاں پہلے سے ہی چالیس آدمی تھے ۔شیخ احمد کھتور رحمتہ اللہ علیہ ہر روز غیب سے ایک ایک تازہ روٹی لے کر ان ساتھی قیدیوں کو کھلا دیتے تھے ۔آپ کی یہ کرامت کسی طرح امیر تیمور کے کانوں میں بھی پہنچ گئی ۔امیر تیمور نے آپ کو اور آپ کے ساتھ قید چالیس دوسرے قیدیوں کو اپنے دربار میں طلب کیا اور ان سے معذرت طلب کرتے ہوئے انہیں آزاد کر دیا ۔پھر اس نے یہ اعلان بھی کر دیا کہ جیل کے تمام قیدیوں میں سے جس قیدی کو بھی حضرت شیخ احمد کھتور رحمتہ اللہ علیہ آزادی دلانا چاہیں گے اسے آزاد کر دیا جائے گا ۔چنانچہ حضرت صاحب کے کہنے پر ہزاروں لوگوں کو رہائی مل گئی ۔

اللہ کا غضب :

حضرت سید شاہ حسین گیلانی رحمتہ اللہ علیہ سے ہر روز بے شمار لوگ دعا کرانے کے آتے تھے ۔آپ ان کے لئے دعا فرماتے جو اللہ تعالی قبول فرماتا اور لوگوں کی مراد پوری ہو جاتی تھی ۔

آپ نے اپنے دروازے کے باہر لکڑی کا ایک تختہ نصب کرا رکھا تھا ۔لوگ صبح سورے آتے اور پانی سے بھرے ہوئے گلاس اس تختے پر رکھ دیتے ۔آپ کا معمول تھا کہ نماز فجر کی ادائیگی کے بعد باہر تشریف لاتے اور پانی پر دم کر دیتے تھے ۔لوگ اپنے اپنے گلاس اٹھا کر لے جاتے اور جا کر اپنے مریضوں کو وہ پانی پلا دیتے ۔جو مریض بھی یہ پانی پیتا اس کو اللہ تعالی شفا عطا فرما دیتا تھا ۔

آپ کے علاقے میں ایک رنگریز رہتا تھا ۔جس کا نام فاضل تھا ۔یہ شخص برا

خبیث تھا۔آپ سے اور دوسرے اولیاءاللہ سے خواہ مخواہ کا بغض رکھتا اور ان کے خلاف نازیبا باتیں کرتا تھا۔

اس نے جب حضرت سید شاہ حسین رحمتہ اللہ علیہ کی بڑھتی ہوئی مقبولیت دیکھی تو جل کر رہ گیا۔اس کی بدبختی کہ اس نے یہ گندی حرکت کی کہ جس تختے پر لوگ پانی کے گلاس رکھتے تھے وہ رنگریز رات کے اندھیرے میں آتا اور اس تختے پر گندگی پھینک جاتا تھا۔لوگ بڑے حیران تھے کہ خبیث کون ہے جو اس قدر گندی حرکت کر جاتا ہے۔

کچھ دن تو لوگ خود ہی اس گندگی کو صاف کرتے رہے پھر تنگ آ کر لوگوں نے اس بات کی شکایت حضرت صاحب سے کر دی۔حضرت صاحب نے فرمایا۔

''تم لوگ چند دن تک صبر کرو، یہ کام جو بھی کرتا ہے اس پر خدا کا غضب نازل ہوگا، وہ بچے گا نہیں خود ہی پھنس جائے گا۔تھوڑے دن ہی گزرے ہوں گے کہ وہ رنگریز پاگل ہو گیا۔وہ شہر کی گلیوں اور بازاروں میں پھرنے لگا اور گندگی اٹھا اٹھا کر کھا جاتا اور آخر کار اسی پاگل پن میں اس کی موت واقع ہو گئی اور خدا کے غضب سے نہ بچ سکا۔

انکساری کا انعام:

ایک مرتبہ ایک مجلس میں حضرت حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ اور عرب کا مشہور شاعر فرزوق دونوں موجود تھے۔حضرت حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ تقویٰ اور پرہیز گاری میں اور فرزوق شاعر برائی اور بدکاری میں شہرت رکھتے تھے۔

اس مجلس میں بیٹھے ہوئے بہت سے لوگوں میں اچانک ایک شخص با آواز بلند کہا:

''اس مجلس میں ایک شخص ایسا ہے جو کہ سب سے بہتر اور افضل ہے اور ایک شخص ایسا ہے جو سب سے بدتر اور برا ہے۔''

یہ آواز سن کر فرزوق نے حضرت حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ کی طرف دیکھا

اور عرض کیا،

''یا حضرت! آپ نے یہ آواز سنی؟''

حضرت حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا،

''ہاں۔''

فرزوق بولا۔

''تو پھر آپ کا اس آواز کے متعلق کیا خیال ہے؟''

حضرت حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا:

''مجھے کیا خبر ہے کہ سب سے بہترین کون ہے اور سب سے بدترین کون ہے۔ یہ بات تو بے شک اللہ تعالی ہی بہتر جانتا ہے۔''

فرزوق شاعر نے کہا،

''لیکن میں جانتا ہوں کہ وہ دونوں شخص کون ہیں۔''

حضرت حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ نے تعجب سے پوچھا:

''کون ہیں؟''

فرزوق شاعر نے جواب دیا!

''حضور! اس مجلس میں سب سے بہتر تو آپ ہی ہیں اور اسی مجلس میں بدترین آدمی میں ہوں۔''

کچھ مدت گزری قضائے الٰہی سے فرزوق کا انتقال ہو گیا۔

اس کے مرنے کے بعد ایک نیک آدمی نے اسے عالم ارواح میں دیکھا تو اس سے پوچھا:

''اے فرزوق! تم پر کیسی گزری اور اللہ تعالی نے تیرے ساتھ کیا معاملہ کیا۔''

فرزوق نے جواب دیا:

''جب موت کے فرشتے مجھے لے کر چلے تو میں بے انتہا خوفزدہ تھا۔
سخت ڈر اور وحشت سے کانپ رہا تھا۔ تب مجھے ایک ندائے غیبی سنائی
دی جو کہہ رہی تھی۔''

''اے فرزوق! تجھے تو اسی دن بخش دیا گیا تھا جس دن تو نے اپنے
آپ کو بدترین شخص سمجھ لیا تھا۔''

بے موسمی پھل:

حضرت ابو المظفر فرماتے ہیں کہ حضرت شیخ علی بن ابی حریری رحمتہ اللہ علیہ جب کبھی بیمار ہوتے تو اکثر میرے باغ میں تشریف لے آتے ہیں جہاں آپ کی تیمارداری کیلئے بہت سے لوگ آتے رہتے تھے۔

ایک مرتبہ جب آپ بیمار ہوئے تو حسب سابق میرے باغ میں تشریف لے آئے۔ ایک روز حضرت سیدنا غوث پاک رحمتہ اللہ علیہ آپ کی تیمارداری کے لئے تشریف لائے۔ میرے باغ میں کھجوروں کے درخت تھے جو پھل دینے کی عمر سے گزر چکے تھے اور گزشتہ چار سے وہ پھل نہیں دے رہے تھے۔ بالکل خشک ہو جانے کی وجہ سے میں نے سوچ رکھا کہ کچھ دن ٹھہر کر ان کو کاٹ دوں گا۔

حضور غوث پاک رحمتہ اللہ علیہ اٹھ کر ان درختوں کے پاس گئے اور ایک درخت کے نیچے لوٹے سے وضو فرمایا اور دوسرے درخت کے نیچے جا کر دو رکعت نماز نفل ادا کی۔

خدا کی قدرت کہ دونوں درخت چند دنوں بعد ہرے بھرے ہو گئے اور پھل دار ہو گئے۔ حالانکہ ان دنوں موسم کھجوروں کے پھل دینے کا بھی نہیں تھا۔

ب

بد دعا:

حضرت عبداللہ بن وہب رحمتہ اللہ علیہ اللہ تعالی کے ایک بلند پایہ ولی اللہ تھے ۔
آپ بہت جلالی طبیعت کے مالک تھے۔

ایک مرتبہ مصر کے امیر عباد بن محمد نے ان کو قاضی بنانا چاہا تو آپ نے اس دنیاوی عہدے کو قبول کرنے سے انکار کردیا اور روپوش ہو گئے ۔

آپ کا ایک حاسد تھا جس کا نام صباحی تھا۔ وہ ہر وقت آپ کے خلاف کوئی نہ کوئی شوشہ چھوڑتا رہتا تھا۔اس نے جب آپ کی روپوشی کے متعلق سنا تو موقع غنیمت جان کر فوراً امیر کے پاس پہنچ گیا اور بولا:

''اے امیر، عبداللہ بن وہب کو قاضی بننے کا بہت لالچ تھا۔ میرے سامنے خود کئی مرتبہ انہوں نے اس بات کی خواہش ظاہر کی تھی مگر آپ نے جب انہیں قاضی بنا دیا تو وہ محض آپ کی نافرمانی کرنے کی غرض سے روپوش ہو گئے ہیں۔''

امیر کو یہ بات سن کر بہت غصہ آیا۔اس نے اسی غصے میں حضرت عبداللہ بن وہب کا مکان مسمار کروادیا۔

یہ دیکھ کر آپ کو جلال آ گیا اور آپ کے منہ سے بے اختیار یہ لفظ نکل گئے،

''یا اللہ، صباحی کو اندھا کر دے۔''

ایک ہفتہ کے اندر اندر صباحی اندھا ہو گیا۔

آپ پر ہر وقت خوف الٰہی طاری رہتا تھا جس کی وجہ سے آپ پر وقت رقت طاری رہتی تھی ۔ ایک مرتبہ قیامت کا سن کا بے ہوش ہو گئے اور پھر ایسی خاموشی اختیار کرلی کہ کسی کے ساتھ بات چیت نہ کی اور اسی

خاموشی کے عالم میں تھوڑے دنوں کے اندر اللہ تعالی کو پیارے ہو گئے
۔

بے زبانوں پر رحم:

ایک مرتبہ حضرت میاں میر صاحب رحمتہ اللہ علیہ لاہور کے مشہور موچی دروازہ کے باغ میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک شکاری وہاں پر آیا۔ اس کی نظر ایک فاختہ پر پڑی جو بڑے مزے سے درخت کی ایک شاخ پر بیٹھی کوکو کر رہی تھی۔ شکاری اپنی غلیل سے اس کو نشانہ بنایا اور وہ بے چاری اس کے غلیلے کا نشانہ بن کر زمین پر گری اور مر گئی۔

حضرت میاں میر صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے ایک خادم کو بلا کر کہا کہ اس فاختہ کو اٹھا کر لاؤ۔

جب غلام فاختہ لے آیا تو آپ نے اس کے سر پر اپنا ہاتھ پھیرا تو اس نے ایک دم جھرجھری سی لی اور اڑ کر درخت پر جا بیٹھی اور پھر کوکو کرنا شروع کر دیا۔

اس شکاری نے جب فاختہ کی آواز دوبارہ سنی تو وہ پھر پلٹ آیا اور دوبارہ اس کا نشانہ لینے لگا۔ آپ نے اس کو منع فرمایا مگر وہ باز نہ آیا۔ ابھی اس نے غلیل کو بلند ہی کیا تھا کہ اس کے ہاتھ میں بہت شدید قسم کا درد ہوا اور وہ درد کی شدت سے بلبلا نے لگا۔

حضرت میاں میر رحمتہ اللہ علیہ نے اس سے فرمایا:

"تجھے کسی بے زبان کو تکلیف دینے سے کیا حاصل ہو گیا۔ جب کہ میں نے تمہیں منع بھی کیا تھا۔"

شکاری نے فوراً آپ سے معافی مانگی اور آئندہ کیلئے اپنے اس کام سے توبہ کر لی، آپ نے اس کے لئے دعا فرمائی تو وہ فوراً ٹھیک ہو گیا۔

بات ایک دینار کی:

حضرت مالک بن دینار رحمتہ اللہ علیہ ایک مرتبہ کشتی میں دریا کا سفر کر رہے تھے ۔ جب کشتی دریا کے عین وسط میں پہنچی تو کشتی کے وسط میں پہنچی تو کشتی کے کا مالک نے مسافروں سے کرایہ وصول کرنا شروع کر دیا۔ جب وہ کرایہ لینے حضرت مالک بن دینار رحمتہ اللہ علیہ کے پاس پہنچے تو آپ کے پاس کرایہ دینے کے لئے کوئی رقم نہ تھی ۔ ملاحوں نے یہ دیکھ کر آپ سے جھگڑنا شروع کر دیا۔ غصے میں بے قابو ہو کر کشتی کے مالک نے آپ کو پیٹنا شروع کر دیا۔ یہاں تک کہ آپ بے ہوش ہو گئے ۔

تھوڑی دیر بعد جب آپ کو ہوش آیا تو کشتی کے مالک نے پھر کرائے کا تقاضہ کیا اور دھمکی دی کہ اگر تم کرایہ نہ دو گے تو تمہیں اٹھا کر دریا میں پھینک دیا جائے گا۔

یہ بات سن کر حضرت مالک رحمتہ اللہ علیہ نے ایک نگاہ دریا کی طرف ڈالی ۔ دیکھتے دیکھتے ہی دریا کے پانی میں ہلچل پیدا ہوئی اور پھر چند لمحوں بعد کشتی میں سوار تمام لوگوں نے ایک حیرت انگیز منظر دیکھا۔ انہوں نے دیکھا کہ ہزاروں مچھلیاں اپنے منہ میں سونے کے دینار پکڑے ہوئے پانی کی سطح پر ظاہر ہوئیں۔ حضرت مالک رحمتہ اللہ علیہ نے اپنا ہاتھ بڑھا کر ایک مچھلی کے منہ سے سونے کا دینار پکڑا اور مالک کے حوالے کر دیا۔

کشتی کے مالک اور تمام ملاحوں نے جب یہ منظر دیکھا تو وہ فوراً آپ کے قدموں میں گر کر معافی مانگنے لگے ۔ آپ خاموش رہے اور اسی وقت کشتی سے باہر نکل کر پانی پر چلنا شروع کر دیا اراسی دن سے آپ کا نام مالک بن دینار پڑ گیا۔

پ

پچاس ٹکے اور خلافت :

ملتان اوراچ شریف کا ایک حاکم تھا۔اس کے پاس ایک شخص تھا جو حاکم سے قریبی تعلق رکھتا تھا۔ایک مرتبہ اس حاکم نے آپ کو سو ٹکے دے کر حضرت بابا فرید الدین رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں بھیجا۔اس شخص کا نام عارف تھا۔

عارف نے کیا کیا کہ راستے میں پہنچ کر پچاس ٹکے خود رکھ لئے اور بابا جی نے ان کی طرف ایک نظر دیکھا اور مسکرا کر کہا:

''واہ بھئی عارف!تم نے خوب برادرانہ حصہ تقسیم کر دیا ہے۔''

یہ سن کر عارف بہت شرمندہ ہوا اور اسی وقت دوسرے پچاس ٹکے بھی نکال کر پیش کر دیے اور خود اپنی طرف سے بھی نذرانہ پیش کیا اور پھر معذرت کا اظہار کیا اور اس کے بعد بابا جی سے بیعت کرنے کی درخواست کی۔

بابا جی نے ان کو معاف بھی کر دیا اور بیعت بھی کر لیا۔پھر ایک وقت آیا کہ یہی عارف باکمال مرید بن کر گئے اور بابا جی نے انہیں خلافت سے سرفراز بھی فرمایا۔

ت

توبہ:

میر ابوالفضل ویلمی جو کہ فخر الملک کا ملازم تھا، ہر وقت شراب کے نشے میں رہتا تھا۔ایک مرتبہ ان کے دل میں نہ جانے کیا بات آئی کہ وہ حضرت شیخ ابواسحاق رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور شراب نوشی سے توبہ کر لی۔پھر عرض کیا:

''یا حضرت، میں فخر الملک کا ملازم ہوں جو خود بھی بلا کے شراب نوش ہیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ مجھے پھر شراب پینے پر مجبور کر دے، اور میرے توبہ جاتی رہے۔''

حضرت ابواسحاق رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا:

''تم میرے سامنے توبہ کرو، تمہیں اگر وہ وزیر دوبارہ شراب نوشی پر مجبور کرے تو اس وقت مجھے یاد کر لینا۔''

یہ سن کر ابوالفضل نے توبہ کی اور وہاں سے چلا گیا۔ایک دن وہی ہوا کہ وزیر نے شراب کی محفل سجائی۔بہت سے لوگ اس محفل میں شریک تھے جو سب کے سب شرابی تھے۔وزیر نے ابوالفضل کو بھی شراب پینے کی دعوت دی لیکن اس نے اپنی توبہ کے بارے میں بتایا۔ وزیر یہ سن کر بھی اصرار کرنے لگا۔ جب اس کا اصرار بہت بڑھا تو ابوالفضل کو اپنے مرشد کی بات یاد آ گئی۔اس نے اسی وقت سچے دل سے حضرت ابوالحاق رحمتہ اللہ علیہ کو یاد کیا۔

اس کے ایسا کرنے سے اچانک ایک طرف سے ایک بلی نمودار ہوئی اور اس نے اچھل کود کر تمام شراب کے برتن اور پیالے توڑ ڈالے۔ ساری شراب فرش میں بہہ گئی اور محفل برباد ہو گئی۔بلی اپنا کام کر کے غائب ہو گئی۔

ابوالفضل نے یہ اپنے مرشد کی یہ کرمت دیکھی تو بے اختیار رونے لگا۔

وزیر نے اس سے رونے کا سبب پوچھا تو اس نے جواب میں وزیر کو ساری بات سے آگاہ کر دیا۔ وزیر پر اس بات کا بہت اثر ہوا اور اس نے ابوالفضل سے کہا:

''تم اپنی توبہ پر قائم رہو، اور آئندہ اس کے متعلق کسی کی بھی پرواہ مت کرو۔ چاہے وہ میں ہی کیوں نہ ہوں۔''

تاریخ کا ایک سنہرا ورق:

جب حضرت غوث اعظم رحمتہ اللہ علیہ کی عمر مبارک چودہ برس کی ہوئی تو آپ رحمتہ اللہ علیہ کی والدہ محترمہ نے آپ رحمتہ اللہ علیہ کو اعلیٰ دینی تعلیم کے لئے بغداد بھیجنے کا فیصلہ کیا۔

اس دور میں چوروں اور ڈاکوؤں کے خوف کی وجہ سے لوگ اکیلے سفر کرنے سے ڈرتے تھے اور ہمیشہ قافلوں کی صورت میں سفر کرتے تھے۔ انہی دنوں ایک قافلہ بغداد جا رہا تھا۔ حضرت غوث پاک رحمتہ اللہ علیہ کی والدہ محترمہ نے آپ رحمتہ اللہ علیہ کو اس قافلے والوں کے ساتھ کر دیا۔

بغداد روانگی سے قبل آپ رحمتہ اللہ علیہ کی والدہ محترمہ نے ضروریات کے لئے آپ رحمتہ اللہ علیہ کو چالیس درہم دیے اور حفاظتی نقطہ نظر سے ان کو آپ رحمتہ اللہ کی گدڑی میں سی دیا تا کہ محفوظ رہیں۔

قافلہ روانہ ہوا۔ راستے میں ایک جنگل سے گزرتے ہوئے ایک مشہور ڈاکو احمد الفی کے گروہ نے قافلے پر حملہ کر دیا۔ ڈاکوؤں نے پورے قافلے کو لوٹ لیا۔ چند ڈاکو حضور غوث پاک رحمتہ اللہ علیہ کے پاس آئے اور بولے:

''لڑکے، تیرے پاس کچھ ہے۔''

حضرت غوث پاک رحمتہ اللہ علیہ نے جواب دیا:

''میرے پاس چالیس اشرفیاں ہیں۔''

ڈاکو سمجھے کہ یہ بچہ ان سے مذاق کر رہا ہے۔انہوں نے دوبارہ آپ رحمتہ اللہ علیہ سے پوچھا تو آپ رحمتہ اللہ علیہ نے پھر وہی جواب دیا۔

ڈاکو حضور غوث پاک رحمتہ اللہ علیہ نے پھر وہی جواب دیا۔

ڈاکو حضور غوث پاک رحمتہ اللہ علیہ کو اپنے سردار کے پاس لے گئے اور سارا ماجرا کہہ سنایا۔سردار بھی واقعہ سن کر بڑا حیران ہوا اور اس نے بھی آپ رحمتہ اللہ علیہ سے وہی سوال کیا۔آپ رحمتہ اللہ تعالیٰ عنہ نے سردار کو بھی وہی جواب دیا کہ میرے پاس چالیس اشرفیاں ہیں۔یہ سن کر سردار نے تعجب سے کہا۔

"لڑکے! اگر تیرے پاس واقعی چالیس اشرفیاں ہیں تو پھر مجھے دکھاؤ۔

حضور غوث پاک رحمتہ اللہ علیہ نے اس وقت گدڑی کو ادھیڑ کر اشرفیاں سردار کے سامنے ڈھیر کر دیں۔یہ دیکھ کر مارے حیرت کے سردار کی آنکھیں پھٹ گئیں۔ وہ بڑے تعجب سے بولا:

"اے لڑکے! ہم نے تیرے تلاشی لی۔تیرے پاس سے اشرفیاں ہمیں نہ ملیں۔ہم سوچ بھی نہ سکتے تھے کہ تیرے پاس اتنا زیادہ مال ہوگا۔اگر تو چاہتا تو جھوٹ بول کر اپنی اشرفیاں ہم سے بچا سکتا تھا۔تو نے ایسا کیوں نہیں کیا؟"

حضور غوث پاک رحمتہ اللہ علیہ نے جواب میں فرمایا:

"میں تعلیم حاصل کرنے کے لئے بغداد جا رہا ہوں۔روانہ ہونے سے قبل میری والدہ صاحبہ نے مجھے سفر خرچ کے لئے یہ اشرفیاں دیں اور حفاظت کے لئے انہیں میری گدڑی میں سی دیا تھا۔رخصت ہوتے وقت میری والدہ محترمہ نے مجھے اس بات کی نصیحت فرمائی تھی کہ بیٹا، چاہے کچھ بھی ہو جائے کبھی جھوٹ نہ بولنا۔بس میں نے اپنی والدہ صاحبہ کا حکم مانا ہے اور سچ بولا ہے۔"

ڈاکوؤں نے جب یہ بات سنی تو ان کی دنیا ہی بدل گئی۔ سردار احمد الفی بے اختیار رونے لگا۔ اس نے حضور غوث پاک رحمتہ اللہ علیہ کے ہاتھوں کو بوسہ دیا اور کہنے لگا:

''آپ رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی والدہ کے حکم کا اتنا خیال رکھا اور ایک ہم ہیں جو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتے ہیں اور ہمیں عذاب کا بھی کوئی خوف نہیں۔''

اس کے بعد سردار سمیت تمام ڈاکوؤں نے اسی وقت برے کاموں سے توبہ کی اور خدا کے نیک اور عبادت گزار بندے بن گئے۔

ج

جوتوں کی بارش:

ایک مرتبہ حضرت شیخ جمال الدین احمد جورفانی رحمتہ اللہ علیہ کا ایک مرید آپ کے حجرہ مبارک میں مراقبے میں مشغول تھا۔آپ کہیں باہر سے تشریف لائے تو مرید نے قدموں کی چاپ سن کر دل میں کہا:

''شاید میرے لئے کوئی کھانا لے کر آیا ہے۔''

حضرت شیخ جمال الدین رحمتہ اللہ علیہ نے مرید کے دل کی آواز سن لی۔انہوں نے فوراً اپنا جوتا اتارا اور مید کے سر پر مارنا شروع کردیا اور پھر فرمانے لگے:

''مراقبہ اسے زیب دیتا ہے کہ جس نے ایک ہفتہ تک کھانا نہ کھایا ہو، اسے لوگوں کے جوتوں کی آواز سن کر یہ خیال کرنے کی ضرورت نہیں رہتی کہ آنے والا میرے لئے کھانا لا رہا ہے۔''

جبہ کی قیمت:

ایک بزرگ جن کا نام حضرت ابوبکر وراق تھا اپنا بیشتر وقت حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں گزارتے تھے۔ایک دن حضرت ابوبکر رحمتہ اللہ علیہ جبہ لے کر بہت خوش ہوئے اور آپ کا دل سے شکریہ ادا کیا۔

وہیں پر موجود ایک شخص نے انہیں یہ مشورہ دیا کہ تم خواجہ صاحب رحمتہ اللہ علیہ کو اس جبو کی قیمت ادا کردو۔ان کو یہ بات بہت ناگوار گزری مگر خاموش رہے۔پھر ایک آدھ دن ٹھہر کر وہ چند تحائف لے کر حضرت خواجہ صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے خادم سے فرمایا:

''ان سے ایک سیر گھی لے لو۔''

انہوں نے عرض کیا:

''حضرت! یہ تو معمولی چیزیں ہیں، آپ ان تحائف کو قبول فرمائیں۔''

حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ نے ان کی طرف دیکھ کر مسکراتے ہوئے فرمایا:

''تمہیں ہمارا دیا ہوا جبہ لاکھوں کی قیمت میں پڑ جائے گا۔''

چ
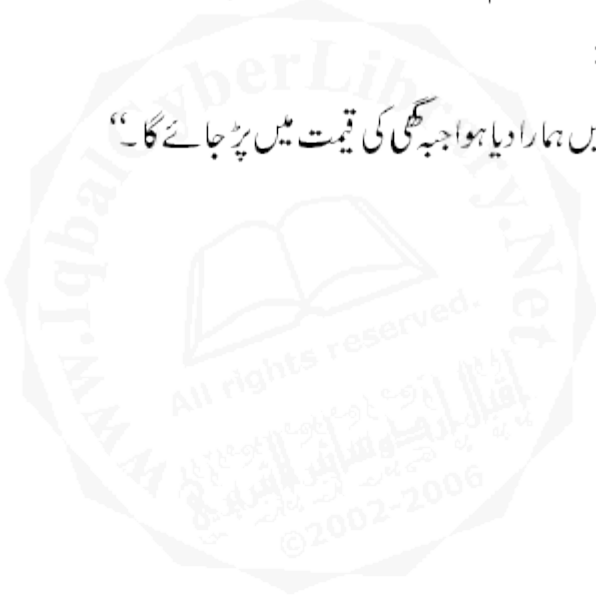
چالیس سال بعد:

حضرت خواجہ عثمان ہارونی رحمتہ اللہ علیہ اپنی مجلس میں تشریف فرما تھے۔ سب لوگ بڑی توجہ سے آپ کی باتیں سن رہے تھے اور اپنے دل کو ایمان سے روشن کر رہے تھے۔

اچانک ایک بوڑھا شخص بڑی ہی پریشان حالت میں اس مجلس میں آیا۔ حضرت عثمان رحمتہ اللہ علیہ نے اس بوڑھے کو دیکھا تو پوچھا:

''بابا، کیا بات ہے، تم بہت پریشان دکھائی دیتے ہو۔''

بوڑھے نے جواب دیا:

''چالیس سال گزر گئے ہیں، میرا ایک بیٹا تھا جو گم ہو گیا ہے، مجھے اس کے بارے میں کوئی خبر نہیں کہ وہ زندہ ہے یا مر گیا ہے، اس لئے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں کہ آپ سے فاتحہ کی درخواست کروں تا کہ میرا بچھڑا ہوا بیٹا مجھے واپس مل جائے۔''

بوڑھے کی بات سن کر حضرت عثمان رحمتہ اللہ علیہ مراقبے کی حالت میں چلے گئے۔ کچھ دیر بعد آپ نے اپنا سر اٹھا اور حاضرین مجلس سے فرماتے لگے۔:

''آؤ سب مل کر اس نیت سے فاتحہ پڑھیں کہ اس بزرگ کا کھویا ہوا بیٹا اس کو واپس مل جائے۔''

چنانچہ سب نے مل کر فاتحہ پڑھی تو آپ نے اس بوڑھے سے فرمایا۔

''بابا جی! جاؤ تمہارا بیٹا گھر آ چکا ہے۔''

وہ بوڑھا پاگلوں کی طرح بھاگتا ہوا اپنے گھر پہنچا تو اس کے گھر میں بہت سے لوگ جمع تھے۔ وہ سب اس کو مبارک دینے لگے کہ تمہارا بیٹا واپس آ گیا ہے۔ بوڑھے نے بیٹے جو بھر کر پیار کیا۔ اور پھر دونوں باپ بیٹا حضرت عثمان رحمتہ اللہ علیہ کی

خدمت میں حاضر ہو گئے اور آپ کا شکریہ ادا کرنے لگے۔ حضرت صاحب نے اس کے بیٹے سے پوچھا:

''میاں! تم اب تک کہاں پر تھے۔''

وہ کہنے لگا:

''میں جزائر دریائے دیواں کے ایک جزیرے میں قید تھا اور مجھے زنجیروں سے جکڑا ہوا تھا، آج بھی اسی جگہ پر قید تھا کہ ایک درویش نے جو کہ بالکل آپ کی شکل کا تھا، میری زنجیر پر ہاتھ ڈالا اور زنجیریں اسی وقت ٹوٹ گئیں۔ اس کے بعد درویش نے مجھے اپنے نزدیک کھڑا کیا کر کے کہا، میرے قدم بقدم آؤ۔ چنانچہ میں نے ایسا ہی کیا، چند قدم چلنے کے بعد اس درویش نے مجھ سے فرمایا کہ اپنی آنکھیں بند کرلو، میں نے ان کے کہنے پر آنکھیں بند کرلیں جب جب تھوڑی دیر بعد اس درویش کے کہنے پر آنکھیں کھولیں تو میں نے خود کو اپنے گھر کے دروازے پر کھڑا پایا۔''

ح

حقیقت:

حضرت عبدالعزیز دباغ رحمتہ اللہ علیہ اپنے وقت کے مشہور صاحب کرمت ولی اللہ ہوگزرے ہیں۔ایک مرتبہ آپ ایک شخص سے باتیں کررہے تھے۔اس نے ایک شخص کا آپ سے ذکر کرتے ہوئے کہا:

''یاحضرت فلاں شخص آپ سے بڑی عقدت رکھتا ہے۔''

حضرت صاحب نے فرمایا:

''نہیں! اسے مجھ سے محبت اور عقیدت نہیں۔اگرتو اسے آزماتا چاہتا ہے تو اس کے سامنے خودکومیرا مخالف ظاہر کرپھر دیکھنا اس کی حقیقت تجھ پر کیسے ظاہر ہوتی ہے۔''

چنانچہ اس شخص نے ایسا ہی کیا۔جب وہ شخص اس کے پاس آیا تو اس نے اس سے حضرت صاحب کے خلاف باتیں کرنا شروع کردیں۔وہ شخص کہنے لگا:

''تم بالکل ٹھیک کہتے ہو،میرا تو پہلے ہی یہ خیال تھا یہ صاحب کچھ بھی نہیں ہیں۔''

اس کے بعد اس نے اور بھی بہت سی باتیں حضرت عبدالعزیز رحمتہ اللہ علیہ کے بارے میں کیں۔جب وہ کافی دیر تک الٹی سیدھی بکواس کرتا رہا تو اس شخص نے اس سے کہا۔:

''بس کرو، میں تو ایک بات کو آزمارہا تھا۔''

اس پر وہ شخص بڑا شرمندہ ہوا اور وہاں سے کھسکنے کی کوشش کی۔اس کے بعد جب وہ صاحب حضرت عبدالعزیز کے پاس گیا تو آپ نے فرمایا:

''میں نے تو تمہیں پہلے ہی اس کی حقیقت سے آگاہ کردیا تھا۔''

د

درویشوں کا کھانا:

حضرت حارث بن اسد محاسی رحمتہ اللہ علیہ ہرات کے رہنے والے تھے اور اللہ کے بڑے برگزیدہ ولی تھے۔ آپ پر اللہ تعالیٰ نے اپنی خاص عنایت کی ہوئی تھی۔ وہ یہ کہ آپ جب بھی کسی مشکوک کھانے کی طرف ہاتھ بڑھاتے تو آپ کی انگلیوں میں اتنی طاقت ہی نہ رہتی کہ وہ ایک لقمہ بھی اس کھانے میں سے اٹھا سکیں اور آپ کی انگلیوں کی رنگت بھی تبدیل ہو جاتی تھی۔

حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک دن آپ میرے پاس تشریف لائے۔ آپ کے چہرے پر بھوک کے آثار نمایاں تھے۔ میں نے کہا:

"اے حارث! اگر اجازت ہو تو گھر سے آپ کے لئے کچھ کھانے کے لئے لے آؤں۔"

حضرت حارث نے رضامندی کا اظہار فرمایا تو حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ فوراً گھر تشریف لے گئے۔ آپ فرماتے ہیں کہ پچھلی رات کو ہمارے گھر میں ایک شادی والے گھر سے کھانا آیا تھا، وہ ابھی پڑا ہوا تھا۔ میں نے وہی لیا اور لا کر حضرت حارث رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ میں نے دیکھا کہ آپ کا ہاتھ اس کھانے تک پہنچنے میں سخت دشواری محسوس کر رہا ہے اور بار بار رک جاتا ہے، لیکن آپ نے میری خاطر زور لگا کر ایک لقمہ اٹھا کر اپنے منہ میں ڈال لیا۔

حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ فراتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ وہ لقمہ حضرت حارث کے حلق سے نیچے نہیں اتر رہا تھا۔ آخر کار تنگ آ کر آپ نے نکال کر باہر پھینک دیا اور مجھ سے پوچھا:

"اے جنید! یہ کھانا سے لے کر آئے ہو؟"

میں نے کہا:

''محلے میں شادی تھی اور رات کو انہوں نے مجھے یہ کھانا بھیجا تھا۔''

آپ نے فرمایا:

''مشکوک کھانا میرے حلق سے نیچے نہیں اترتا۔ اے جنید! درویشوں کے سامنے اس قسم کا کھانا نہیں رکھنا چاہئے۔''

اس کے بعد مجھے اپنے گھر لے گئے اور مجھے ایک خشک روٹی کا ٹکڑا دیا اور خود بھی خشک روٹی کھانے لگے پھر ارشاد فرمایا:

''اے جنید! یہ خشک ہے، لیکن رزق حلال ہے۔ درویشوں کو اسی طرح کا کھانا کھانا چاہئے۔''

دل کی خواہش:

حضرت شیخ محکم الدین رحمتہ اللہ علیہ کا شمار اپنے وقت کے بڑے با کمال اولیاء اللہ میں ہوتا ہے۔ آپ نے بے شمار ملکوں کی سیر و سیاحت فرمائی ہے۔ ایک مرتبہ آپ کوہستان کے علاقہ سہنگل کدہ میں تشریف لے گئے۔ اس زمانہ میں وہاں پر ایک ہندو جوگی رہا کرتا تھا۔ یہ جوگی مجاہدہ میں مشغول تھا۔ اس نے اپنی حاصل کردہ طاقت سے دیکھ لیا کہ آنے والے بزرگ صاحب کرامت ہیں۔ چنانچہ وہ فوراً آپ کی خدمت میں حاضر ہوا کہنے لگا:

''یا حضرت! آپ کو اس علاقہ میں رہنے کے لئے کوئی کرامت دکھانی پڑے گی۔''

آپ نے ارشاد فرمایا:

''ہم تو اللہ تعالیٰ کے در کے فقیر ہیں کرامتیں دکھاتے پھرنا ہمارا کام نہیں ہے، البتہ تم کچھ دکھانا چاہتے تو مجھے ضرور دکھاؤ۔''

وہ ہندو جوگیا آپ کی بات سن کر اپنے استدراج کی قوت سے دیکھتے ہی

دیکھتے غائب ہو گیا اور پھر چند لمحوں کے بعد دوبارہ ظاہر ہو گیا۔ اس نے یہ شعبدہ کئی بار کے دکھایا۔

حضرت شیخ محکم الدین رحمتہ اللہ علیہ نے جوگی سے پوچھا،

''یہ استدراج کی قوت تجھے کیسے حاصل ہوئی؟''

جوگی نے جواب دیا کہ:

''میرے نفس یا دل نے جھی بات کی ہے آج تک میں نے اس کے خلاف ہی کام کیا ہے۔ میری ساری عمر خواہش کے خلاف کام کرتے ہوئے گزری ہے۔ اس طرح مجھے یہ کمال حاصل ہو گیا ہے۔''

''کیا تمہارا دل یہ چاہتا ہے کہ تم دین اسلام قبول کرو۔''

وہ کہنے لگا۔

''نہیں میرا دل تو یہ نہیں چاہتا۔''

''پھر تم اپنے دل کی خواہش کے خلاف کام کرو اور اسلام قبول کرلو۔

ہندو جوگی نہ مانا اور اپنے دل کی خواہش کے خلاف کرنے سے رک گیا

۔''

پھر آپ نے اس سے فرمایا:

''اب تم اپنے دل کی خواہش کے خلاف کام نہیں کرتے۔ لہذا اب تم غائب ہو کر دکھاؤ۔''

اس جوگی نے ساری طاقت لگائی، لیکن استدراج کی قوت اسے حاصل نہ ہو سکی وہ اس کمال سے محروم ہو گیا اور اپنے آپ کو غائب نہ کر سکا۔ چنانچہ عاجز آ گیا، سخت شرمندہ ہوا اور اپنا آپ کے قدموں میں رکھ دیا۔ آپ کے دست مبارک پر اسلام قبول کیا۔

آپ نے اسے ایک نگاہ میں باطنی فیض سے نواز دیا۔ اس کا نام عبدالسلام رکھا

اور اسے کمالات کی بلندی تک پہنچا دیا۔ پھر اسی علاقہ میں لوگوں کی ہدایت پر مامور فرما دیا۔ آج ایک مدت گزر چکی ہے حضرت عبدالسلام رحمتہ اللہ علیہ کا مزار مبارک آج بھی مرجع خلائق بنا ہوا ہے۔

ر

رافضیوں کی توبہ:

ایک مرتبہ حضرت غوث پاک رحمتہ اللہ علیہ کی مجلس پاک میں بہت سے لوگ بیٹھے ہوئے تھے۔ اچانک وہاں پر چند رافضی آئے۔ انہوں نے دو ٹوکرے اٹھائے ہوئے تھے۔ اچانک وہاں حضور غوث پاک رحمتہ اللہ علیہ کے سامنے رکھ دیے۔ ان ٹوکروں کا منہ بند تھا۔ دراصل وہ رافضی حضور غوث پاک رحمتہ اللہ علیہ کا امتحان لینا چاہتے تھے۔ وہ کہنے لگے:

"آپ بتا سکتے ہیں کہ ان ٹوکروں میں کیا ہے۔؟"

حضور غوث پاک رحمتہ اللہ علیہ اپنی مسند مبارک سے اٹھے اور ایک ٹوکرے پر ہاتھ رکھ کر فرمایا:

"اس میں ایک لڑکا ہے۔"

پھر اپنے صاحبزادے حضرت عبدالرزاق رحمتہ اللہ علیہ کو حکم دیا:

"اس ٹوکرے کے منہ کھول دو۔"

صاحبزادے نے حکم کی تعمیل کی۔ چنانچہ جب ٹوکرے کا منہ کھولا گیا تو اس میں ایک معزور بچہ نکلا۔ آپ رحمتہ اللہ علیہ نے اس کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا:

"اٹھو۔"

وہ بچہ معزور تھا مگر آپ کا حکم سن کر اٹھا اور ٹوکرے سے باہر آ گیا اور بالکل ٹھیک ہو گیا۔ سب لوگ بہت حیران ہوئے۔ اس کے بعد آپ نے دوسرے ٹوکرے پر ہاتھ رکھا اور فرمایا:

"اس ٹوکرے میں ایک ایسا لڑکا ہے جس کو کوئی بیماری نہیں ہے اور بالکل صحت مند ہے۔"

پھر آپ کے حکم پر وہ ٹوکرا بھی کھولا گیا۔ اس میں سے جو لڑکا باہر نکلتے ہی

چلنے پھرنے لگا۔

حضور غوث پاک رحمتہ اللہ علیہ نے اس کی پیشانی کے بالوں کو پکڑ کر زور سے کھینچا اور اس بٹھا دیا۔ وہ بچہ اسی وقت فالج زدہ ہو گیا۔

رافضیوں نے یہ منظر دیکھا تو دہشت زدہ ہو کر آپ کے قدموں میں گر گئے اور توبہ کر کے معافی کے خواستگار ہوئے۔ آپ نے انہیں معاف فرما دیا۔

راہ تصوف اور رنگریزی:

حضرت شیخ الوالحسن کردو یہ رحمتہ اللہ علیہ کے والد ماجد رنگریز تھے اور ان کی یہ خواہش تھی کہ آپ بھی یہی کام سیکھ لیں تا کہ ان کا ہاتھ بٹا سکیں۔

حضرت صاحب کو اس کام سے کوئی رغبت نہ تھی بلکہ آپ ہر وقت صوفیاء کرام کی مجالس میں شریک رہتے اور فارغ وقت میں بھی اللہ کی عبادت کرتے رہتے۔ آپ کو خدا تعالی نے بہت بلند مرتبہ عطا فرمایا اور آپ کا مزار مصر میں ہے۔

ایک مرتبہ آپ کیوالد صاحب نے آپ سے کہا۔

"مجھے ایک ضروری کام ہے، تھوڑی دیر بعد واپس آ جاؤں، مگر کچھ کام بہت جلد کرنے والا ہے، یہ کپڑوں کا ڈھیر پڑا ہے ان کو رنگ کر رکھ دینا"۔

آپ اپنے والد صاحب کے جانے کے بعد نماز نفل ادا کرنے میں مصروف ہو گئے۔ یہ دیکھ کر انہیں بہت غصہ آیا۔ وہ آپ پر بہت سخت ناراض ہوئے۔ آپ نے والد صاحب کی ناراضگی دیکھی تو تمام کپڑے اٹھا کر رنگ والے گڑھے میں ڈال دیے۔ یہ دیکھ کر آپ کے والد کا غصہ اور بھی بڑھ گیا کیونکہ دکان میں رنگ کا علیحدہ گڑھا بنا ہوا تھا اور آپ نے تمام کپڑے ایک ہی رنگ والے گڑھے میں ڈال دیے تھے۔ وہ غصے سے بولے:

"تم نے سب کپڑوں کو ضائع کر دیا ہے۔ ہر کپڑے کو الگ الگ رنگ میں رنگنا تھا۔ اب میں لوگوں کو کیا جواب دوں گا۔"

حضرت ابوالحسن رحمتہ اللہ علیہ نے یہ سن کر اپنا ہاتھ گڑھے میں ڈال کر سب کپڑے باہر نکال دیے۔ آپ کے والد صاحب یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ ہر کپڑا اسی رنگ میں رنگا ہوا تھا جس کی خواہش کپڑے کے مالک نے کی تھی۔

آپ کی یہ کرامت دیکھ کر آپ کے والد محترم نے آپ کو ان کے حال پر چھوڑ دیا اور آپ کو راہ تصوف کے لئے آزاد کر دیا۔

راز کی باتیں:

حضرت عبدالرحمٰن بن جعفر رحمتہ اللہ علیہ بصرہ کے رہنے والے تھے۔ ان کے گھر کے قریب ہی ایک مسجد تھی جس میں یہ پانچوں وقت کی نماز ادا کرتے تھے۔ اس مسجد کی امامت کے فرائض ایک بزرگ جن کا نام ابوسعید تھا، ان کے ذمہ تھے۔ یہ بھی انتہائی پاکباز شخص تھے۔ حضرت عبدالرحمٰن رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان امام صاحب کا معمول تھا کہ یہ ہر روز نماز فجر کے بعد تھوڑی دیر تک وعظ بھی فرمایا کرتے تھے اور بہت سے لوگ ان کے وعظ میں شرکت کرتے تھے اور فیض یاب ہوتے تھے۔

حضرت عبدالرحمٰن بیان فرماتے ہیں کہ ایک سال میں حج کی نیت سے گھر سے نکلا۔ یہ انتہائی گرمیوں کے دن تھے۔ گرمی برداشت سے باہر ہو رہی تھی۔ اس لئے میں جس قافلہ کے ساتھ سفر کر رہا تھا وہ جب رات کو کسی جگہ پڑاؤ کرتا تو میں ان سے جدا ہو کر اکیلا ہی سفر جاری رکھتا اور ساری رات سفر میں رہتا پھر صبح کے وقت کسی منزل پر پہنچ کر ٹھہر جاتا اور سارا دن ہیں پر قیام کرتا، یہاں تک کہ شام ہونے تک میرا قافلہ وہاں پہنچ جاتا پھر جب یہ قافلے والے رات کو قیام کرتے تو میں پھر رات سفر طے کرتا ہوا آگے بڑھ جاتا تھا۔

ایک رات کا ذکر ہے کہ میں راستہ بھول گیا اور اپنے قافلے سے بالکل ہی جدا ہو گیا۔ راستے سے بھٹک کر میں ایک خطرناک صحرا میں جا نکلا۔ جب دن نکلا تو میں گھبرایا کہ اب کیا ہوگا۔ اس ویران صحرا میں دوپہر کے وقت گرمی کی شدت اور راستے کا علم نہ ہونا میرے لئے بڑی پریشانی کا باعث تھا۔ مجھے اس بات کا یقین تھا کہ میری موت اس تپتے ہوئے صحرا میں ہی ہو جائے گی۔ اس بے بسی کی موت کے تصور نے ہی میرے رونگٹے کھڑے کر دیے تھے۔ میں مایوس ہو کر اور تھک ہار کر ایک جگہ پر لیٹ گیا اور اپنی موت کا انتظار کرنے لگا۔

حضرت عبدالرحمٰن بیان فرماتے ہیں کہ اچانک کسی شخص کی آواز میرے کانوں میں پڑی جو کہ میرا نام لے کر مجھے پکار رہا تھا میں ایک دم حیرت زدہ ہو کر اٹھ بیٹھا اور دیکھا کہ میرے محلّہ کی مسجد کے امام صاحب حضرت ابو سعید رحمتہ اللہ علیہ کھڑے ہیں ۔ان کو اس صحرا میں کھڑے دیکھ کر میری حیرت بڑھتی ہی گئی ۔حضرت ابو سعید رحمتہ اللہ علیہ نے مجھے حیرت میں پڑے دیکھ کر فرمایا:

''معلوم ہوتا ہے کہ تم بھوکے ہو۔''

میں نے جواب دیا۔

''ہاں۔''

آپ نے مجھے روٹی دے کر فرمایا،

''لو روٹی کھالو''

اس کے بعد فرمایا:

''معلوم ہوتا ہے کہ پیاسے بھی ہو۔''

میں نے کہا:

''ہاں۔''

انہوں نے پانی کا مشکیزہ میری طرف بڑھا کر فرمایا:

''یہ لو، پانی بھی پی لو۔''

میں نے پانی بھی پی لیا اور روٹی بھی کھالی، میرے حواس کچھ بحال ہوئے تو میری جان میں جان آئی۔ اس کے بعد حضرت ابوسعید رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا،

''اب تم میرے پیچھے پیچھے چلے آؤ۔''

میں آپ کے فرمان کے مطابق آپ کے پیچھے پیچھے چلنے لگا۔ ابھی تھوڑی ہی دور چلے تھے کہ مجھے مکہ مکرمہ کا شہر دکھائی دینے لگا۔ جلد ہی ہم مکہ مکرمہ میں داخل ہو گئے۔ پھر آپ نے مجھے ایک جگہ ٹھہرا کر فرمایا:

''تم یہاں پر قیام کرو، دو تین دن کے بعد تمہارا قافلہ یہاں پر پہنچ جائے گا۔''

اس کے بعد آپ نے مجھے ایک روٹی دی اور فرمایا کہ یہ تمہارے لئے کافی ہے۔ یہ فرما کر آپ مجھ سے رخصت ہو گئے۔ میں تین دن تک اس جگہ پر ٹھہرا رہا اور اسی ایک روٹی سے تین دن تک دو لقمے توڑ کر کھا لیتا تو میرا پیٹ بھر جاتا تھا۔

جب تیسرا دن ہوا تو ہمارا قافلہ پہنچ گیا۔ میں بہت خوش ہوا۔ اس کے بعد جب ہم عرفات کے میدان میں پہنچے تو میں نے دیکھا کہ حضرت ابوسعید رحمتہ اللہ علیہ وہاں وہاں پر دعا میں مشغول ہیں اور جبل رحمت کے نزدیک کھڑے ہیں۔ میں نے سلام عرض کیا۔ دعا سے فارغ ہونے کے بعد آپ نے سلام کا جواب دیا اور مجھ سے فرمایا:

''کسی چیز کی ضرورت ہو تو بتاؤ۔''

میں نے عرض کیا:

''حضور، میرے حق میں دعا فرمائیں۔''

چنانچہ آپ نے میرے حق میں دعا فرمائی اور آگے بڑھ گئے۔ اس بعد

پھر میں نے آپ کو نہیں دیکھا حتیٰ کہ ہم حج سے فارغ ہو گئے۔

جب ہم واپس بصرہ پہنچے تو رات کا وقت تھا۔ رات کو میں نے اپنے گھر میں قیام کیا۔ صبح ہوئی تو فجر کی نماز پڑھنے کے لئے مسجد میں چلا گیا۔ وہاں حضرت ابو سعید ہی امامت کروا رہے تھے۔ میں نے بھی نماز پڑھی۔ نماز سے فارغ ہونے کے بعد حسب معمول آپ وعظ فرمایا۔ جب آپ وعظ سے فارغ ہوئے تو میں نے آپ سے مصافحہ کیا۔ آپ میری طرف دیکھ کر مسکرائے اور میرا ہاتھ دبایا۔ یعنی آپ کا مطلب یہ تھا کہ اس راز کو ظاہر نہ کرنا۔ چنانچہ میں خاموش ہو گیا۔

اس کے بعد میں نے باتوں ہی باتوں میں مسجد کے موذن سے پوچھا کہ حضرت ابو سعید رحمتہ اللہ علیہ ان دنوں میں کہیں گئے تو نہیں تھے۔

موذن نے مجھے یقین دلایا کہ آپ ایک دن کے لئے بھی مسجد سے غیر حاضر نہیں ہوئے اور ہر روز آپ ہی نے پانچوں وقت کی نمازوں کی امامت کرائی ہے۔ فجر کی نماز کے بعد وعظ بھی کرتے رہے ہیں۔ اس پر مجھے یقین ہو گیا کہ حضرت ابو سعید رحمتہ اللہ علیہ کے برگزیدہ ولی ہے۔

ز

زندہ قیدی:

رائے پتھورا (پرتھوی راج) نے اجمیر کی اپنا دارلسلطنت بنایا ہوا تھا۔ ایک وقت آیا کہ حضرت معین الدین چشتی نے اجمیر شریف کو اپنا ٹھکانا بنالیا۔ یہ بات پرتھوی راج کو بہت ناگوار گزری۔ اس کے درباریوں نے بھی اس بات کو بہت ناپسند کیا۔ وہ آپ کو یہاں سے نکالنا چاہتے تھے مگر آپ کی عظمت اور آپ کی کرامتوں کی وجہ سے ان کی اس بات کی جرات نہ ہوئی کہ وہ آپ کے خلاف کچھ کر سکیں۔

رائے پتھورا کے ہاں ایک مسلمان ملازم تھا۔ وہ حضرت خواجہ صاحب رحمتہ اللہ علیہ سے بڑی عقیدت رکھتا تھا۔ پرتھوی راج کو اس بات کا پتہ چلا تو وہ اس مسلمان کو بہت تنگ کرنے لگا۔ بات بات پر اس کو ذلیل کرتا۔ مسلمان کو بھی اس بات کا پتہ چل گیا کہ راجہ اس پر کیوں زیادتیاں کر رہا ہے۔ اس نے جا کر اس بات کی شکایت حضرت خواجہ صاحب احمتہ اللہ علیہ سے کی۔ آپ نے اس مسلمان کی سفارش رائے پتھورا سے کی مگر وہ بدبخت اپنی بات پر اڑا رہا اور حضرت خواجہ صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی سفارش کی کوئی پرواہ نہ کی۔ بلکہ یہاں تک بڑھ گیا کہ اپنے درباریوں سے کہنے لگا،

> ”یہ فقیر جو اس جگہ پر آیا ہوا ہے اور غیب کی باتیں بتاتا پھرتا ہے اور ہم پر اپنا حکم چلانے کی کوشش کرتا ہے کیا ہی اچھا ہو کہ یہ یہاں سے چلا ہی جائے۔“

حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمتہ اللہ علیہ کو بھی راجہ کی اس بات کی خبر ہوگئی۔ آپ کی زبان مبارک سے یہ بات فوراً نکل گئی:

> ”ہم نے رائے پتھورا کو زندہ ہی مسلمانوں کے حوالے کر دیا۔“

تھوڑے ہی دنوں کے بعد سلطان معز الدین لشکر کے ساتھ غزنی سے اجمیر پہنچا اور پتھورا نے اس مقابلے میں بری طرح شکست کھائی اور مسلمان اس کو زندہ گرفتار کر کے لے گئے۔ اس طرح حضرت خواجو صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی پیشین گوئی پوری ہوگئی۔

س
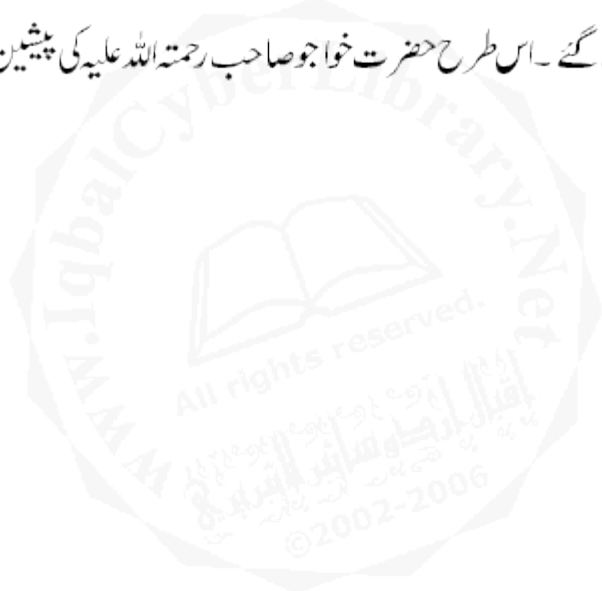
سونے کے کنکر:

حضرت حیوہ بن شریح رحمتہ اللہ علیہ بڑے باکمال ولی اللہ تھے۔ اللہ تعالی کے خوف کی وجہ سے ہر وقت آپ کی آنکھوں سے آنسو بہتے رہتے تھے۔ غربت کی وجہ سے کئی کئی روز فاقوں میں گزر جاتے تھے۔ آپ کے ایک کرید جناب بن عبدالعزیز بیان فرماتے ہیں کہمیں ایک دن آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو دیکھا کہ آپ تنہائی میں بیٹھے گریہ زاری میں مصروف ہیں اور خدا تعالی کی حمد و ثنا میں مصروف تھے۔ وہ کہتے ہیں کہ مجھے آپ کی حالت زار پر بڑا ہی ترس آیا۔ جب آپ دعا سے فارغ ہو گئے تو انہوں نے عرض کیا:

''یا حضرت، آپ اللہ تعالی سے یہ دعا کیوں نہیں مانگتے کہ وہ آپ کو اسقدر مال دولت عطا فرمائے کہ آپ کی غربت دور ہو جائے۔''

جناب خالد خالد کہتے ہیں کہ میری بات سن کر حضرت حیوہ رحمتہ اللہ علیہ نے ادھر ادھر نظر دوڑائی اور چند کنکریاں زمین سے اٹھائیں اور ان کی ہتھیلی پر رکھ کر فرمانے لگے:

''اے اللہ! ان کو سونا بنا دے۔''

آپ کے یہ فرمانے سے دیکھتے دیکھتے ہی وہ پتھر کیکریاں سونے کی بن گئیں۔
پھر آپ نے وہ کنکر خالد کی طرف پھینکتے ہوئے فرمایا:

''اللہ تعالی اپنے بندوں کی مصلحتوں کو خوب اچھی طرح جانتا ہے۔''

خالد نے سونے کے ٹکڑے پکڑ کر عرض کیا۔

''حضور! میں ان ٹکڑوں کو کیا کروں۔''

آپ نے ارشاد فرمایا:

''ان کو تم اپنے اہل و عیال پر خرچ کر دو۔''

جناب خالد بیان کرتے ہیں کہ آپ کی یہ کرامت اور جلال دیکھ کر میں آپ کے فرمان کو ٹال نہ سکا اور خاموشی سے سونے کے وہ کنکر لے کر اپنے کی طرف روانہ ہو گیا۔

سپاہی یا درویش:

حضرت احمد خضرویہ رحمتہ اللہ علیہ بلخ کے رہنے والے تھے۔ آپ کی یہ عادت تھی کہ ہر وقت سپاہیانہ لباس میں ملبوس رہتے تھے۔ ایک مرتبہ حالت سفر میں تھے کہ راہ میں ایک بہت بڑی خانقاہ نظر آئی آپ نے اس خانقاہ میں قیام کا ارادہ فرمایا۔ چونکہ آپ اس وقت بھی سپاہیانہ لباس میں تھے اس لئے کوئی بھی آپ کے مقام و مرتبہ سے آگاہ نہ ہو سکا۔

جب چند دن اس خانقاہ میں رہتے ہوئے ہو گئے تو وہاں کے صوفیوں نے اپنے پیر و مرشد سے شکایت کی کہ اب اس سپاہی کو یہاں سے جانے کو کہیں کیونکہ نہ تو یہ صوفی ہے اور نہ ہی درویش ہے۔ جب کہ یہ خانقاہ تو بنی ہی ایسے لوگوں کے لئے ہے نہ کہ سپاہیوں کے لئے۔

وہ پیر صاحب صوفیوں کے احتجاج پر خاموش ہو رہے اور اپنی مروت کی وجہ سے آپ کو کچھ نہ کہا۔ اس طرح چند دن مزید اور گزر گئے۔ خانقاہ کے صوفی آپ کو دیکھ کر حسد میں مبتلا ہو گئے تھے۔

ایک حضرت خضرویہ رحمتہ اللہ علیہ کنویں سے پانی نکال رہے تھے کہ ڈول آپ کے ہاتھ سے چھوٹ کو کنویں میں جا گرا۔ پاس کھڑے صوفیوں کو موقع مل گیا۔ انہوں نے آپ کو خوب برا بھلا کہا۔ آپ چپ چاپ وہاں سے واپس آ کر پیر صاحب کے پاس آ گئے اور ان سے فرمایا:

”مجھ سے ڈول کنویں میں گر گیا ہے۔ آپ سورۃ فاتحہ پڑھیں تا کہ کنویں سے ڈول نکل آئے۔“

پیر صاحب سوچ میں پڑ گئے کہ سورۃ فاتحہ کا ڈول نکلنے سے کیا تعلق ہو سکتا ہے۔آپ نے پیر صاحب کو سوچ میں پڑے دیکھا تو کہنے لگے:

''اگر آپ نہیں پڑھ سکتے تو مجھے اجازت فرمائیں میں پڑھ لوں گا۔''

پیر صاحب نے اجازت دے دی۔آپ نے اپنے دونوں ہاتھ دعا مانگنے کے انداز میں بلند کیے اور دعا مانگی۔

یکدم کنویں کے پانی میں ہلچل پیدا ہوئی اور پھر پانی کنویں کے کنارے تک آ گیا۔آپ نے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا اور ڈول پکڑ کر باہر نکال لیا۔

پیر نے آپ کی یہ کرامت دیکھی تو اپنی دستار اتار کر آپ کے قدموں میں رکھ دی اور کہا سچ بتائیں کہ آپ کون ہیں۔

حضرت صاحب نے فرمایا:

''تو اللہ کا ایک بندہ ہوں۔بس آپ اپنے مریدوں سے یہ فرما دیں کہ وہ مسافروں کو حقارت کی نظروں سے دیکھنا چھوڑ دیں۔''

یہ کہہ کر آپ وہاں سے تشریف لے گئے۔

ش

شہرت طلبی:

حضرت سفیان ثوری رحمتہ اللہ علیہ ایک مرتبہ حضرت شیبان راعی رحمتہ اللہ علیہ کے ہمراہ سفر حج پر روانہ ہوئے۔ راستے میں ایک جگہ پر ایک شیر ان کے سامنے آ گیا۔

حضرت ثوری رحمتہ اللہ علیہ نے حضرت شیبان رحمتہ اللہ علیہ سے فرمایا،

"دیکھئے یہ کتا ہماری راہ میں حائل ہو گیا ہے۔"

آپ نے ارشاد فرمایا:

"سفیان، ڈرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔"

شیر نے جب حضرت شیبان رحمتہ اللہ علیہ کے یہ الفاظ سنے تو وہ اس طرح دم ہلانے لگا جیسے پالتو کتا دم ہلاتا ہے۔ پھر حضرت شیبان رحمتہ اللہ علیہ اس شیر کی طرف متوجہ ہوئے اور اس کان پکڑ کر مروڑنے شروع کر دیے۔

حضرت سفیان ثوری رحمتہ اللہ علیہ نے یہ دیکھ کر کہا،

"یہ تو شہرت طلبی ہوئی۔"

حضرت شیبان احمتہ اللہ علیہ نے فرمایا:

"اے سفیان! اس میں شہرت طلبی والی کون سی بات ہے، میں تو شہرت طلبی کو بالکل پسند نہیں کرتا، اگر مجھے شہرت پسند ہوتی تو پھر میں اپنا سامان اس شیر کی پشت پر لاد دیتا اور اس کی مکہ مکرمہ تک لے جاتا۔"

شک دور کرو:

حضرت قاضی محی الدین کاشی رحمتہ اللہ علیہ ایک مرتبہ حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہونے کے لئے گھر سے چلے۔ آپ نے گھر سے

روانہ ہوتے وقت وضو کر لیا۔ آپ فرماتے ہیں کہ راستے میں جا کر اس شک میں پڑ گیا کہ میں نے نیا وضو کیا تھا نہیں۔ اسی شک میں مبتلا تھا کہ حضرت نظام الدین اولیاء نے نور باطن سے میرے اس شک کو معلوم کر لیا اور ارشاد فرمایا،

ایک مرتبہ مرتے پاس سید اجل کا صاحبزادہ آیا تو میں نے اس کی طرف توجہ کر کے اس سے بات کرنے کی کوشش کی مگر میں دیکھتا تھا کہ وہ حاضر توجہ کر کے اس سے بات کرنے کی کوشش کی مگر میں دیکھتا تھا کہ وہ حاضر دماغ نہیں ہے۔ آخر کار میں نے اس سے پوچھ ہی لیا کہ سید، کیا بات ہے تم مجھے غائب دماغ دکھائی دے رہے ہو۔

وہ کہنے لگا:

''اے میرے مخدوم، بات یہ ہے کہ میں نے گھر میں وضو کیا تھا مگر شاید میں نے اس کی تجدید نہیں کی اس لئے میں بے چینی اور پریشانی میں مبتلا ہوں اور میرا دل بار بار اسی خیال میں الجھا ہوا ہے۔''

میں نے اس سے کہا:

''اے سید، جاؤ اور پھر وضو کر کے اطمینان کے ساتھ میرے پاس آؤ اور مطمئن ہو کر دل جمعی کے ساتھ بیٹھو۔''

حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ نے یو بات ختم کی تو میں بھی فوراً اپنی جگہ سے اٹھا اور کہنے لگا:

''حضور! میں بھی اسی الجھن میں گرفتار ہوں۔''

آپ نے مسکراتے ہوئے فرمایا:

''تو پھر جاؤ اور نیا وضو کر کے آؤ۔''

شیطان کا مکر اور اللہ کی مدد،

رات کا وقت تھا۔ عراق کا ایک اجاڑ او بیابان صحرا تھا۔ اس ویرانے میں خدا کا

ایک نیک بندہ دنیاو مافیہا سے بےخبر اللہ تعالی کی عبادت میں مشغول تھا۔ یہ کوئی عام آدمی نہیں بلکہ تمام ولیوں کے سردار حضرت غوث اعظم رحمتہ اللہ علیہ تھے۔

آپ عبادت الٰہی میں مصروف تھے کہ یکا یک آپ رحمتہ اللہ علیہ نے ایک روشنی دیکھی۔ اس روشنی سے سارا آسمان روشن ہو گیا۔ پھر آپ رحمتہ اللہ علیہ کو ایک آواز سنائی دی:

''اے عبدالقادر! میں تیرا رب ہوں۔ میں تیری عبادت سے راضی ہوا اور خوش ہو کر آج سے تجھے اپنی ہر قسم کی عبادت کی تکلیف سے آزاد کرتا ہوں۔''

حضور غوث پاک رحمتہ اللہ علیہ بیان فرماتے ہیں:

''حضور غوث پاک رحمتہ اللہ علیہ بیان فرماتے ہیں:

''میں نے آواز کو سن کر اپنے ظاہری اور باطنی علوم پر توجہ کی تو مجھے اس آزادی کا کوئی بھی جواز دکھائی نہ دیا اور میں نے سوچا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس عظیم مرتبے کے باوجود بھی آپ کو عبادت کی تکلیف سے آزادی نہیں ملی تو پھر دوسرا کوئی کس طرح اس معاملے میں معافی کا حق دار ہو سکتا ہے۔

اس خیال کے آتے ہی میں نے فوراً بلند آواز سے لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم پڑھا تو فوراً شیطان مردود اپنی اصلی شکل میں میرے سامنے آ گیا اور مجھ سے کہنے لگا،

''اے عبدالقادر! میں نے اس سے پہلے بے شمار عبادت گزاروں کو اسی طریقے سے گمراہ کیا ہے مگر آپ اپنے علم کی وجہ سے بچ گئے ہیں۔''

حضرت غوث پاک رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''شیطان مردود کی یہ بات سن کر میں نے پھر لاحول ولا پڑھا اور کہا،

''اے لعین دفع ہو جا، میں اپنے علم کی وجہ سے نہیں بلکہ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی مدد اور فضل و کرم کی وجہ سے محفوظ رہا ہوں۔''

''اے عبدالقادر! میں آج آپ (رحمتہ اللہ علیہ) سے بالکل مایوس ہو گیا ہوں اور آئندہ کے لئے آپ (رحمتہ اللہ علیہ) پر اپنا وقت کبھی ضائع نہیں کروں گا کیونکہ مجھے پتہ چل گیا ہے کہ یہ بیکار جائے گا۔''

حضور غوث پاک رحمتہ اللہ علیہ نے جواب دیا:

''اے مردود! مجھے تمہاری کسی بات کا یقین نہیں ہے۔ میں تو ہمیشہ تمہارے مکر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتا رہتا ہوں۔''

ع

عقیدت مند مچھلیاں:

حضرت شیخ خیر نساج رحمتہ اللہ علیہ ایک دور میں کپڑا بننے کا کام کرتے تھے۔اس دوران میں آپ اللہ تعالی کی عبادت کرنے کی غرض سے دریائے دجلہ کے کنارے تشریف لے جیا کرتے تھے۔آپ دریا کے کنارے عالم محویت میں خدا تعالی کی عبادت میں مشغول رہتے۔اسی دوران دریا کی مچھلیاں دریا کے کنارے کے نزدیک آکر تیرنا شروع کردیتی تھیں اور آپ کیلئے ہر مچھلی کرئی نہ کوئی چیز بطور تحفہ دریا کے کنارے پھینک دیتی تھیں۔

ایک مرتبہ آپ نے ایک بڑھیا کا کپڑا بنا۔جب وہ بڑھیا اپنا کپڑا لینے آئی تو اس نے کہا:

"میں اس کپڑے کی مزدوری کل آپ کو دے جاؤں گی لیکن آپ مجھے بتائیں کہ اگر کل آپ یہاں نہ ہوئے تو میں مزدوری کس کو دے جاؤں ۔"

آپ نے بڑھیا سے فرمایا،

"تم میری مزدوری کی رقم دریائے دجلہ میں پھینک دینا۔"

دوسرے دن جب وہ بڑھیا آئی تو آپ اپنی جگہ پر موجود نہ تھے۔اس نے آپ کے حکم کے مطابق واقعی مزدوری کی رقم دریا میں پھینک دی اور خود وہاں سے چلی گئی۔

کچھ دیر بعد حضرت خیر نساج رحمتہ اللہ علیہ واپس تشریف لائے اور آکر حسب معمول دریا کے کنارے اللہ تعالی کی عبادت میں مشغول ہو گئے ۔اچانک ایک مچھلی پانی میں سے اوپر آئی تیرتی ہوئی۔اس مچھلی کے منہ میں وہی رقم دبی ہوئی تھی جو بڑھیا نے دریا میں پھینکی تھی،اس مچھلی نے

وہ رقم کنارے پر پھینکی اور خود واپس دریا میں لوٹ گئی۔

غ

غیب سے گواہی:

بعداد میں ہر طرف حضرت سمنون رحمتہ اللہ علیہ کی پاکبازی اور ولایت کے چرچے ہو رہے تھے اور ہر کوئی آپ کی صحبت سے فیض حاصل کرنے کا متمنی تھا۔ لوگ آپ کی محفل میں شرکت کو بہت بڑی سعادت سمجھتے تھے۔

ایک شخص جس کا نام غلام الخلیل تھا۔ اولیاء اللہ کا سخت دشمن، بظاہر نیک مگر باطنی طور پر بڑا خبیث انسان تھا۔ اپنی ریاکاری کی وجہ سے خلیفہ کے دربار تک رسائی حاصل کر چکا تھا۔ اس نیجب حضرت سمنون رحمتہ اللہ علیہ کی اس قدر عزت دیکھی تو مارے حسد کے جل کر کوئلہ ہو گیا۔ اس نے حضرت سمنون رحمتہ اللہ علیہ کو رسوا کرنے کا پروگرام بنایا مگر اس کے ہاتھ کوئی موقع نہ آ رہا تھا۔

ایک عورت تھی، خوبصورت تھی مگر بدکار تھی۔ اس نے ایک روز حضرت سمنون رحمتہ اللہ علیہ کو دیکھا تو آپ کے حسن پر فریفتہ ہو گئی۔ اس نے حضرت سمنون رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہو کر خود کو پیش کر دیا۔ آپ نے اسے بری طرح دھتکار دیا۔ وہ عورت بڑی مایوس ہوئی۔ اس نے ہمت نہ ہاری اور حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ کے دربار میں حاضر ہوئی اور عرض کی:

"آپ حضرت سمنون رحمتہ اللہ علیہ کو حکم فرمائیں کہ مجھے قبول فرمالیں"۔

حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ نے اس عورت کو بہت برا بھلا کہا اور اپنی مجلس سے نکل جانے کا حکم دیا۔

وہ عورت مایوس ہو کر اسی بدطینت شخص غلام الخلیل کے پاس جا پہنچی اور اس کو سارا قصہ جا سنایا۔ غلام الخلیل نے موقع غنیمت جانا اور اس عورت کو بہکانے میں کامیاب ہو گیا۔ وہ عورت اس کے کہنے پر حضرت

سمنون رحمتہ اللہ علیہ پر تہمت لگانے لگی کہ انہوں نے نعوذ باللہ میرے ساتھ زنا کیا ہے۔

غلام الخلیل اس عورت کے لے کر خلیفہ کے دربار میں جا پہنچا۔ اور بڑھا چڑھا کر یہ جھوٹا واقعہ خلیفہ کے سامنے بیان کیا۔ خلیفہ کو غلام الخلیل پر بڑا اعتماد تھا۔ اس نے فوراً حضرت سمنون رحمتہ اللہ علیہ کی گرفتاری کا حکم جاری کر دیا۔ غلام الخلیل کی باتوں میں آ کر خلیفہ نے حضرت سمنون رحمتہ اللہ علیہ کے قتل کا فیصلہ کر لیا۔

اگلے دن جب حضرت سمنون رحمتہ اللہ علیہ کو خلیفہ کے دربار مس ی پیش کیا گیا تو خلیفہ کے حکم پر جلاد بھی حاضر ہو گیا۔ خلیفہ حضرت سمنون رحمتہ اللہ علیہ کے قتل کا حکم داری کرنا چاہا مگر خدا کی قدرت سے اس کی زبان بند ہوگئی، اور اس کے منہ سے قتل کے الفاظ نہ نکل سکے۔ خلیفہ نے بڑا زور لگایا مگر قتل کا حکم نہ جاری کر سکا۔ آخر خلیفہ نے مجبور ہو کر حکم دیا کہ کل دوبارہ حضرت سمنون رحمتہ اللہ علیہ کو دربار میں پیش کیا جائے۔

جب رات ہوئی تو خلیفہ سونے کے لئے اپنے کمرے میں چلا گیا۔ نیند کی حالت میں خلیفہ نے ایک غیبی آواز سنی جو اس سے کہہ رہی تھی،

”اے خلیفہ! اگر تم نے بے گناہ حضرت سمنون رحمتہ اللہ علیہ کو قتل کرایا تو تیری یہ سلطنت تباہ ہو جائے گی۔“

اسی وقت خلیفہ کی آنکھ کھل گئی۔ باقی ساری رات وہ جاگتا ہی رہا۔ صبح سویرے خلیفہ نے دربار لگایا اور حضرت سمنون رحمتہ اللہ علیہ کو پیش کرنے کا حکم دیا۔ جب حضرت سمنون رحمتہ اللہ علیہ دربار میں آئے تو خلیفہ نے بھرے دربار میں ان سے معافی مانگ لی اور انہیں بڑی شان وشوکت کے ساتھ دربار سے رخصت کیا۔

ق

قرض کی ادائیگی:

حضرت میمون کردی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب حضرت عروۃ بن بزار رحمتہ اللہ علیہ کا انتقال ہوگیا تو اس سے اگلے روز وہ مجھے خواب میں ملے اور مجھ سے فرمانے لگے:

''فلاں شخص جو لوگوں کو پانی پلاتا ہے، میں نے اس کا ایک درہم قرضہ دینا ہے، آپ برائے کرم یوں کیجئے کہ میرے گھر کے فلاں طاق میں میرا ایک درہم پڑا ہوا ہے۔ اس طاق سے وہ درہم لے کر اس پانی والے کو دے دیں تاکہ میں قرض سے سبکدوش ہو جاؤں۔''

حضرت میمون رحمتہ اللہ علیہ بیان فرماتے ہیں:

''جب میں بیدار ہوا تو میں نے اس شخص کو پیغام بھیج کر بلایا اور اس سے دریافت کیا کہ کیا حضرت رحمتہ اللہ علیہ نے تمہارا کچھ قرض تو نہیں دینا تھا:

اس نے کہا،

''ہاں، انہوں نے میرا ایک درہم دینا تھا۔''

یہ سن کر حضرت میمون رحمتہ اللہ علیہ اسی وقت حضرت عروۃ رحمتہ اللہ علیہ کے گھر میں گئے اور جس طاق کے بارے میں انہوں نے نشان دہی فرمائی تھی، وہاں جا کر دیکھا تو اسی طاق میں ایک درہم پڑا ہوا تھا۔ چنانچہ انہوں نے وہ درہم لا کر پانی پلانے والے کے حوالے کر دیا اور یوں حضرت عروۃ رحمتہ اللہ علیہ کا قرض ادا ہو گیا۔

قربت کی بدولت:

ایک مرتبہ حضرت مالک بن دینار رحمتہ اللہ علیہ کا ایک دہریے کے ساتھ مناظرہ

ہو گیا۔ مناظرے کا کوئی نہیں ہو رہا تھا۔ آخر کار حاکم وقت نے یہ فیصلہ کیا کہ دونوں کے ہاتھ ایک دوسرے کے ساتھ باندھ دیے جائیں اور دونوں کو دہکتی ہوئی آگ میں ڈال دیا جائے۔ دونوں میں سے جو سچا ہو گا وہ بچ جائے گا اور جھوٹا اس آگ میں جل کر خاک ہو جائے گا۔

چنانچہ حاکم کے حکم پر دونوں کو آگ میں پھینک دیا گیا۔ تھوڑی دیر بعد آگ سرد ہو گئی مگر دونوں میں سے کسی کو بھی کوئی گزند نہیں پہنچی تھی۔

اس واقعہ سے حضرت مالک بن دینار رحمتہ اللہ علیہ بڑے رنجیدہ خاطر ہوئے۔ اپنے گھر واپس جا کر حالت نماز میں سر سجدہ میں رکھ کر بہت روئے اور اللہ تعالیٰ سے عرض کرنے لگے:

''اے اللہ! تو نے مجھے اس بے دین دہریے کے برابر کر دیا۔''

غیب سے ندا آئی:

''اے مالک، تو اس بات سے اپنے آپ کو ہلکان نہ کر، افسردہ نہ ہو، اصل بات یہ تھی کہ دہریے کا ہاتھ تمہارے ہاتھ میں تھا اور تمہاری وجہ سے وہ آگ بھی سرد ہو گئی اور اگر وہ دہریہ اکیلا آگ میں ہوتا تو جل کر راکھ ہو جاتا۔ تمہاری قربت کی بدولت وہ بھی آگ سے محفوظ رہا۔''

قدرت کاملہ کا منظر:

ایک جہاز سمندر میں اپنے سفر پر رواں دواں تھا۔ مسافر بڑے اطمینان سے بیٹھے سفر کر رہے تھے۔ اچانک سمندر میں طوفانی ہوائیں چلنا شروع ہو گئیں، یہاں تک کہ جہاز کے ڈوبنے کا خطرہ پیدا ہو گیا۔ ہر طرف چیخ و پکار پڑ گئی۔ لوگ ادھر ادھر اپنی جان بچانے کے لئے بھاگنے لگے۔

اس گھبراہٹ اور افراتفری سے بے نیاز ایک مسافر ایک کونے میں حالت مراقبے میں بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے ایک کمبل اوڑھ رکھا تھا۔ تمام مسافر اس کمبل پوش

مسافر کے پاس آئے اور کہنے لگے:

''یہ کیسی عجیب بات ہے کہ ہم ہلاکت کے طوفان میں گھرے ہوئے ہیں اور سخت طوفانی ہواؤں سے جہاز کے غرق ہونے کا خطرہ ہے اور آپ اطمینان سے سو رہے ہیں۔''

اس کمبل پوش نے نظر اٹھا کر ان لوگوں کی طرف دیکھا اور پھر آسمان کی طرف چہرا اٹھا کر بولا،

''اے اللہ، ہم نے تیری قدرت کاملہ کو دیکھ لیا ہے اب اپنے فضل و کرم سے ہمیں معاف فرما۔''

اس مسافر کے منہ سے یہ الفاظ نکلنے کی دیر تھی کہ سمندر ایک دم پرسکون ہو گیا۔ ہوائیں چلنا بند ہو گئیں۔ لوگ حیرت سے اس مسافر کو دیکھتے ہوئے واپس اپنی جگہ پر چلے گئے۔

یہ مسافر کوئی عام شخص نہیں تھا۔ خدا کے برگزیدہ ولی حضرت ابراہیم ادھم رحمتہ اللہ علیہ تھے۔

قضیب کون ہے؟

حضرت قضیب البان رحمتہ اللہ علیہ اپنے کے مشہور صاحب کرامت بزرگ ہو گزرے ہیں موصل شہر کا قاضی آپ سے بہت حسد کرتا تھا اس کی نیت یہ تھی کہ وہ حاکم وقت سے حضرت قضیب رحمتہ اللہ علیہ کی شکایت کر کے ان کو موصل شہر سے باہر نکلوا دے۔ اس واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے قاضی صاحب خود بیان فرماتے ہیں:

''میں حضرت قضیب البان رحمتہ اللہ علیہ سے بہت حسد کرتا تھا اور میرے ارادہ کے سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کسی کو بھی خبر نہیں تھی۔ ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ حضرت قضیب رحمتہ اللہ علیہ موصل شہر کے ایک محلّہ میں سے گزر رہے تھے۔ اتفاق سے میں بھی سامنے سے آ رہا تھا۔ آپ

کو دیکھ کر اچانک میرے دل میں یہ خیال گزرا کہ اگر اس وقت میرے ساتھ کوئی دوسرا بھی ہوتا تو میں اس سے کہتا کہ ان کو پکڑ کر حاکم وقت کے پاس لے چلو۔

موصل کے قاضی نے ابھی یہ خیال اپنے دل میں سوچا ہی تھا کہ اچانک اس نے دیکھا کہ حضرت قضیب رحمتہ اللہ علیہ نے اپنا ایک قدم اٹھایا تو ایک کردی کی شکل اختیار کر گئے۔ جب دوسرا قدم اٹھایا تو ایک بدوی کی صورت میں تھے۔ پھر آپ نے ایک اور قدم اٹھایا تو ایک فقیہ کی صورت میں ظاہر ہوئے۔ اس کے بعد آپ نے موصل قاضی سے فرمایا۔

''قاضی صاحب آپ نے چار اشکال ملاحظہ فرمائی ہیں۔ یہ بتائیں ان میں سے قضیب کون سا ہے؟ جس کو آپ حاکم وقت کہہ کر شہر بدر کرانا چاہتے ہیں۔''

مرصل کے قاضی نے جب حضرت قضیب البان رحمتہ اللہ علیہ کی یہ کرامت دیکھی تو وہ بے اختیار ہو کر دیوانہ وار آگے بڑھا اور آپ کے ہاتھوں کو چومنے لگا۔ پھر اس نے ساری زندگی کبھی آپ کے ساتھ دشمنی نہ کی۔

ک

کرامت اور سرزنش:

ایک مرتبہ کا ذکر ذکر ہے کہ حضرت شیخ ابوالغیث جمیل رحمتہ اللہ علیہ کی زوجہ محترمہ نے آپ سے عطر کی فرمائش کی۔ آپ نے اپنی زوجہ سے حامی بھر لی۔ اگلے دن آپ بازار تشریف لے گئے تو ایک عطار کے پاس عطر خریدنے کی غرض سے تشریف لے گئے اور عطر خریدنے کے لئے دوکاندار کو اپنی طرف متوجہ کیا۔

عطار نے اپنے دل میں خیال کیا کہ یہ فقیر آدمی ہے، کیا خریدے گا۔ ایسے ہی وقت صائع کرے گا۔ چنانچہ اس نے بے رخی سے آپ کو دکان سے پرے ہٹا دیا اور بولا:

''عطر ختم ہو گیا ہے۔''

حضرت شیخ جمیل رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا:

''اچھا، تو دکان سے عطر ہی ختم ہو گیا ہے۔''

یہ فرما کر آپ وہاں سے چلے گئے۔ تھوڑی دیر بعد عطار نے اپنے برتن دیکھے تو کسی میں بھی عطر نہیں تھا۔ سب برتنوں میں عطر سوکھ گیا تھا۔

عطار بڑا پریشان ہوا۔ کسی نے اسے حضرت صاحب کے مقام سے آگاہ کیا اور اسے آپ کے مرشد کے پاس جانے کا مشورہ دیا۔

عطار دوڑتا ہوا آپ کے مرشد حضرت ابوالاملح یمنی رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں پہنچا اور سارا ماجرہ بیان کیا۔ آپ کے مرشد نے حضرت شیخ کو بلا کر کرامت دکھانے پر سخت سرزنش کی اور آئندہ کے لئے منع بھی فرمایا۔

گوشت اور سبزی کا عمل:

ایک مرتبہ حضرت معلم رحمتہ اللہ علیہ کے ہاں چند لوگ تشریف لائے ۔آپ نے ان کی مہمان نوازی کے خیال سے ان کے لئے میدہ کی روٹیاں اور بھنا ہوا گوشت پیش کیا۔وہ لوگ کہنے لگے:

"یہ تو ہمارا کھانا نہیں ہے۔"

آپ نے فرمایا؟"

"پھر آپ لوگ کیا کھاتے ہیں؟"

وہ بولے:

"ہم تو صرف سبزی ہی کھاتے ہیں۔"

آپ نے انہیں سبزی پیش کی اور گوشت خود تناول فرمالیا ۔وہ لوگ تو ساری رات عبادت میں مشغول رہے جب کہ حضرت معلم رحمتہ اللہ علیہ پوری رات آرام سے سوتے رہے۔صبح فجر کی نماز آپ نے ان لوگوں کے ساتھ ادا کی اور اس کے بعد فرمانے لگے:

"آیئے حضرات تھوڑی سی صبح کی سیر بھی کر رلی جائے۔"

چنانچہ وہ لوگ آپ کے ہمراہ چل دیے ۔آپ ان کو لے کر ایک تالاب پر پہنچے ۔ تالاب کے پانی پر اپنی چادر بچھائی اور اس پر کھڑے ہو کر نماز پڑھنا شروع کر دی ۔ جب وہ نماز سے فارغ ہو گئے تو آپ نے ان لوگوں سے فرمایا:

"یہ تو گوشت کا عمل ہے، بتایئے سبزی کا عمل کہاں تک ہے۔؟"

ل

لالچ بری بلا ہے:

ایک شخص جو کہ بہت غریب تھا۔ اس کے گھر میں اس کی جوان بیٹیاں غربت کی وجہ سے بن بیاہی بیٹھی ہوئی تھیں۔ مگر وانہیں رخصت کرنے سے معذور تھا۔ انہی دنوں حضرت شیخ محکم الدین صاحب ایسر اویسی رحمتہ اللہ علیہ کہیں سفر کرتے ہوئے وہاں تشریف لے آئے۔ ان کے ہمرہ ان کے خادم بھی تھا جس کا نام محمد وارث تھا۔

کسی نے اس غریب آدمی کی حضرت صاحب کے بارے میں بتایا کہ یہ اللہ تعالی کے بڑے نیک ولی ہیں۔ ان سے جا کر ملو۔

وہ شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنی ساری کہانی انہیں جا سنائی۔ آخر میں کہنے لگا:

''حضور! اگر آپ مجھے پانچ سو روپیہ عنایت فرما دیں تو میں اپنی بچیوں کے فرض سے فارغ ہو جاؤں گا۔''

آپ اس وقت بڑے خوشگوار موڈ میں تھے۔ آپ نے اپنا عصا اپنے خادم کے ہاتھ سے لیا اور زمین پر اس کی نوک گاڑھتے ہوئے فرمایا:

''یہاں سے کھود کر پانچ سو روپیہ کی ایک تھیلی نکال لو۔''

آپ کے فرمان کے مطابق زمین کھود کر تھیلی نکالی گئی اور اس شخص کے حوالے کر دی گئی۔ وہ شخص یہ تھیلی لے کر چلا گیا۔ اس شخص کو یہ غلط فہمی ہوگئی کہ اس جگہ بہت سامال دبایا گیا ہے۔ اس نے سوچا کہ جب حضرت محکم الدین رحمتہ اللہ علیہ یہاں سے چلے جائیں گے وہ اس جگہ کو کھود کر باقی دولت بھی نکال لے گا۔ یہی سوچ کر اس نے وہ پانچ سو روپے بے دریغ ہو کر خرچ کر ڈالے۔

کچھ دنوں کے بعد حضرت صاحب اس مقام سے آگے روانہ ہو گئے۔ وہ شخص فوراً اس جگہ پہنچا اور اس جگہ کو کھودنا شروع کر دیا لیکن اسے یہ دیکھ کر بڑی مایوسی ہوئی

کہ وہاں پر کچھ بھی نہیں تھا۔

اب چونکہ وہ پہلے والے روپے بھی خرچ کر چکا تھا اور اس کے پاس کچھ باقی نہ بچا تھا اس لئے اس نے مایوسی کے عالم میں رونا شروع کر دیا اور خود پر بڑی لعن طعن بھی کی کہ اس خواہ مخواہ لالچ کیا اور ہاتھ آئی دولت بھی ضائع کر دی اور بچیاں پھر بھی گھر بیٹھی رہ گئیں۔

پھر اس کے دل میں نجانے کیا خیال آیا کہ وہ حضرت صاحب کے پیچھے بھاگا۔ جلد ہی وہ حضرت صاحب تک پہنچ گیا۔ وہ آپ کے قدموں میں گر کر رونے لگا۔ آپ نے اس سے پوچھا:

''اب کیا ہوا ہے کیوں روتے ہو۔''

وہ کہنے لگا:

''حضور میں نے لالچ سے کام لیا اور آپ کا دیا ہوا تمام روپیہ خرچ کر کے ضائع کر دیا۔''

اس کے بعد اس نے سارا قصہ حضرت صاحب کے گوش گزار کر دیا۔ آپ کو اس شخص پر پھر ترس آ گیا۔ آپ نے پھر اپنا عصا زمین پر مارا اور خادم سے کہا:

''زمین کھود کر ایک تھیلی پانچ سو کی ایک اور نکالو۔''

خادم نے حکم کی تعمیل کی اور تھیلی نکال کر اس شخص کے حوالے کر دی۔ آپ نے اسے آئندہ لالچ سے دور رہنے کی ہدایت فرمائی اور اپنے سفر پر روانہ ہو گئے۔

مامتا اور صبر:

حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ مجلس میں تشریف فرما تھے کہ ایک عورت دیوانہ حالت میں آپ کی محفل میں حاضر ہوئی۔ وہ آتے ہی روتے ہوئے بولی:

''یا حضرت! میرا بیٹا گم ہو گیا، آپ دعا فرمائیں کہ وہ مجھے مل جائے۔''

آپ نے فرمایا:

''اے عورت! تو جا اور صبر کر کے بیٹھ جا۔''

''یہ سن کر وہ عورت چلی گئی لیکن تھوڑی ہی دیر بعد اسی حالت میں روتی پیٹتی واپس چلی آئی اور دعا کے لئے عرض کی۔ حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ نے پھر اس کو وہی جواب دیا۔ چنانچہ وہ پھر واپس چلی گئی لیکن مامتا کی ماری ہوئی کو چین نصیب نہ ہوا۔ آخر کار تیسری مرتبہ پھر آپ کے خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا:

''یا حضرت! اب میرے صبر کا پیمانہ لبریز ہو چکا ہے اور مجھ میں صبر کی طاقت نہیں رہی۔ آپ دعا فرمائیں کہ میرا کھویا بیٹا مجھے مل جائے۔''

آپ نے فرمایا،

''اچھا! تو پھر تو واپس اپنے گھر جا، بس یہ سمجھ لے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے تیرا بیٹا گھر واپس آ چکا تھا۔

یہ سنتے ہی وہ عورت سیدھی اپنے گھر کو بھاگی۔ گھر پہنچ کر اس نے دیکھا کہ واقعی اس کا بیٹا گھر آ گیا ہے۔''

معاملہ بیوی کا:

اولیاء اللہ کی زیارت کا خواہش مند ایک شخص ایک مرتبہ حضرت ابوالحسن خرقانی کی زیارت کی خواہش کیے خرقان میں پہنچا۔ وہ جب حضرت صاحب کے گھر میں پہنچا تو اس وقت حضرت صاحب جنگل میں لکڑیاں لینے گئے ہوئے تھے۔

اس شخص نے گھر والوں سے آپ کے متعلق پوچھا تو آپ کی زوجہ نے بڑے درشت لہجہ میں جواب دیتے ہوئے کہا:

”تم کسی جھوٹے شخص کے بارے میں پوچھتے ہو، وہ ڈھونگی ہے اور اس وقت جنگل میں لکڑیاں لینے گیا ہوا ہے۔“

یہ سن کر اس شخص کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ جس شخص کے بارے میں اس کی بیوی کی یہ خیالات ہیں پتہ نہیں وہ شخص کیسا ہوگا۔

اس کے بعد وہ جنگل کی طرف روانہ ہوگیا۔ جنگل میں پہنچ کر دیکھا کہ حضرت ابوالحسن رحمتہ اللہ علیہ ایک شیر کی پشت پر لکڑیاں لادے چلے آ رہے ہیں۔

اس صاحب کرمت ولی اللہ کی یہ کرامت دیکھ کر اس شخص کو بڑی حیرت ہوئی۔ جب آپ قریب آئے تو وہ شخص بولا:

”حضرت صاحب! یہ تو بتائیں کہ آپ کی زوجہ محترمہ کا آپ کے ساتھ سلوک کچھ اور ہے جب کہ آپ کا معاملہ یہ ہے کہ شیر بھی آپ کے تابعدار ہیں۔“

یہ سن کر حضرت ابوالحسن خرقانی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا:

”بھائی! اگر میں ایسی بیوی کے معاملہ پر صبر نہ کروں تو پھر یہ شیر میرا بوجھ کیسے اٹھا کر چلتا ہے؟“

مردِ حق:

علم وعرفان کے متوالوں کا ایک ہجوم تھا اور حضرت حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ وعظ فرما رہے تھے۔ اتفاق سے حجاج بن یوسف ننگی تلوار اپنے ہاتھ میں پکڑے اپنے محافظوں سمیت اس طرح آ نکلا۔

حضرت حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ کی مجلس میں ایسا شخص بھی بیٹھا تھا جو اپنے دل میں سوچ رہا تھا:

"آج حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ کا امتحان ہو جائے گا کہ وہ حجاج بن یوسف کے سامنے بھی وعظ میں مشغول رہتے ہیں یا اس کی تعظیم کے لئے وعظ چھوڑ کر کھڑے ہو جاتے ہیں۔"

اتنی دیر میں حجاج بن یوسف حضرت حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ کے بالکل نزدیک پہنچ چکا تھا۔ اس نے چاہا کہ آپ اس کی طرف توجہ فرمائیں اور اس کی تعظیم کے لئے کھڑے ہوں مگر آپ نے حجاج کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھا اور حسب سابق اپنے وعظ میں مصروف رہے۔

یہ دیکھ کر وہ شخص اپنے دل میں کہنے لگا،

"حضرت حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ واقعی اللہ کے ولی ہیں۔"

کچھ دیر کے بعد آپ وعظ سے فارغ ہو گئے۔ اتنی دیر تک حجاج ہیں کھڑا رہا تھا۔ آپ کے فارغ ہونے کے بعد حجاج بن یوسف نے مصافحہ کے لئے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا اور لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر بولا:

"اے لوگو! اگر تم کسی مرد حق کو دیکھنا چاہتے ہو تو حضرت حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ کو دیکھ لو۔"

ن

نافرمانی کی سزا:

حضرت جعفر بن نصیر خلدی رحمتہ اللہ علیہ بڑے بلند مرتبہ ولی اللہ تھے۔آپ حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ کے شاگرد خاص تھے۔حضرت جعفر رحمتہ اللہ علیہ کا ایک مرید جس کا نام حمزہ تھا، ایک مرتبہ وہ رات کے وقت آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنے گھر جانے کے لئے اجازت چاہی۔حمزہ نے ایک گٹھڑی جس میں اس نے مرغ، بریانی، اور کباب وغیرہ تھے، الگ سے باندھ کر ایک کونے میں پہلے سے رکھ لئے تھے تاکہ وہ گھر پہنچ کر اپنے بیوی بچوں کو یہ کھلا سکے۔

حضرت جعفر رحمتہ اللہ علیہ نے انکار کرتے ہوئے فرمایا:

''آج تمہیں رخصت نہیں دی جا سکتی ،تم آج رات یہیں رکو۔''

حمزہ نے بہت اصرار کیا اور کہا کہ وہ آج ہی اسے رخصت دیں۔چنانچہ حضرت جعفر رحمتہ اللہ علیہ نے حمزہ کے پرزور اصرار پر اسے رخصت دے دی۔

حمزہ نے کھانوں کی گٹھڑی اٹھائی اور گھر چلا گیا۔رات زیادہ ہونے کی وجہ سے اس کے بیوی بچے سو چکے تھے۔اس لئے وہ بھی سو گیا۔صبح ہوئی تو اس نے اپنی کنیز سے کہا کہ وہ کھانے کا برتن لائے۔کنیز برتن اٹھالا رہی تھی کہ اچانک اس کے ہاتھ سے برتن گرا اور سارا کھانا زمین پر بکھر گیا۔

یہ دیکھ کر حمزہ جلدی سے بولا:

''مرغ کی بوٹیاں تو زمین سے اٹھالو ہم دھو کر انہیں کھالیں گے۔''

ابھی اس نے یہ بات کہی تھی کہ اچانک ایک طرف سے ایک کتا آیا اور گوشت کی بوٹیاں منہ میں دبا کر چلتا بنا۔

حمزا اور اس کے بچے بھوکے ہی رہ گئے۔ اگلے دن حمزہ حضرت جعفر رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنے ساتھ پیش آنے والا واقعہ سنانے ہی والا تھا کہ جعفر رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا،

''جو لوگ ہماری بات نہیں مانتے ان کا کھانا زمین پر گر جاتا ہے اور گوشت کتے اٹھا کر بھاگ جاتے ہیں۔''

نصرانی طبیب اور حضرت بشر حافی رحمتہ اللہ علیہ:

حضرت بشر حافی رحمتہ اللہ علیہ جب بیمار ہوئے (اور اسی بیماری کی وجہ سے آپ کا وصال ہوگیا۔) تو آپ کے عقیدت مندوں نے اصرار کیا اور کہنے لگے۔

''یا حضرت! آپ کو کسی اچھے حکیم کو دکھا کر علاج کرانا چاہئے۔''

آپ نے اس سے انکار فرمایا اور کہنے لگے:

''میں اپنے طبیب رب تعالیٰ کے حضور حاضر ہوں اور وہ مجھے دیکھ رہا ہے جو اس کی رضا ہوگی وہ کرے گا اور میں اپنے رب کی رضا پر راضی ہوں۔''

جب آپ کے عقیدت مند بہت زیادہ مصر ہوئے تو آپ کی ہمشیرہ صاحبہ نے آپ کا قارورہ لوگوں کے حوالے کر دیا۔ چنانچہ جب لوگ حضرت بشر رحمتہ اللہ علیہ کا قدرورہ لے کر اسی محلّہ کے ایک نصرانی طبیب کے پاس گئے۔ اس نے جب قارورہ کا معائنہ کیا تو وہ حیرت زدہ رہ گئے اور کہنے لگا:

''اگر تو یہ قاروزہ کسی نصرانی کا ہے تو وہ یقیناً بہت ہی بڑا راہب ہوگا کیونکہ اس قارورہ والے کا جگر اللہ تعالیٰ کے خوف سے ریزہ ریزہ ہو چکا ہے اور اگر یہ قارورہ کسی مسلمان کا ہے تو پھر یہ یقیناً بشر حافی رحمتہ اللہ علیہ کا ہے۔''

لوگوں نے اسے بتایا کہ یہ قارورہ حضرت بشر حافی رحمتہ اللہ علیہ کا ہے۔ یہ سن کر

اس نصرانی طبیب کے دل پر رقت طاری ہوگئی۔ بے اختیار کلمہ پڑھا اور اسلام قبول کرلیا۔

جب حضرت بشر حافی رحمتہ اللہ علیہ کے عقیدت منداس طبیب کے پاس سے واپس آئے تو ان کو دیکھتے ہی حضرت بشر حافی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا۔

''تمہارا طبیب تو مسلمان ہوگیا۔''

---------اختتام--------حصہ اول-----

و

ولی اللہ کا حکم:

ایک مرتبہ حضرت ابراہیم وادھم رحمتہ اللہ علیہ اپنے چند ساتھیوں کے ہمراہ کوہ بو قبیس پر تشریف فرماتھے۔آپ نے اپنے درویش ساتھیوں سے فرمایا:

''اگر اولیا اللہ میں سے کوئی ولی بھی کسی پہاڑ کو یہ حکم دے دے کہ وہ اپنی جگہ سے ہل جائے تو وہ فوراً ہل جائے جائے گا۔''

حضرت ابراہیم ادھم رحمتہ اللہ علیہ ابھی یہ بات فرما ہی رہے تھے کہ پہاڑ نے ہلنا شروع کر دیا۔آپ نے اپنے پائے مبارک کو زور سے اس پہاڑ پر مارا اور فرمانے لگے:

''رک جا، میں نے تو اپنے دوستوں کے سامنے ایک مثال بیان کی ہے۔''

ولی اللہ کا خون بہا:

حضرت شیخ مجد والدین بغدادی رحمتہ اللہ علیہ حضرت نجم الدین کیسری رحمتہ اللہ علیہ کے مرید اور خلیفہ تھے۔ایک مرتبہ آپ نے عالم سکر میں فرمایا:

''میں تو بطخ کا انڈہ تھا اور دریا کے کنارے پر بے کار پڑا ہوا تھا۔ حضرت شیخ نجم الدین رحمتہ اللہ علیہ نے مجھے اپنے پروں کے نیچے رکھ کر تربیت دی۔چنانچہ میں انڈے سے نکلا اور جب بطخ بنا تو پھر دریا میں تیرنے لگا اور حضرت شیخ نجم الدین رحمتہ اللہ علیہ کنارے پر بیٹھ کر مجھے دیکھتے رہے۔''

آپ کا یہ فرمان جب حضرت شیخ نجم الدین کیسری رحمتہ اللہ علیہ کے کانوں میں پڑا تو آپ جلال میں آ گئے اور ارشاد فرمایا:

''مجد والدین اب دریا میں چلے گئے ہیں لہذا اسی دریائے معرفت

میں غرق ہوں گے۔''

لوگوں نے آپ کا یہ فرمان جب حضرت مجد دالدین رحمتہ اللہ علیہ تک پہنچایا تو وہ ڈر گئے اور فوراً حضرت سعد الدین رحمتہ اللہ علیہ کے پاس گئے اور درخواست کی کہ جب پیر و مرشد کا موڈ ٹھیک ہو تو مجھے اطلاع کر دینا، میں آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر معافی مانگ لوں گا شاید کہ مجھے اس دریا سے سلامتی کا کنارہ مل جائے۔

کئی روز گزرنے کے بعد ایک دن حضرت شیخ نجم الدین رحمتہ اللہ علیہ بڑے خوشگوار موڈ میں تشریف فرما تھے کہ حضرت سعد الدین رحمتہ اللہ علیہ نے حضرت مجد دالدین رحمتہ اللہ علیہ کو اطلاع بھیجی کہ مرشد رحمتہ اللہ علیہ بڑے اچھے موڈ میں ہیں۔

حضرت شیخ مجد دالدین رحمتہ اللہ علیہ دہکتے ہوئے کوئلوں کا ایک طشت اٹھائے ہوئے اپنے مرشد کی بارگاہ میں حاضر ہو گئے اور جوتوں کی جگہ پر کھڑے ہو گئے۔ مرشد نے نظر اٹھا کر دیکھا تو ارشد فرمایا:

''مجد الدین، تم نیازمندانہ آئے ہو۔ انشا اللہ تعالی سلامتی پاؤ گے مگر آخر کار تمہاری موت دریا میں ہی ہو گی۔ تم وقت کے اولیاء اللہ کے سردار ہو گے اور پھر ایک وقت ایسا آئے گا جب خوارزم کے تمام روساء اور امراء کے سر تمہارے سامنے سرنگوں ہوں گے اور پھر وہ وقت بھی آئے گا جب اس سرزمین کے ٹکڑے پر بہت بڑی تباہی آئے گی۔''

یہ خوارزم شاہ کی حکومت کا دور تھا۔ شاہ کی والدہ کا خوبصورتی میں کوئی ثانی نہ تھا۔ حضرت مجد دالدین رحمتہ اللہ علیہ کی مجلس وعظ میں یہ خاتون اکثر شرکت کیا کرتی تھی اور آپ کے وعظ سے بڑی متاثر تھی۔ اسے آپ سے اتنی عقیدت تھی کہ بعض اوقات وہ رات کے وقت حضرت شیخ کی زیارت کے لئے چلی جاتی تھی۔

ایک رات جب کہ شاہ خوارزم شراب کے نشے میں تھا کہ حضرت شیخ کے مخالفین نے موقع غنیمت جان کر شاہ سے کہا کہ آپ کی والدہ نے خفیہ طور پر مجد والدین سے شادی کر رکھی ہے اور اس وقت وہ دونوں باہمی اختلاط کر رہے ہیں۔ شاہ خوارزم یہ سن کر غصے سے آگ بگولا ہو گیا اور حکم دیا کہ ملاحوں کو بلایا جائے جب ملا آ گئے تو بادشاہ نے ات سے کہا:

"آج حضرت مجد والدین کی دریا کی سیر کراؤ اور کشتی کو منجدار میں لے جا کر ڈبو دینا۔"

ملاحوں نے حکم کے مطابق ایسا ہی کیا۔

جب اس بات کی خبر شیخ نجم الدین رحمتہ اللہ علیہ کو ملی تو آپ بے حد رنجیدہ ہوئے اور فرمایا:

"انا للہ وانا الیہ راجعون۔ میرے عزیز مرید کو دریا میں پھینک کر کار دیا گیا ہے۔ اسی وقت سر سجدے میں رکھا اور دعا مانگی۔"

"اے اللہ اس نا عاقبت اندیش بادشاہ سے تخت سلطنت خالی کرا دے۔"

اللہ تعالی کی بارگاہ میں یہ دعا قبول ہوئی۔

دوسری طرف جب شاہ خورزم کو اس بارے میں اصل حقائق کا علم ہوا تو وہ ڈر گیا اور سوچنے لگا:

"میں نے بڑا ظلم کیا ہے، اور حضرت صاحب کو ناحق دریا میں ڈبو دیا ہے، اب تو قصاص لازم ہے یا خون بہا۔"

چنانچہ وہ یہ سوچ کر سونے کا ایک طشت اٹھائے جس میں بہت سی دولت موجود تھی، اور دو تلواریں لٹکائے سر پر کفن باندھے حضرت نجم الدین رحمتہ اللہ علیہ کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور ننگے سر جوتوں کی جگہ پر کھڑا ہو گیا اور سر جھکا کر کہنے لگا:

”اگر دیت کا حکم ہو تو یہ خون بہا حاضر ہے، اگر قصاص کا حکم ہو تو تلوار اور کفن حاضر ہے۔“

حضرت شیخ نجم الدین رحمتہ اللہ علیہ اس وقت حالت جلال میں تھے۔ فرمانے لگے:

”میرے عزیز مرید کو مار کر اب روپیہ اور سر لے کر آیا ہے، کیا اس کی اتنی ہی قدر و منزلت تھی۔ یہ بات تو کاتب تقدیر نے لکھ دی ہے کہ مجد والدین کے خون بہا میں سلطنت تم سے چھن جائے گی، تیرا سر قلم کر دیا جائے گا اور پھر میرا سر کاٹا جائے گا، ہزاروں بے گناہوں کا قتل عام ہوگا اور جتنے اس زمانے کے اولیا اللہ سب اپنی جان کی قربانی دیں گے۔“

آپ پر جذب کی کیفیت تھی، آپ نے ایک ایک کا نام لینا شروع کر دیا یہاں تک کہ فرید الدین عطار کا سر بھی کہا۔

بادشاہ نے جب آپ کا جلال دیکھا تو بہت خوفزدہ ہوا اور نا امید واپس چلا گیا۔

پھر وہی کچھ ہوا جس کی پیشین گوئی نجم الدین رحمتہ اللہ علیہ نے کی تھی۔ تھوڑا عرصہ ہی گزرا تھا کہ چنگیز خان نے تاتار فوجوں کی قیادت کرتے ہوئے حملہ کیا اور اس کی فوجیں سلطنت خوارزم کو تباہ کرتی ہوئی شہر میں داخل ہو گئیں، ہر طرف قتل و غارت گری کا بازار گرم کر دیا۔ شاہ خوارزم مارا گیا۔ حضرت نجم الدین رحمتہ اللہ علیہ بھی شہید ہو گئے اور ہزاروں بے گناہ مارے گئے۔ اس طرح ایک ولی اللہ کی پیشین گوئی حرف بحرف پوری ہوئی جو انہوں نے ایک ولی اللہ کے خون ناحق بہانے پر کی تھی۔

۵

ہیبت:

خلیفہ منصور نے اپنے ایک وزیر کو حکم دیا:

''حضرت امام جعفر صادق رحمتہ اللہ علیہ کو گرفتار کر کے میرے سامنے پیش کرو تا کہ میں ان کو قتل کر سکوں۔''

وزیر نے ادب سے کہا:

''اے خلیفہ! انہوں نے تو ایک مدت ہوئی گوشہ نشینی اختیار کر رکھی ہے۔وہ تو ہر وقت اللہ اللہ کرتے رہتے ہیں، حکومت کے کاموں میں کوئی مداخلت نہیں کرتے، ان کے قتل سے آپ کو کیا فائدہ ہو گا۔''

خلیفہ نے سختی سے کہا:

''جو میں نے کہا اس پر فوراً عمل کرو۔''

وزیر کی تمام کوششیں ناکام ہوئیں اور خلیفہ اپنے ارادے پر ڈٹا رہا۔آخر مجبور ہو کر وزیر کی تمام کوششیں ناکام ہوئیں اور خلیفہ اپنے ارادے پر ڈٹا رہا۔آخر کار مجبور ہو کر وزیر امام جعفر صادق رحمتہ اللہ علیہ کی عبادت گاہ کی طرف روانہ ہو گیا۔وزیر کے جانے کے بعد خلیفہ نے اپنے غلاموں کو سمجھاتے ہوئے کہا:

''جس وقت امام جعفر دربار میں آئیں اس وقت ٹوپی سر سے اتاروں گا، بس تم ان کر اسی وقت قتل کر دینا۔''

تھوڑی دیر کے بعد حضرت امام جعفر صادق رحمتہ اللہ علیہ تشریف لے آئے۔ آپ کو دیکھتے ہی خلیفہ کو نجانے کیا ہوا وہ ایک دم آپ کی تعظیم کے لئے اٹھ کھڑا ہوا اور آپ کو اپنی مسند پر عزت و احترام سے بیٹھایا اور خود مودب ہو کر آگے بیٹھا رہا۔ پھر عرض کرنے لگا:

''یا حضرت! اگر آپ کی کوئی حاجت ہو تو فرمائیں۔''

حضرت امام جعفر صادق رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا:

''پھر کبھی مجھے اپنے پاس نہ بلانا۔''

یہ کہہ کر آپ منصور کے دربار میں سے تشریف لے گئے۔ آپ کے جاتے ہی خلیفہ منصور بے ہوش ہوکر گر پڑا، کافی دیر کے بعد جب اسے ہوش آیا تو وزیر نے اس سے بے ہوشی کے بارے میں پوچھا۔

منصور نے جواب دیا:

''جس وقت حضرت امام جعفر صادق رحمتہ اللہ علیہ اندر تشریف لائے تو میں نے دیکھا کہ ایک اژدھا بھی ان کے ساتھ منہ کھولے چلا آرہا ہے۔ مجھے یوں لگا جیسے اگر میں نے امام صاحب کو ذرا بھی تکلیف پہنچائی تو وہ مجھے کھا جائے گا۔ چنانچہ اسی خوف کی وجہ سے میں نے امام صاحب کی عزت بھی کی اور اسی اژدھا کی ہیبت سے میں بے ہوش ہوگیا۔''

۲

آدمی اور بت:

کسی شخص کے پاس لکڑی کا ایک بت تھا وہ ہر روز اس کی پوجا کرتا چونکہ وہ آدمی بہت غریب تھا اس لئے اکثر اس بت سے روپے پیسے مانگتا تھا۔ وہ بہت دن پوجا کرتا رہا لیکن کچھ حاصل نہ ہوا ایک دن اس ناامید ہو کر غصہ سے بت کو زمین پر دے مارا جس سے بت ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔ بت کے پیٹ میں بہت سا پیشہ بھرا ہوا تھا وہ سب نکل پڑا۔ وہ آدمی یہ دیکھ کر خوش ہوا اور بولا۔

"اے بے وقوف اور ضدی بت! جب میں تیری پوجا کرتا تھا تو نے میری ایک نہ سنی اور جب میں نے تجھے پاش پاش کر دیا تو مجھے اتنا پیشہ ملا جو میرے وہم و گمان میں بھی نہ تھا۔"

آدمی اور سانپ:

ایک دن ایک بچہ کھیت میں کھیل رہا تھا۔ اتفاق سے اس کا پاؤں ایک سانپ پر جا پڑا۔ سانپ نے غصہ میں آکر اس بچہ کو کاٹ لیا۔ بچہ وہیں مر گیا۔ بچے کا باپ اس واقعہ سے بہت رنجیدہ ہوا اور ہاتھ میں ڈنڈا لے کر سانپ کو مارنے اس کے پیچھے دوڑا۔ سانپ اپنے بل کی طرف بھاگا جب بل میں گھسنے لگا تو اس آدمی نے اتنی زور سے سانپ کو ڈنڈا مارا کہ اس کی دم کٹ گئی لیکن وہ آرام سے بل میں گھس گیا۔ دوسرے دن آدمی نے سوچا کہ اس سانپ کو مکر و فریب سے ختم کیا جائے اور اپنا بدلہ پورا کیا جائے۔ یہ سوچ کر وہ شہد آٹا اور نمک بل کے پاس ڈال کر بولا۔

"اے سانپ! میں چاہتا ہوں ہم تم دوبارہ آپس میں دوستی کر لیں اور دل میں جو نفرت پیدا ہو گئی ہے اس کو ختم کر ڈالیں سانپ نے اندر ہی جواب دیا۔"

"اے دوست تم دوستی کرنے کے لئے زیادہ تکلیف نہ کرو اور پریشان

مت ہو کیونکہ جب تک تم کو اپنے مرے ہوئے بیٹے کی یاد اور تکلیف دل میں رہے اور مجھے اپنی کٹی ہوئی دم کا دکھ دل میں رہے گا۔اس وقت تک یہ ممکن ہی نہیں ہے کہ ہم آپس میں مل جائیں اور دوستی کرلیں۔''

آدمی اور بلی:

ایک آدمی کے پاس ایک بلی تھی اور اس سے خوب کھیلا کرتا اور اس سے اپنا دل لبھاتا اور اس کو خوب پیار کرتا۔آخر کار وہ بلی کی وجہ سے بہت بے تاب ہوا تو اس نے بارگاہ خداوندی میں عرض کی۔

''اے خدا! مجھے اس کی محبت سے نجات دے۔''

اس کی دعا قبول ہوئی اور خدا نے اس کو ایک خوبصورت عورت بنا دیا وہ آدمی بہت خوش ہوا اور اسی دن ان دونوں کی شادی ہوگئی۔رات ہوئی تو وہ لوگ سو گئے رات کو پردے کے پیچھے سے چوہوں کی کھسر پھسر کی آوازآئیں جو اس عورت نے بھی سنیں اس وقت اٹھ کر چوہوں کو پکڑ کر کھانے کے لئے بھاگی۔خدا کو اس کی یہ حرکت پسند نہ آئی اور کہا:

''اگرچہ تیری ظاہری صورت عورت کی سی ہوگئی ہے لیکن اندر سے تیری فطرت بلی ہی کی ہے یہ سوچ کر اس کو پھر بلی بنا دیا گیا تاکہ سیرت صورت کے مطابق ظاہر باطن کے مطابق ہی رہے۔''

ایک گویا:

ایک گویا جگہ جگہ جاتا گاتا بجاتا اور نادان لوگوں کا دل بہلاتا ان کو خوش کرتا تھا۔ ایک دن اس نے سوچا کہ کسی میلہ میں جا کر گائے اور وہاں ہنر دکھا کر بہت سے پیسے بٹورے۔ یہ سوچ کر میلہ کے منتظم کے پاس جا کر اپنا ارادہ ظاہر کیا۔ اس نے امتحان کی غرض سے میلہ میں آنے دیا تا کہ دیکھیں کہ کیسا گاتا ہے۔

میلہ میں بہت لوگ تھے جب وہ گانے لگا تو لوگوں کو اس کی آواز اچھی طرح سنائی نہ دی اور کئی لوگ جو اس کے قریب تھے اور انہوں نے اچھے گویوں کی آوازیں سنی تھیں اس کی مکروہ آواز سن کر بے حد ناراض ہوئے ،لہذا اس کو بے عزت کر کے وہاں سے نکال دیا گیا۔

انصاف پسند شیر:

ایک شیر نے ایک بیل کا شکار کیا اور اس کو کھانے لگا۔ اتنے میں ایک چور وہاں آیا اور بولا

''اس میں سے آدھا مجھ کو دو۔''

شیر نے کہا:

''اے دوست! جس چیز پر تیرا حق نہیں ہوتا اس کو چرا کر لے جاتا ہے میری نظروں سے دور ہو جا میں تجھ کر کچھ نہیں دوں گا۔''

اتفاق سے ایک غریب مسافر اس راستے پر نکل آیا۔ وہ شیر کو دیکھ کر ڈرا اور آہستہ سے دوسری جانب جانے لگا شیر نے اس کی شرافت دیکھ کر اس کو نرمی سے بلایا اور کہا:

''آؤ اس شکار میں سے تم اپنا حصہ لے لو۔ کیونکہ تیری شرافت اور نیک چال چلن کی وجہ سے تجھے دنیا زیادہ افضل ہے۔''

یہ کہہ کراس نے شکار کے دو حصے کیے اور اپنا حصہ لے کر جنگل کی طرف چلا گیا۔دوسرا حصہ اس غریب مسافر کے لئے چھوڑ دیا۔

بچہ اور ماں:

ایک لڑکا ہر روز اسکول جاتا تھا۔ایک دن اس نے اپنے ہم جماعت کی کتاب چوائی اور اپنی ماں کولا کر دی ماں پر فرض تھا کہ اس کو اس بات سے منع کرتی، ڈانٹی ڈپٹتی اور مارتی۔مگر اس نے اس کو نصیحت کے بجائے اس کو پیار کیا گلے سے لگایا اور کھانے کو ایک سیب دیا۔لڑکے کا حوصلہ بڑھ گیا۔پھر لڑکا بڑا ہو گیا تو اس نے چوری ہی کو پیشہ بنالیا ہمیشہ چوری کرتا اور چیزیں ماں کولا کر دیتا۔

ایک مرتبہ اس نے بڑی ڈکیتی کی اور پکڑا گیا۔عدالت نے اس پھنسی کی سزا دی ۔جب پھانسی دینے کیلئے جانے لگےتو اس وقت بہت سارے لوگ جمع تھے اس کی ماں بھی روتی چیختی وہاں پہنچی اس چور نے اپنی ماں کو دیکھ کر کہا:

”مہربانی فرما کر مجھے اجازت دیں کہ میں اپنی ماں سے کچھ بات کر لوں۔“

”اس کی یہ بات مان لی گئی۔جب اسکی ماں اس کے قریب آئی تو اس نے اپنی ماں کے کان کے نزدیک ہو کر اپنی ماں کا کان کاٹ لیا۔لوگوں کو یہ دیکھ کر بہت تعجب ہوا اور مرتے وقت بھی ایسی نازیبا حرکت کی اور گناہ کمایا اس نے جواب دیا اے دوستو! پہلے میری بات سنو اس کے بعد جو چاہو سو کہنا۔یہ عورت اس سے بھی زیادہ سزا کی مستحق ہے۔اس لئے کہ جب بچپن میں میں نے اپنے جماعت کی کتاب چوری کی تھی اور اس کو لا کر دی تھی اگر یہ اس وقت مجھے مارتی پیٹتی اور نصیحت کرتی تو آج میری یہ حالت نہ ہوتی۔“

ابابیل اور پندے:

ایک کسان اپنے کھیت میں سن بو رہا تھا۔ ایک ابابیل یہ دیکھ کر دوسرے پرندوں سے کہنے لگا:

''ہم سب مل کر اس کے کھیت کو اجاڑ کر ویران کر دیتے ہیں۔ اس لئے کہ وہ اسی خراب چیز سے دھاگا بنا کر جال بنائے گا اور بہت سے بے قصور پرندوں کو پکڑے گا۔''

ابابیل نے بہت زور دیا لیکن پرندوں نے ایک نہ سنی۔ پھر سن شروع ہو گیا۔

اس نے پرندوں کو پھر توجہ دلائی اور کہا:

''ابابیل نے بہت زور دیا لیکن پرندوں نے ایک نہ سنی۔ پھر سن اگنا شروع ہو گیا۔ اس نے پرندوں کو پھر توجہ دلائی اور کہا:

''جلدی سے اس کو مل کر اجاڑ دیں۔ تا کہ بڑھنے نہ پائے۔''

پھر بھی پرندوں پرندوں نے بات نہ سنی اسی اثناء میں سن کچھ بڑھ گیا۔ تیسری دفعہ ابابیل نے پھر توجہ دلائی لیکن وہ نہ مانے اور ابابیل کا مذاق اڑانے لگے۔ اور بولے کہ:

''یہ خواہ مخواہ نصیحت کرتا پھرتا ہے اور ہمیں پریشان کرتا ہے۔''

جب ابابیل نے دیکھا کہ اس کی نصیحت ان پر اثر نہیں کرتی تو وہ ان نادان اور غافل پرندوں کی دنیا چھوڑ کر بستی میں آ گیا اور انسانوں کے ساتھ رہنا شروع کر دیا۔

ب

بزرگ اور کلہاڑی:

ایک آدمی ندی کے کنارے ایک درخت کاٹ رہا تھا۔ اچانک کلہاڑی اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر پانی میں گر گئی۔ وہ آدمی بہت افسردہ ہوا اور رونے لگا۔ اس کو روتا دیکھ کر ایک بزرگ اس کے پاس آئے اور پوچھا:

''تو کیوں رو رہا ہے۔''

''میری کلہاڑی ندی میں گر گئی ہے۔ بزرگ نے پانی میں غوطہ لگایا اور وہاں سے سونے کی کلہاڑی نکال کر لایا اس سے پوچھا کہ یہ تیری کلہاڑی ہے۔ اس آدمی نے جواب دیا نہیں یہ کلہاڑی میری نہیں ہے۔ بزرگ نے پھر پانی میں غوطہ لگایا اور چاندی کی ایک کلہاڑی نکال کر لایا اور پوچھا یہ تیری کلہاڑی ہے۔ اس آدمی نے پھر انکار کیا اور کہا کہ یہ بھی میری نہیں ہے۔

بزرگ نے تیسری مرتبہ غوطہ لگایا اور وہی کلہاڑی جو پانی میں گر گئی تھی نکال کر لایا اپنی کلہاڑی کو دیکھتے ہی غریب آدمی بہت خوش ہوا اور بزرگ کا بہت شکریہ ادا کیا اور اپنی کلہاڑی لے لی۔ بزرگ اس کی دیانت داری پر بہت خوش ہوئے اور سونے چاندی کی دونوں کلہاڑیاں اس کو بطور انعام دے دیں۔ اس کے بعد اس آدمی نے یہ سارہ قصہ اپنے دوستوں کو سنایا یہ سن کر دوسرے دن ایک شخص ندی کے کنارے گیا اور اپنی کلہاڑی جان بوجھ کر پانی میں پھینک دی اور زمین پر بیٹھ کر رونے لگا۔ وہی بزرگ آئے اور پوچھا کہ کیوں رو رہے ہو اس نے کہا کہ میری کلہاڑی پانی میں گر گئی ہے۔ وہ غوطہ مار کر سونے کی کلہاڑی لایا اور اس کو دکھائی اور پوچھا کہ یہ تمہاری ہے سونے کو دیکھتے ہی وہ آدمی بہت خوش ہوا اور کہا میری ہے اور لینے کے لئے دوڑا۔ بزرگ اس کی بے شرمی اور بے ایمانی پر بہت ناراض ہوئے۔ سونے کی کلہاڑی نہ دی بلکہ اس کو لوہے کی کلہاڑی بھی نکال کر نہ دی۔

بکرا اور بھیڑیا:

ایک بکرا ایک اونچی جگہ جگہ پر چڑھ گیا اور ایک بھیڑیئے کو جو نیچے کھڑا ہوا تھا گالیاں دینے لگا اس پر بھڑیئے نے اوپر دیکھ کر کہا:

''اے بے وقوف جانور! اتنا غرور اور تکبر مت کر میں جانتا ہوں کہ ی بدزبانی تو نہیں کر رہا ہے بلکہ یہ اس اونچی جگہ سے ہے جہاں تو اس وقت کھڑا ہوا ہے۔

بندر اور لومڑی:

ایک دن ایک بندر نے لومڑی سے کہا کہ:

''اپنی لمبی اور گھنی دم کا ایک ٹکڑا مجھے دے دو۔ میں اپنے کولہے چھپاؤں گا۔ میرے کولہے، گرمی، سردی، بارش، غرضیکہ ہر موسم میں ننگے رہتے ہیں تیری دم تو بڑی لمبی اور گھنی ہے اور زمین پر گھسٹتی رہتی ہے اور تیری ضرورت سے زیادہ ہے۔''

لومڑی نے لاپرواہی سے کہا،

''ہو گی لیکن تم خوب سمجھ لو جب تک میں زندہ ہوں اس وقت تک اپنی دم زمین پر اسی گھسٹتی رہوں گی لیکن تمہارے ناپاک اور بدبودار کولہوں کے لئے اس میں سے بال برابر بھی نہ دوں گی۔''

بوڑھا آدمی اور اس کے بیٹے:

ایک بوڑھے آدمی کے بہت سے بیٹے تھے وہ سب آپس میں لڑتے جھگڑتے رہتے تھے۔ باپ نے ان کو بہت سمجھایا بڑی نصیحتیں کیں مگر سب بے سود۔ آخر میں باپ نے حکمت سے کام لیا۔ اس نے ان سے چھوٹی چھوٹی لکڑوں کا گٹھا منگوایا اور کہا:

''تم ہر ایک الگ الگ اپنی طاقت سے یہ گٹھا توڑ دو۔''

ہر ایک نے برابر لگا مگر اس کو توڑ نہ سکے۔ پھر اس نے کہا کہ:

''گٹھا کھول دو اور ہر لکڑی کو الگ الگ کر کے توڑ دو۔''

تو ہر ایک نے آسانی سے وہ لکڑیاں توڑ دیں پھر باپ نے کہا۔

''اے بیٹو! اتحاد اتفاق ایسی چیز ہے جس کا تجربہ تم پہلے کیا اور علیحدگی اور نفاق کا حشر بھی تم نے دیکھ لیا لہذا تم سب مل جل کر رہو اور ہنسی خوشی اپنی زندگی بسر کرو اگر تم متحدہ ہو گے تو کسی دشمن کی ہمت نہیں کہ تم پر حملہ کر سکے یا تمہیں مار سکے۔ اگر آپس میں دشمنی رکھو گے اور الگ الگ ہو جاؤ گے تو کوئی بھی ظالم تم کو آسانی سے مار دے گا ۔''

بگلے، ہنس اور لق لق:

ایک کسان کے کھیت میں بہت سے بگلے اور ہنس آتے اور اناج چگ جاتے ۔ یہ دیکھ کر کسان نے ان کو پکڑنے کے لئے جال لگایا۔ کئی قاز اور ہنس پکڑے گئے ۔ اتفاق سے ایک لق لق بھی ان میں پھنس گیا۔ جب کسان وہاں آیا تو لق لق کہنے لگا۔

''جناب! مجھ کو چھوڑ دو دیکھوں میں قاز ہوں نہ بگلا میں تو غریب سیدھا لق لق ہوں ہم اپنے ماں باپ کی خدمت کرتے ہیں بڑھاپے میں ان کو کھلاتے پلاتے ہیں اوران کے آرام وسکون کا خیال رکھتے ہیں اور جب ضرورت ہو تو ان کو ایک جگہ سے دوسری جگہ اپنی پیٹھ پر بٹھا کر لے جاتے ہیں۔''

کسان نے کہا:

''تم یہ سب کام ضرور کرتے ہو گے، لیکن میں نے تجھ کو ان بدمعاشوں کے ساتھ پکڑا ہے اس لئے ضروری ہے کہ تجھ کو بھی وہی سزا ملے جو ان کو دی جائے گی۔''

بادشاہ اور غلام:

ایک دن ایک بادشاہ کہیں سیر کو گیا اور پہاڑ پر بنے ہوئے ایک گھر میں ٹھہرا۔ وہاں سے نکلنے والے دونوں دریا نظر آتے تھے۔ شام کو بادشاہ ایک کی سیر کو نکلا ایک غلام جو باغ کی دیکھ بھال کے لئے مقرر تھا اور وہیں رہتا تھا۔ صاف ستھرا لباس پہن کر ایک برتن میں پانی لیے جہاں بادشاہ جاتا اس کے آگے پانی کا چھڑکاؤ کرتا ہوا

چلتا۔ بادشاہ یہ دیکھ کر ہنسنے لگا۔ بادشاہ کو اس غلام کے دل کا ارادہ معلوم ہو گیا تھا۔ بادشاہ نے اس کو بلایا:

''اے غلام! یہاں آؤ۔''

یہ سن کر وہ غلام خوشی سے دوڑا دوڑا آیا اس کو یہ امید تھی کہ بادشاہ اس کو آزاد کر دے گا۔ جب وہ قریب آیا تو بادشاہ نے اس سے کہا:

''میں یہ دیکھ رہا ہوں کہ تو بڑی محنت کرتا ہے لیکن وہ محنت بے فائدہ ہے۔ اگر تو کسی دوسرے کام میں محنت کرتا تو تیرے لئے زیادہ بہتر تھا۔ میں تجھے صاف بتا دیتا ہوں کے ایسے ناکارہ کام کے عوض میں تجھے ہرگز آزاد نہیں کروں گا۔''

پ

پہاڑ اور چوہا:

کہتے ہیں کہ کسی زمانے میں پہاڑوں میں سے رونے چیخنے کی آوازیں آنے لگیں۔قریب وجوار کے سارے لوگ لوگ یہ سن کر وہاں گئے کہ دیکھیں اس میں سے کیا برآمد ہوتا ہے۔بہت دیر تک انتظار کرتے رہے آخر میں سے ایک چوہا نکلا۔

پیٹ اور دوسرے اعضاء:

کسی زمانے میں پیٹ اور دوسرے انسانی اعصاء بول سکتے تھے۔ہر عضو کو اپنا اپنا اختیار تھا۔ایک دن تمام اعضاء پیٹ پر بڑے ناراض ہوئے۔آپس میں کہنے لگے:

''یہ پیٹ کچھ کام نہیں کرتا ہم لاتے ہیں اور کھاتا ہے۔اب ہم یہ کریں گے کہ کوئی بھی اسکیلئے کس قسم کی محنت اور مشقت نہیں کرے گا،اور نہ اس کو کچھ کھلائے گا۔''

''اگر وہ بھوک سے مر بھی جائے تب بھی اس کے لئے ایک انگلی بھی نہیں ہلاؤں گا۔''

منہ نے کہا:

''اگر اس کے لئے کچھ بھی کھاؤں تو خدا کرے میں گونگا ہوں جاؤں۔'' دانتوں نے کہا:

''اگر ہم اس کے لئے ایک لقمہ بھی چبائیں تو سڑ جائیں۔''

ہر عضو قسم کھا کر اسی طرح ہو رہا اور پیٹ کا بائیکاٹ کر دیا۔

آخر کار چند دن کے بعد حالت یہ ہوگئی کہ بھوک کے مارے ہر عضو سوکھ کر کانٹا ہو گیا جس پر ہڈیاں اور کھال ہی رہ گئی۔پھر ہوش میں آئے اور معلوم ہوا کہ پیٹ کے بغیر ہمارہ گزارہ نہیں بظاہر اگر چہ دوست نظر

آتا ہے لیکن ہماری خوبی اور رونق اسی کے دم سے ہے جسے ہم اس کی پرورش کرتے ہیں ویسے وہ بھی ہمارے کام آتا ہے۔

ت

تیتر اور چڑی مار:

ایک چڑی مار نے پرندے پکڑنے کے لئے جال لگایا۔ اس میں تیتر آ کر پھنس گیا۔ تیتر نے کہا مجھے چھوڑ دو اگر تو نے مجھے آزاد کر دیا تو میں دوسرے تیتروں کو لا کر تیرے جال میں پھنسواؤں گا۔ چڑی مار نے کہا کہ پہلے میں یہ سوچ رہا تھا کہ تجھے چھوڑ دوں لیکن تیری بات سے معلوم ہوا ہے کہ تو بڑا کمینہ ہے جو اپنی جان بچانے کے لئے اپنے بھائیوں کو مصیبت میں پھنسانا چاہتا ہے۔ لہذا ایسے بد بخت کا مر جانا ہی بہتر ہے۔

ترمچی کی موت:

ایک مرتبہ ایک جنگ میں ترمچی (بگل بجانے والا) دشمن کے ہاتھوں پکڑا گیا۔ وہ اسکو قتل کرنے لگے تو وہ نہایت عاجزی اور انکساری سے کہنے لگا:

''اے دوستو! میں بالکل بے قصور ہوں خدا کے لئے مجھے نہ مارو دیکھو اس بگل کے علاوہ میرے پاس کوئی ہتھیار نہیں ہے کہ میں جس سے کسی کو ماروں کیا قتل کروں نہ پہلے میں نے کسی کو مارا ہے اور نہ آئندہ کسی کو نقصان پہنچانے کا ارادہ ہے میں تو یہ بگل

بادشاہ کے حکم سے بجاتا ہوں''

سپاہیوں نے جواب دیا

اے منافق!

ہم اس لئے تجھ کو مارنا ضروری سمجھتے ہیں کہ اگر چہ تو نے کسی کو نہیں مارا لیکن تو یہ لڑائی کا بگل بجا بجا کر لوگوں کے دلوں میں دشمنی ڈالتا ہے جس سے لوگوں کے دلوں میں دشمنی بڑھتی ہے اور پھر جنگیں اور خون خرابہ ہوتا ہے اور ہزاروں کی جان جاتی ہے

تیتر اور مرغ:

ایک آدمی نے تیتر پکڑا اور اس کے پر کاٹ کر گھر کے صحن میں اصیل مرغوں کے ساتھ چھوڑ دیا۔ مرغون نے اس بے چارے کو بہت ستایا۔ ہر وقت اپنی تیز چونچوں سے اس کو مارتے اور دانہ دنکا بھی نہ کھانے دیتے۔ غرضیکہ انہوں نے اس مہمان تیتر کے ساتھ وہ ناروا سلوک رکھا جو کسی طور پر بھی مناسب نہ تھا۔ تیتر سوچتا تھا کہ ایسے بد لحاظ اور بے مروت پرندے میں نے کبھی نہیں دیکھے۔ آخر تیتر نے ان مرغوں کو بھی آپس میں لڑتے جھگڑتے دیکھا تو اپنے دل کو یہ کہہ کر تسلی دی کہ جو آپس میں بھی دنگا فساد اور لڑائی جھگڑا کرتے ہیں تعجب کی کوئی بات نہیں کہ وہ کسی غریب مسافر اجنبی کو نہ ستائیں اور اس سے سنگ دلی کا مظاہرہ نہ کریں۔

چ

چرواہا اور کتا:

ایک چرواہے کے پاس ایک کتا تھا اسے اپنے کتے کی وفاداری پر بڑا ناز تھا۔ جب وہ کہیں باہر جاتا سارا گلہ کتے کے حوالے کر جاتا اور بے فکر ہو کر چلا جاتا اور اس کتے کو میٹھا دہی اور اچھی اچھی چیزیں کھلاتا، اور اس کو بہت پیار کرتا تھا لیکن وہ کتا یہ کرتا تھا کہ جب چرواہا کہیں باہر جاتا تو گلتے میں ایک بھیڑ یا بکری کو پھاڑ کھاتا تھا۔ آخرکار چرواہے کو یہ بات معلوم ہو گئی۔

پھر اس نے جاتے وقت اس کتے کے گلے میں رسی باندھی اور درخت پر لٹکا دیا۔ اس پر کتا بولا کہ:

''میں تمہارا پرانا نوکر ہوں تم اس طرح بے رحمی سے کیوں پیش آرہے ہو۔ میں نے ایک آدھ ہی غلطی کی ہو گی۔ بھیڑیا جو تمہارا اور بکریوں کا دشمن ہے اور ہمیشہ تمہارا نقصان کرتا ہے تم اس کو کیوں نہیں مارتے''

چرواہے نے جواب دیا:

''اے بدبخت! تو بھیڑیئے سے دس گنا زیادہ سزا کے لائق ہے۔ مجھے تو یہ ہمیشہ سے معلوم ہے کہ وہ میرا دشمن ہے اس لئے اس سے خبردار رہتا ہوں اور تجھے اپنا نمک حلال سمجھتا ہوں اس لئے بے فکر رہتا ہوں۔ اس لئے تجھے کھلاتا ہوں اور پلاتا ہوں اور پیار کرتا ہوں۔

تیرا اتنا خیال کرنے کے باوجود جب تو ایسی حرکت کرے اور بے وفائی کرے تو تجھے معاف کرنا بالکل ناجائز نہیں۔ تیرا جرم اس جرم سے بڑھ کر ہے

چور اور کتا:

ایک چور کہیں چوری کرنے گیا۔ وہاں ایک ہوشیار چالاک اور وفادار کتا موجود تھا۔ وچور کو دیکھ کر بھونکنے لگا۔ اس پر چور نے روٹی کا ٹکڑا کتے کے آگے پھینکا۔ کتے

نے وہ ٹکڑا نہ اٹھایا اور ناراض ہو کر کہنے لگا کہ:

''پہلے میں سمجھا تھا کہ تو خراب آدمی ہے اور چور ہے اب اس رشوت دینے سے معلوم ہوا کہ تو بڑا بد ذات اور پکا عادی چور ہے۔ جب تک تو ادھر ہے میں بھونکتا رہوں گا اور اپنے مالک کے گھر کی نگرانی کرتا رہوں گا''

چور اور لڑکا:

ایک لڑکا کنویں کے پاس بیٹھا رو رہا تھا۔ ایک چور وہاں آیا اور کہا:

اے لڑکے تو کیوں روتا ہے

لڑکے نے روتے روتے جواب دیا

رسی ٹوٹ گئی اور میرا قیمتی لوٹا کنوئیں میں گر پڑا ہے۔ یہ سن کر چور اپنے کپڑے اتار کر لوٹا تلاش کرنے کنوئیں میں اترا اور بہت دیر تک تلاش کرتا رہا لیکن اس کو کچھ نہ ملا جب کنوئیں سے باہر نکلا دیکھا کہ وہ لڑکا اس کے کپڑے لے کر بھاگ گیا ہے۔

چیونٹی اور کبوتر:

ایک پیاسی چیونٹی کسی ندی پر پانی پینے گئی لیکن پانی کی ایک لہر اسے بہا کر لے گئی۔ ایک کبوتر نے اس کے حال پر ترس کھا کر درخت کی ایک ڈالی توڑ کر اس کے آگے پھینک دی۔ وہ چیونٹی اس پر چڑھ کر ڈالی کے ساتھ کنارے آ گئی چند دن کے بعد ایسا اتفاق ہوا کہ ایک شکاری نے اس کبوتر کو پکڑنے کے لئے جال لگایا۔ وہ کبوتر غافل بیٹھا تھا۔ چیونٹی یہ دیکھ کر وہاں آئی جوں ہی وہ شکاری اس کبوتر کو پکڑنے لگا چیونٹی نے اس کے پاؤں پر کاٹ لیا۔ چیونٹی کے کاٹنے سے شکاری چونک پڑا اور اس کے حرکت کرنے سے کبوتر ہوشیار ہو کر اڑ گیا۔

چوہوں کی مجلس:

ایک دفعہ بہت سارے چوہے ایک جگہ جمع ہوئے اور دروازہ بند کر کے مشورہ کرنے لگے کہ بلی کے ہاتھوں سے کس طرح بچا جائے اور بلا خوف وخطر زندگی بسر

کی جائے ۔ بہت دیر تک سوچ بچار کرتے رہے لیکن کوئی مشورہ طے نہ ہوا۔

آخر ایک جوان چوہا جو بڑا پر جوش مقرر تھا کھڑا ہوا اور بولا:

دشمن کے ہاتھ سے بچنے کی ایک ہی ترکیب ہے کہ بلی کے گلے میں گھنٹی باندھ دی جائے ۔اس کے ہلتے ہی گھنٹی بجنا شروع ہو جائے گی اور ہم ہوشیار ہو جائیں گے اور اپنا اپنا رستہ سنبھالیں گے ۔

یہ بات سن کر چوہے بہت خوش ہوئے اور کہا:

شاباش تو نے بڑی اچھی تدبیر سوچی ہے

ان چوہوں میں سے کئی ایک نے اٹھ کر اس کی تعظیم وتکریم کی اور اتنے اچھے مشورہ پر اس کا شکریہ ادا کیا۔

اتنے میں ایک بوڑھا سا چوہا جو چپ چاپ ان کی باتیں سن رہا تھا کھڑا ہوا اور بولا:

''تدبیر تو بہت اچھی ہے اور درست ہے اور مدبر بھی عقل مند ہے لیکن میرے خیال میں یہ ضروری ہے کہ وہ جب تک اس بات کی وضاحت نہ کریں کہ فلاں چوہا بلی کے گلے میں گھنٹی باندھے گا اس وقت تک اس کا یہ مشورہ ادھورا ہے۔لہٰذا ابھی اس کا شکریہ ادا نہ کریں۔اس کو یہ بات بھی بتانے دیں''

یہ سن کر تمام چوہے چونک پڑے اور اس مشورہ دینے والے چوہے کی طرف حقارت سے دیکھنے لگے۔

چیونٹی اور مکھی:

ایک دن ایک چیونٹی اور مکھی دونوں اپنی فضیلت اور برتری پر لڑنے لگیں اور اپنی بحث وتکرار کرتے ہوئے مکھی نے کہا:

''میری بزرگی مشہور ہے جب خدا کے لئے نذر یا قربانی کی غرض سے جو بھی جانور ذبح ہوتا ہے اس کے گوشت، ہڈیوں اور انتڑیوں کا مزہ سب سے پہلے میں

چکھتی ہوں۔ مساجد اور خانقاہوں میں بھی اچھی جگہ پر بیٹھی ہوں۔ میں عمدہ سے عمدہ جگہوں پر بلا روک ٹوک جاتی ہوں۔ ایک سے بڑھ کر ایک خوبصورت عورت جو میرے پاس سے ہو کر گزرتی ہے میرا دل چاہتا ہے تو میں اس کے نازک ہونٹوں پر جا بیٹھتی ہوں۔ کھانے پینے کے لئے مجھے محنت نہیں کرنا پڑتی۔ اعلیٰ سے اعلیٰ نعمت مجھے میسر رہتی ہے تو بے چاری غریب مسکین میرے رتبے پر کہاں پہنچ سکتی ہے اور میری برابری کہا کر سکتی ہے"

چیونٹی، مکھی کی یہ بات سن کر بولی:

خدا کی نذر یا قربانی میں جانا تو بہت باعث برکت ہے لیکن جب تک کوئی بلائے نہیں تیری طرح بن بلائے جانا تو بڑے بے شرمی کی بات ہے اور تو جو درباروں، بادشاہوں اور خوبصورت ہونٹوں پر بیٹھنے کا ذکر کرتی ہے تو یہ بھی بے جا ہے کیونکہ ایک دن گرمی کے موسم میں جبکہ میں دانہ لانے جا رہی تھی میں نے ایک مکھی کو فصیل کی دیوار کے پاس ایک غلیظ چیز پر بیٹھے دیکھا جس کا نام لینا بھی مناسب نہیں اور وہ اس غلاظت کو چپڑ چپڑ کھا رہی تھی اور تو نے مسجدوں اور خانقاہوں میں جانے کا کہا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ تو سستی اور کوتاہی کی ماری ہوئی ہے اس لئے وہاں جا کر پڑی رہتی ہے تا کہ کوئی زحمت اٹھانا نہ پڑے۔ مجھے اچھی طرح معلوم ہے جو سست اور کاہل ہوتے ہیں ان کو کوئی اپنی محفل میں آنے نہیں دیتا۔ اس لئے وہ ادھر ادھر گھتے پھرتے ہیں۔ تو نے یہ کہا کہ تجھے کوئی کام نہیں کرنا پڑتا اور مجھے سب کچھ بغیر محنت کے مل جاتا ہے، بات تو سچ ہے لیکن یہ بھی سوچ گرمیوں کے دنوں میں جب تو ادھر ادھر کھیل تماشے میں کھوئی رہتی ہے تو سردیوں میں بھوک سے مرتی ہے اور ہم اپنے گرم گھروں میں مزے سے کھاتے پیتے اپنی زندگی ہنسی خوشی بسر کرتے ہیں۔

خ

خرگوش اور کچھوا:

ایک خرگوش کچھوے سے کہنے لگا:

تو بہت آہستہ آہستہ اور سستی و کاہلی سے چلتا ہے دیکھو میں کتنا تیز رفتار ہوں

کچھوے نے کہا:

اے دوست! اترانے اور فخر کرنے کی ضرورت نہیں اگر تمہارا دل چاہتا ہے تو آؤ پانچ میل تک دوڑتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ کون جیتتا ہے اور کون زیادہ دوڑ سکتا ہے اور اس معاملہ میں لومڑی ہماری منصف ہے۔

خرگوش نے یہ بات قبول کر لی اور دونوں دوڑنے لگے خرگوش زیادہ چالاک اور تیز رفتار تھا وہ تیزی سے ایسا بھاگا کہ کچھوا پیچھے رہ گیا تو وہ کچھوے کا مذاق اڑا کر ہنسنے لگا اور سوچنے لگا کہ کچھوا تو بہت دور ہے اس لئے تھوڑا سا آرام کر لینا چاہئے اگر وہ کچھوا مجھ سے کچھ آگے بھی نکل گیا تو ایک جست میں اس کو پھر پیچھے کر دینا کیا مشکل کام ہے۔ ایک ہی دوڑ میں اس سے آگے نکل جاؤں گا۔ یہ سوچ کر سو گیا۔ کچھوا آہستہ آہستہ لیکن مسلسل چلتا رہا اور جیت کے مقررہ نشان تک جا پہنچا جبکہ خرگوش وہیں سوتا ہی رہا۔

خرگوش اور مینڈک:

ایک دن بہت تیز آندھی چلی۔ ایسی تیز کہ جنگل کے درخت تک ہل گئے اور بہت شور اٹھا۔ کئی خرگوش جو ایک کھوہ میں اکٹھے رہتے تھے۔ شور سن کر بہت گھبرائے اور دیوانہ وار ادھر ادھر گئے کہ اگر کوئی مناسب جگہ میسر نہ آ سکے تو اپنے آپ کو خود ہلاک کر لیں۔ ابھی اسی پریشانی کے عالم میں تھے کہ ایک ٹوٹی ہوئی باڑ دیکھ کر اس میں سے نکلے اور بھاگتے ہوئے دور نکل گئے۔ آگے پہنچے تو راستہ میں ایک ندی ملی یہ دیکھ کر اور غمگین ہوئے اور آپس میں کہنے لگے:

دوستو! ہم جہاں بھی جاتے ہیں کوئی نہ کوئی آفت و مصیبت ہمارے پیچھے لگی رہتی ہے۔ بہتر یہی ہے کہ اس ندی میں ڈوب مریں تا کہ اس مصیبت سے چھٹکارا ملے۔ ایسے جینے سے تو مرنا ہی بہتر ہے۔

اسی ارادے سے جب ندی کے کنارے پہنچے تو کئی مینڈک جو کنارے پر بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کو دیکھ کر ڈرے اور ندی میں کود پڑے۔ یہ دیکھ کر ایک بوڑھے عقل مند خرگوش نے ساتھی خرگوشوں سے کہا۔

کھڑے رہو خبردار! کوئی نہ ڈوبے۔ جیسا ڈر اور خوف ہمیں ہے۔ ویسا ہی ڈر اور خوف دوسرے جانوروں کو بھی ہے یہ نہ سمجھ کہ ہم ہی سب سے زیادہ دکھ کے مارے ہیں۔ ہم پر لازم ہے کہ دوسروں کی حالت سے سبق حاصل کریں اور جو دکھ سکھ خدا نے قسمت میں لکھ دیا ہے اس کو برداشت کریں اور صبر کریں۔

خچر اور غرور:

ایک خچر خوب کھا پی کر بہت موٹا تازہ ہو گیا۔ اس کا مالک اس پر سواری بھی بہت کم سفر کرتا تھا لیکن اسے خوب کھلاتا پلاتا تھا۔ اس وجہ سے شیخی اور غرور میں آ گیا۔ اسی غرور کی حالت میں ایک دن اپنے دل میں کہنے لگا:

یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ میں دوسرے گھوڑوں کے برابر تیز نہ دوڑ سکوں۔ یہ بات بھی مشہور ہے کہ میرا باپ اچھی نسل کا گھوڑا تھا اور خوب دوڑتا تھا۔

اتفاق سے چند دن کے بعد اس کے مالک کو ایک بہت ضروری کام پیش آ گیا۔ وہ اس خچر پر سوار ہوا اور چابک مارتا ہوا اس کو دوڑتا ہوا لے چلا وہ دوڑتے دوڑتے راستے میں تھک کر چور ہو گیا اور دل ہی دل میں یہ سوچنے لگا کہ وہ پھرتی اور تیزی جس پر تو فخر و غرور کرتا تھا کہاں گئی اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ تو گھوڑے کا نہیں بلکہ گدھے کا بچہ ہے۔

د

دو کیکڑے:

کہتے ہیں کہ کیکڑا الٹا چلتا ہے ایک دن کیکڑے کی ماں نے اپنی بیٹی سے کہا:

اے بیٹی! الٹی چال چھوڑ اور سیدھی چال چل جیسے دوسرے جانور چلتے ہیں

اس نے جواب دیا:

اے ماں! میں تو اچھی طرح چلنے کی ہی کوشش کرتی ہوں۔ اگر تجھے میری چال غیر مناسب نظر آتی ہے تو آپ مجھے چل کر بتایئے تا کہ میں بھی اسی طرح چلوں۔

دو مسافر:

دو آدمی سفر میں کہیں ساتھ جا رہے تھے ایک نے زمین پر ایک کلہاڑی پڑی ہوئی دیکھی جو لکڑی کاٹتے وقت کوئی وہاں بھول گیا تھا اس نے اسے اٹھا لیا اور دوسرے سے کہا

اے دوست! دیکھ مجھے یہ کلہاڑی ملی ہے

دوسرے نے کہا:

اے دوست! یہ مت کہہ کہ مجھے ملی ہے بلکہ یہ کہہ کہ ہم کو ملی ہے۔ اس لئے کہ ہم دونوں اس سفر میں اور سفر کی تکلیف و آرام میں برابر کے شریک ہیں۔ تجھے چاہئے کہ اس کلہاڑی میں مجھے بھی شریک رکھ۔

اس نے کہا:

جو چیز مجھے ملی ہے اس پر تمہارا کوئی حق نہیں ہے

ذرا دور ہی گئے تھے کہ کلہاڑی کا مالک کلہاڑی کی گمشدگی کا سرکاری خط لئے وہاں سے گزرا اور اپنی کلہاڑی دیکھ کر ان کے پیچھے دوڑا جس کو کلہاڑی ملی تھی وہ آدمی بہت ڈرا اور اپنے ساتھی سے کہنے لگا

اے دوست! ہم پر بڑی آفت آئی ہے

دوسرا:

تم ایسا نہ کہو کہ ہم پر آفت و مصیبت آئی ہے بلکہ یہ کہو کہ مجھ پر یہ آفت آئی ہے جب تو نے مجھے نفع میں شریک ہی نہیں کیا تو میں تیرے دکھ اور نقصان میں کیوں شریک ہوں

دو کتے:

ایک دن ایک امیر آدمی نے اپنے امیر دوست کی دعوت کی اور طرح طرح کے کھانے پکوائے۔ اس کا کتا یہ تیاری دیکھ کر سوچنے لگا کہ یہ اچھا موقع ہے میں بھی اپنے دوست کو بلاؤں اور یہ مزے دار کھانے کھلاؤں۔ یہ سوچ کر اس نے اپنے دوست کو بلوایا اس کا دوست کتا سنتے ہی دوڑا دوڑا آ گیا۔ میزبان کتا اپنے دوست کو دیکھ کر بہت خوش ہوا اور اس کو اپنے ساتھ باورچی خانے میں لے گیا۔ مہمان کتا لذیذ کھانے دیکھ کر بہت خوش ہوا اور دل ہی دل میں کہنے لگا کہ آج میری قسمت بہت اچھی ہے سکون اور اطمینان سے طرح طرح کے کھانے کھاؤں گا تا کہ کئی دن تک بھوک ہی نہ لگے۔ یہ سوچ کر وہ دم ہلانے لگا اور کے منہ میں پانی بھر آیا۔ اتنے میں باورچی اندر آ گیا جب اس نے دیکھا کہ یہ باہر کا کتا ہے تو اس کا پاؤں سے پکڑ کر کھڑکی میں سے باہر پھینک دیا اتفاق سے باہر پتھر کا فرش تھا کتا اس پر گرا تو اس کو چوٹ لگی تو وہ بے ہوش ہو گیا اور تھوڑی دیر کے بعد جب ہوش ٹھکانے آئے تو اٹھ کر بھاگا اور شور مچانے لگا اس کا شور سن کو دوسرے بہت سے کتے اس کے پاس جمع ہو گئے انہوں نے اس سے پوچھا:

اے دوست! تو تو دعوت میں گیا تھا بتاؤ تو سہی کیا کھایا

اس نے کہا

واہ! بہت اچھا ایسی دعوت کبھی نہیں کھائی خوب کھایا اور مست ہوا کہ معلوم ہی نہیں ہوا کہ گھر سے باہر کیسے آیا

دو مرغے:

ایک دن دو مرغے کوڑے کی ملکیت پر لڑ رہے تھے آخر کار دوسرا ہار گیا ہارنے والا ڈر کے مارے ایک بل میں گھس گیا اور جیتنے اور خوشی سے اونچی جگہ کھڑا ہو کر پر مارنے لگا اور سب کو سنانے لگا کہ میں جیت گیا میں جیت گیا۔ اتنے میں ایک عقاب جو شکار کی تلاش میں ادھر آنکلا تھا اس نے دیکھتے ہی مرغے کو اٹھالیا اور لے گیا۔ یہ دیکھ کر وہ دوسرا مرغا بل میں سے نکلا اور ہارنے کی رسوائی بھول کر بے شرمی سے سینہ تان کر کھڑا ہو گیا۔

دو آدمی اور قصائی:

ایک دن دو آدمی ایک قصائی کی دکان میں گوشت خریدنے کے بہانے سے گئے اور اس سے کہا:

ہم گوشت خریدنا چاہتے ہیں

اتنے میں قصائی کسی دوسری طرف متوجہ ہوا تو ایک آدمی نے موقع پا کر گوشت کا ایک ٹکڑا اٹھالیا اور اپنے دوست کو دے دیا۔ اس نے وہ اپنے کوٹ میں چھپالیا جب قصائی نے دیکھا کہ گوشت کا ٹکڑا موجود نہیں ہے تو اس سے کہنے لگا

تم نے گوشت کا ٹکڑا کیوں چرایا

جس نے گوشت کا ٹکڑا چرایا تھا وہ قسم کھا کر کہنے لگا

وہ میرے پاس نہیں ہے

اور دوسرا جس نے کوٹ میں چھپا رکھا تھا اس نے قسم کھا کر کہا:

میں نے نہیں چرایا۔ قصائی نے جواب دیا مجھے یہ تو خوب معلوم ہے کہ تم مکار اور فریبی ہو اگر چہ مجھے یہ معلوم نہیں کہ گوشت کس نے چرایا ہے لیکن تم میں سے ایک ضرور ہے اور تم دونوں نہایت جھوٹے اور کمینے ہو۔

س

سیہہ اور سانپ

ایک سیہہ نے سانپ سے کہا:

مجھے اپنے بل میں رہنے دو تو تمہارا بڑا احسان ہو گا۔ سانپ نے اس کی یہ بات مان لی لیکن جب وہ اندر آئی تو اس کے بدن کے تیز اور نوک دار کانٹوں سے سانپ کو بہت تکلیف ہوئی اور وہ زخمی بھی ہوا

پریشان ہو کر کہنے لگا:

اے بوا! خدا کے لئے یہاں سے چلی جاؤ تمہارے کانٹوں سے مجھے بڑی تکلیف ہوتی ہے سیہہ نے کہا:

میں تو اس جگہ بہت خوش ہوں اور آرام سے ہوں اگر تم یہاں نہیں رہ سکتے تو تم چلے جاؤ میں ایسا اچھا اور آرام دہ مکان چھوڑ کر کیوں جاؤں؟

سؤرنی اور بھیڑیا:

ایک سورنی اپنے بچوں کے ساتھ ایک گڑھے میں لیٹی ہوئی تھی ۔ اتنے میں ایک بھیڑیا آیا اور یہ سوچنے لگا کہ ان بچوں میں سے ایک کو کس طرح کھائے جب کوئی تدبیر نہ سوجھی تو اس نے یہ سوچا کہ کسی مکروفریب سے اس کے بچے کھائے یہ سوچ کر قریب آیا اور بولا:

اے بی بی! تمہاری طبیعت کیسی ہے اگر میرے لائق کوئی بھی کام ہو تو بتاؤ میں دل و جان سے حاضر ہوں اگر تو کہیں جانا چاہتی ہے تو بے فکر ہو کر جا میں تیرے بچوں کی حفاظت کروں گا۔ بلکہ تم سے زیادہ کروں گا

سورنی نے جواب دیا:

اے بھائی! میں تیرے دل کا مطلب خوب اچھی طرح سمجھتی ہوں گستاخی معاف فرمائیں اور بہتر یہی ہے کہ آپ تشریف لے جائیں تمہاری صحبت سے دور

ہی رہنا بہتر ہے۔ اگر اچھی نسل ہو تو فوراً چلے جاؤ اور پھر کبھی اپنا منہ نہ دکھانا

سوئر اور گدھا:

ایک دفعہ راستہ میں ایک گدھے کو ایک سوئر ملا اور اس سے بطور تمسخر بولا:

اے بھائی! آداب!

سوئر اس گستاخی پر بہت ناراض ہوا اور بولا:

مجھے تعجب ہے کہ تو ایسا بے شرم کیوں ہے اور جھوٹ کیوں بولتا ہے

سوئر نے چاہا کہ اپنے دانت سے گدھے کا پیٹ پھاڑ دے لیکن غصہ ضبط کر کے بولا اے بد بخت! یہاں سے چلا جا میں تجھ کو جان سے مار سکتا ہوں اور تیری بدتمیزی کا بدلہ بھی لے سکتا ہوں لیکن میں یہ نہیں چاہتا کہ تیرے جیسے کمینے جانور کے خون سے اپنی داڑھ خراب کروں۔

سانپ اور ریتی:

ایک سانپ لوہار کی دوکان میں گھس آیا اور کچھ کھانے کی تلاش میں ادھر ادھر پھرنے لگا۔ ایک ریتی (جس سے لوہا وغیرہ گھستے ہیں) دیکھ کر اس کو چبانے لگا۔ ریتی نے کہا: اے دوست! تیرے لئے بہتر یہی ہے کہ مجھے چھوڑ دے۔ مجھے چبانے سے تجھ کو کچھ حاصل نہیں ہوگا کیونکہ کام کے وقت میں لوہے اور فولاد کو بھی کھاتی ہوں۔

سمندری مچھلی اور دریائی مچھلی:

ایک دن دریا بہت چڑھا۔ لہر اور پانی کے زور سے ایک بڑی دریائی مچھلی بہہ کر سمندر میں چلی گئی۔ نئی جگہ دیکھ کر فخر وغرور کرنے لگی اور وہاں کی مچھلیوں اور مخلوقات کی طرف حقارت کی نظر سے دیکھنے لگی اور بولی:

میرا وطن اور خاندان تم سب سے بہتر ہے تم سب پر لازم ہے کہ میری عزت کرو اور مجھ سے احترام سے پیش آؤ اور مجھے اچھی جگہ دو

ایک مچھلی جو قریب ہی تیر رہی تھی یہ سن کر بولی

چپ رہ اے نادان! اگر کوئی مچھیرا تجھے اور مجھے پکڑ کر بازار لے جائے تو اس وقت تجھ کو معلوم ہو جائے گا کہ عزت اور بزرگی کے لائق کون ہے۔ ہم کو مالدار آدمی قیمت دے کر خرید کر لے جائیں گے اور تم کو کوئی غریب اور لاچار آدمی چند ٹکوں میں لے کر جائے گا پھر مفت میں دے دی جاؤ گی۔

ش
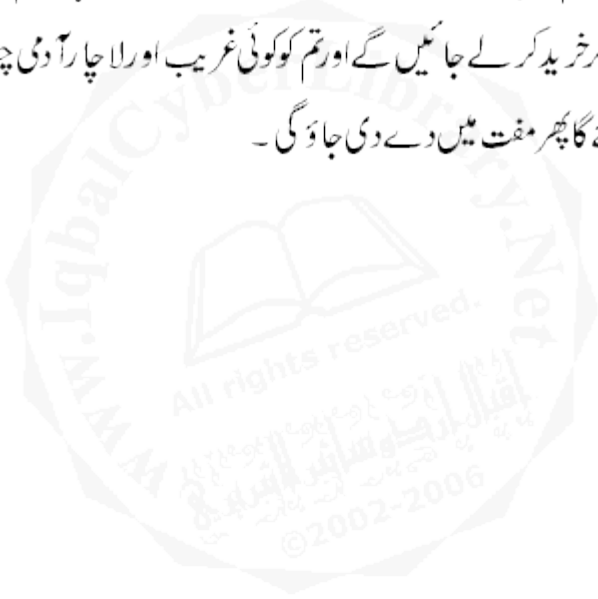
شیر ریچھ اور لومڑی:

ایک جنگل میں ہرن کا بچہ مرا پڑا ہوا تھا۔ اتفاق سے ریچھ اور شیر دونوں اس پر لپکے اور اس کو حاصل کرنے کے لئے آپس میں لڑ پڑے۔ بہت دیر تک لڑتے رہے آخر لڑتے لڑتے زخموں سے چور ہو گئے اور تھک ہار کر زمین پر گر کر بے ہوش ہو گئے۔ ہوش میں آنے کے بعد ہانپتے ہوئے زمین پر زخمی پڑے تھے۔

اتنے میں ایک لومڑی وہاں آئی اور وہ شکار اٹھا کر لے گئی لیکن یہ دونوں پہلوان منہ دیکھتے رہ گئے۔ ان میں اتنی طاقت بھی نہ تھی کہ شکار اس لومڑی کے ہاتھ سے چھین لیتے یہ دیکھ کر ایک دوسرے سے کہنے لگے:

دیکھو ہماری لڑائی کا یہ نتیجہ ہے کہ ہم لڑ کر زخمی ہوئے اور وہ بد ذات لومڑی ہمارا شکار مفت میں لے گئی اور ہم میں اتنی ہمت بھی نہ تھی کہ اس کے ہاتھ سے چھین لیتے

شیر، گدھا اور لومڑی:

ایک دن ایک شیر، گدھا اور لومڑی تینوں شکار کو نکلے اور آپس میں معاہدہ کیا کہ جو شکار ملے گا آپس میں بانٹ لیں گے۔ اتفاق سے ایک دن موٹے تازے ہرن کا شکار کیا۔ شیر نے گدھے کو حکم دیا:

ارے دوست! تم اس کے حصے کرو

گدھے نے اپنی ذہانت اور عقل مندی سے اس شکار کے تین حصے کئے یہ دیکھ کر شیر بہت غصہ ہوا اور گدھے کو وہیں مار ڈالا پھر لومڑی سے کہا:

تم اس کے دو حصے کرو

لومڑی بہت چالاک تھی اس نے اپنے دوست کا حشر دیکھ کر عبرت حاصل کی اور اس شکار میں سے ایک چھوٹا سا ٹکڑا لے کر بولی

جناب! یہ سب آپ کا ہی ہے۔ آپ تناول فرمائیے

شیر لومڑی کی اس بات سے بہت خوش ہوا اور پوچھا:

اے لومڑی! تو نے یہ شاہی آداب اور تمیز کہاں سے سیکھا۔ شاباش تو تو بہت عقل مند ہے

لومڑی نے عرض کیا:

اے جہاں پناہ! میں نے یہ تدبیر و تمیز اور آداب اس گدھے سے سیکھی ہے جو ابھی ابھی مارا گیا ہے۔

شرابی شوہر:

ایک عورت کا شوہر شراب کا عادی تھا۔ اس کی بیوی نے اس کی اس بری عادت سے روکنے کی بڑی کوشش کی لیکن کچھ فائدہ نہ ہوا۔ آخر اس کو ایک ترکیب سوجھی کہ جب رات کو اس کا شوہر نشہ کی حالت میں گھر آیا تو اس عورت نے اس کو نشہ کی حالت میں قبرستان لے جا کر ایک قبر میں رکھوا دیا۔ وہ یہ سمجھی کہ میرا شوہر اس حالت سے عبرت حاصل کرے گا اور شراب سے توبہ کرے گا کچھ دیر بعد عورت نے سوچا کہ اس کا نشہ اتر چکا ہوگا۔ یہ سوچ کر قبرستان گئی اور قبر کا تختہ کھٹکھٹانے لگی اس آدمی نے پوچھا:

کون ہے

اس نے جواب دیا:

میں مردوں کی خادمہ ہوں ان کے لئے کھانا لائی ہوں دروازہ کھول تا کہ میں اندر آؤں۔

اس آدمی نے قبر میں لیٹے لیٹے ہی جواب دیا

تو کھانے کی بات مت کر یہ بتا کہ میرے لئے شراب لائی ہے یا نہیں

یہ بات سن کر عورت رونے لگی اور سر پیٹنے لگی اور چیخ چیخ کر کہنے لگی کہ:

تجھے سدھارنے کی یہی آخر تدبیر باقی تھی سو وہ بھی کارگر نہ ہوئی۔ اب مجھے

خوب اچھی طرح معلوم ہو گیا ہے کہ یہ شراب کی لت بہت بری ہے اور مرتے دم تک ختم نہ ہو گی۔

شیر اور چوہا:

ایک شیر شدید گرمی اور شکار کرنے کی وجہ سے تھک کر چور ہو گیا اور ایک بڑی جھاڑی کے نیچے لیٹ گیا۔ سوتے وقت کئی چوہے آ کر اس کی پیٹھ پر کودنے پھاندنے لگے۔ اس سے وہ اچانک چونک کر اٹھا اور ایک چوہے کو اپنے پنجے میں دبوچ لیا اور چاہا کہ اس کو مار ڈالے۔ غریب چوہے نے بہت عاجزی سے اس سے کہا کہ:

اے شیر مجھ غریب پر رحم کرو۔ آپ تو جنگل کے بادشاہ ہیں۔ آپ کو یہ زیب نہیں دیتا کہ مجھ جیسے کمزور اور چھوٹے جانور کو مار کر مفت میں بدنام ہوں

شیر نے کچھ دیر سوچا اور کہا:

تو سچ کہتا ہے یہ سوچ کر اس کے حال پر رحم کھایا اور اس کو وہیں چھوڑ دیا۔ چند دن گزرے تھے کہ وہی شیر شکاریوں کے جال میں پھنس گیا۔ بہت کوشش کی نکل جائے مگر نہ نکل سکا آخر کار مجبور و لاچار ہو کر دھاڑنے لگا۔ چوہے نے اس شیر کی آواز کو پہچان لیا کہ یہ وہی شیر ہے اور اس وقت کسی پریشانی میں ہے۔ اس کے پاس پہنچا اور بولا:

اے شیر بھائی! میں تمہارا دوست ہوں۔ فکر مند ہونے کی کوئی ضرورت نہیں یہ کہہ کر اس نے وہ جال اپنے تیز دانتوں سے کاٹ دیا اور شیر کو اس مصیبت سے آزاد کرا دیا۔

شاہ بلوط اور جھاڑیاں:

ایک دن بڑی تیزی آندھی چلی۔ شاہ بلوچ کا بڑا تناور درخت جو ندی کے کنارے پر اکھڑ کر گر پڑا اور بہہ گیا۔ اس کی شاخیں ندی کے کنارے لگی ہوئی

جھاڑیوں سے لگیں تو وہ حیران ہو کر ان سے پوچھنے لگا:

اے دوست! تو ایسی زبردست آندھی اور ہوا کے تھپڑوں سے کیسے بچ گیا۔ حالانکہ میں ایسا مضبوط، توانا اور بڑا درخت تھا میں بھی تیز ہوا کی وجہ سے جڑ سے اکھڑ گیا۔

اس نے جواب دیا

اے دوست! ہماری تمہاری چال میں بڑا فرق ہے۔ جب ہوا آتی ہے تو میں عاجزی اور انکساری سے سر جھکا لیتا ہوں اور ادب سے پیش آتا ہوں اور اس وجہ سے ہلاکت سے بچ جاتا ہوں اور یہ سمجھتا ہوں کہ زبردست اور طاقتور سے مقابلہ کرنا بے سود ہے لیکن تو اپنے زور، طاقت اور مضبوطی کے بھروسے پر غرور سے اکڑ کر کھڑا رہتا ہے اور اسی وجہ سے بالآخر جڑ سے اکھڑ جاتا ہے۔

شیخی خور مسافر:

ایک شخص کافی عرصہ سفر میں رہا اور بہت مدت کے بعد اپنے ملک میں آیا۔ ایک دن اپنے دوستوں سے اپنے ایک سفر کا حال بیان کرنے لگا اور کہنے لگا:

میں رود کے علاقے میں بھی گیا تھا وہاں کے لوگ لمبی چھلانگ لگانے میں بہت مشہور ہیں لیکن میں نے ایسی چھلانگ لگائی کہ کوئی میری برابری نہ کر سکا

بہت سے لوگ جو وہاں بیٹھے ہوئے تھے انہوں نے اس کی بات پر یقین نہ کیا۔ وہ شخص اپنی بات ثابت کرنے کے لئے قسم کھانے لگا تو ان میں سے ایک شخص اٹھ کر بولا:

اے دوست! اتنی چھوٹی سی بات کے لئے قسم مت کھاؤ۔ میں تم کو ایک بات بتاتا ہوں وہ یہ ہے کہ تم یہ سمجھ لو یہ وہی جگہ ہے اور تم لمبی چھلانگ لگا کر دکھاؤ اور اس طرح تمہاری بات کے متعلق کوئی شک شبہ نہیں رہے گا اور تمہاری بات سچ ثابت ہو جائے گی۔

یہ بات سن کر وہ گپ مارنے والا شیخی خور آدمی شرمندہ ہو گیا اور خاموش بیٹھ رہا۔

ط

طوطا اور پنجرہ:

ایک امیر آدمی کے پاس ایک طوطا تھا وہ ہر روز اس کو مزے دار غذائیں کھلاتا اور اس کو بہت پیار کرتا تھا اور اس کا پنجرہ سنگ مرمر کے چبوترے پر رکھتا جو ایک ہرے بھرے باغ میں تھا تا کہ طوطے کا دل بہلتا رہے اور ان کی روشنی میں وہ خوش رہے۔

اس کا مالک اور اس کے بچے اس طوطے سے میٹھی میٹھی باتیں کرتے اور اس کی بیوی اپنے ہاتھوں سے طوطے کے پر بناتی سنوارتی اور بہت پیار کرتی۔ اس آرام اور راحت کے باوجود طوطا ہمیشہ ناراض رہتا اور کہتا:

افسوس میں کبھی اس پنجرے سے باہر نہیں نکل سکتا ہمیشہ اس پنجرے میں قید پڑا رہتا ہوں۔ میرے بھائی خوش وخرم سرسبز و شاداب درختوں کی ہری ہری ڈالیوں پر بیٹھتے ہیں اور باغات کی سیر کرتے پھرتے ہیں۔

وہ طوطا ہمیشہ اس غم میں رہتا اور سوچتا رہتا کچھ دنوں کے بعد یوں ہوا کہ ایک دن نوکر غفلت کی وجہ سے پنجرے کا دروازہ کھلا چھوڑ گیا طوطا اس موقع کو غنیمت جان کر پنجرہ سے نکلا اور قریبی جنگل میں چلا گیا اور یہ سمجھا کہ اب اس کا وقت اچھا گزرے گا لیکن چند دن میں جو مصیبتیں اس پر پڑیں وہ اس کے وہم وگمان میں بھی نہ تھیں۔ جدھر جاتا پرندے اس کو مارتے اور بھگاتے کیونکہ لوگوں میں رہ کر وہ لوگوں کی بولی سیکھ گیا تھا۔ وہی بولتا تھا اس لئے ہر پرندہ اس سے ناراض ہوتا تھا اور پھر اس کو وہ اچھی اچھی غذائیں بھی میسر نہ تھیں جو مالک دیتا تھا اور آندھی کے جھٹکوں، بادلوں کی گرج اور بجلی کی چمک سے خود کو بچانے کی جگہ بھی اس کو میسر نہ تھی۔ اس کے پر بارش میں بھیگ جاتے تھے وہ تو آرام اور عیش وعشرت سے خوشگوار ماحول میں پلا بڑھا تھا اور کبھی کوئی تکلیف نہیں اٹھائی تھی۔ اس لئے اس کی صحت خراب ہوتی گئی اور وہ دبلا ہو گیا ہے۔ آخر مرنے کو پہنچا تو یوں بولا:

ہائے افسوس! تیری ناشکری کی یہی سزا ہے اگر پھر پنجرے میں جانے کا موقع ملے تو واپس نہ آؤں گا لیکن اب میرے وہ نصیب کہاں

یہ کہہ کر اپنی جان دے دی۔

ع

عقاب اور کوا:

ایک دن ایک عقاب پہاڑ پر بیٹھا ہوا تھا کہ اس کی نظر بھیڑ کے ایک چھوٹے بچے پر پڑی وہ اس کو اٹھا کر لے گیا کوا جو قریب ہی بیٹھا ہوا تھا اس نے دیکھ کر سوچا کہ میں بھی ایک بھیڑ کو اٹھا کر لے جاؤں۔ یہ سوچ کر وہ بھیڑ کی پیٹھ پر آ کر بیٹھ گیا۔ اس کے پنجے بھیڑ کی اون میں پھنس گئے تو وہ کائیں کائیں کرنے لگا۔ یہ سن کر چرواہا دوڑا دوڑا آیا اور کوے کو پکڑ کر کھیلنے کے لئے اپنے بچوں کے حوالے کر دیا۔

عقل مند نوکر:

ایک دن ایک گھر کا مالک جلدی گھر آیا اتفاق سے اس وقت ایک ہی نوکر گھر پر تھا دوسرے موجود نہ تھے۔ اس نے کہا

جلدی کھانا تیار کرو مجھے بھوک لگی ہے

یہ سنتے ہی وہ نوکر پڑوس میں آگ لینے گیا لیکن آگ نہ ملی بہت تلاش کے بعد بازار جا کر چراغ سلگا کر جلدی جلدی آ رہا تھا کہ راستے میں ایک بے وقوف شخص نے اس کی آستین پکڑ کر مذاق کرتے ہوئے پوچھا

یہ چراغ کس لئے لے جا رہے ہو کیا سورج کو چراغ دکھا رہے ہو

نوکر نے جواب دیا:

اے دوست! مجھے چھوڑ میں یہ چراغ ہاتھ میں لے کر عقل مند آدمی کی تلاش میں ہوں

یہ کہہ کر جلدی گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔

عاشق شیر:

ایک مرتبہ شیر نے زمیندار کی بیٹی کو جو باغ میں سیر کر رہی تھی کو دیکھا اور دل و جان سے اس پر فدا ہوا اور بے قرار ہو کر یہ سوچنے لگا کہ اس سے میری شادی نہ ہوئی

تو میں مر جاؤں گا۔ یہ سوچ کر جلدی سے لڑکی کے باپ کے پاس گیا اور بولا:

اپنی بیٹی کی شادی مجھ سے کر دیں

اگر چہ یہ بہت نا معقول بات تھی لیکن زمیندار نے سوچا کہ اگر میں اس کی یہ بات نہ مانوں تو وہ میرے قابو میں نہیں آئے گا اور ہو سکتا ہے کہ مجھے پھاڑ کھائے

کچھ سوچ کر وہ بولا:

اے شیر! میری بیٹی نہایت نازک اور پھولوں جیسی ہے۔ تمہارے ناخن اور دانت بہت تیز ہیں۔ اس حالت میں تو اس کو بہت تکلیف ہو گی اور وہ ہمیشہ تم سے ڈرتی رہے گی اور تم مجھے اپنے ناخن اور دانت کاٹنے دو تو میں فوراً اپنی بیٹی کی شادی تم سے کر دوں گا

شیر تو زمیندار کی لڑکی پر فدا تھا، بلا سوچے سمجھے اس نے یہ بات منظور کر لی تب اس زمیندار نے اس کے سارے دانت توڑ دیئے اور تمام ناخن کاٹ دیئے۔

اس کے بعد ایک موٹا سا ڈنڈا ہاتھ میں لے کر اتنی زور سے اس کے سر پر مارا کہ اس کا بھیجا باہر نکل آیا اور مر گیا۔

عقاب، بلی اور سؤرنی:

ایک عقاب نے بہت اونچے درخت پر اپنا گھونسلہ بنایا ایک جنگلی بلی بھی اس درخت کی ایک درمیانی شاخ میں رہتی تھی اور درخت کے نیچے ایک سؤرنی بھی اپنے بچوں کے ساتھ رہتی تھی۔ اگر بلی مکر و فریب والی حرکتیں نہ کرتی تو سب کے سب ہنسی خوشی رہتے۔

ایک دن بلی نے عقاب سے جا کر کہا:

اے پڑوسی! ہم پر بڑی مصیبت آنے والی ہے ہم تباہ و برباد اور ہلاک ہو جائیں گے۔ بات یہ ہے کہ وہ بدذات سؤرنی جو درخت کے نیچے رہتی ہے وہ درخت کی جڑ کو ہمیشہ نوچتی کھرچتی رہتی ہے میرا خیال ہے کہ وہ اس درخت کو گرا کر ہمارے بچوں

کو کھانا چاہتی ہے میں تو اپنی حفاظت کا انتظام کر ہی لوں گی۔ میں تو مہینہ بھر گھر میں رہوں گی اور ساری حرکات دیکھتی رہوں گی۔

اس کے بعد وہ مکار بلی سؤرنی کے پاس گئی اور رونی صورت بنا کر کہنے لگی

میری بہن! آج تم گھر سے باہر نہ نکلنا سؤرنی نے پوچھا:

کیوں

اس نے جواب دیا:

آج میں نے عقاب کو اپنے بچوں سے یہ کہتے ہوئے سنا تھا کہ جب سؤرنی باہر جائے گی تو اس کا بچہ لا کر تم کو کھلاؤں گا

بلی بولی:

میں تو بہت ڈر رہی ہوں کہ کہیں وہ میرا بچہ بھی نہ لے جائے۔ مجھے اجازت دو تا کہ میں اپنے بچوں کی خبر گیری کروں کہ کہیں وہ ان کو نہ کھا جائے

یہ کہہ کر وہ چلی گئی۔ رات کو وہ بلی چپکے سے نیچے اترتی اپنے بچوں کے لئے خوراک لاتی اور دن کو جھانکتی رہتی۔ یہ دیکھ کر عقاب اور سؤرنی کے دل میں ایسا ڈر بیٹھا کہ وہ ایک دوسرے کے خوف کے مارے وہ کہیں نہ جاتے۔ آخر کار بھوک پیاس کی وجہ سے وہ اور ان کے بچے وہیں مر گئے اور مکار بلی کا شکار ہو گئے۔

عقل مند بیٹی:

ایک آدمی کے پانچ بیٹے اور ایک بیٹی تھی۔ بیٹی بہت عقل مند اور ذہین تھی۔ اس آدمی نے ایک دن سب کو جمع کر کے مشورہ کیا:

ہم سب ایک درخت لے لیں اور اس کی دیکھ بھال کریں

پہلے لڑکے نے بلوط، دوسرے نے آس، تیرے نے تیزبات، چوتھے نے صنوبر اور پانچویں نے چنار کا درخت لیا۔ اس آدمی کی بیٹی بھی اس وقت وہاں موجود تھی وہ شوخی سے بولی:

تم نے بہت اچھا کام کیا جو بے پھل کے درختوں کا انتخاب کیا

بھائیوں نے کہا:

اپنی عنایت اور محبت بانٹتے ہیں اور کسی پھل کی توقع نہیں رکھتے

بہن نے کہا:

جو تمہارا دل چاہے کرو تو میں زیتون کا درخت ہی لوں گی۔ جس سے بہت سا پھل پیدا ہوتا ہے اور ہر ایک کے کام آتا ہے

یہ سن کر باپ نے خوشی سے کہا

اے بیٹی! میں جو تجھے عقل مند کہتا ہوں وہ بے جا نہیں ہے۔ اس لئے کہ جس چیز میں کوئی فائدہ نہیں اس کا اختیار کرنا بھی غیر مفید ہے۔

ف

فضول خرچ نوجوان اور ابابیل:

ایک نوجوان نہایت فضول خرچ تھا اس نے وراثت میں جو مال بھی پایا سب عیش وعشرت اور فضول خرچی میں اڑا دیا۔ آخر پائی پائی کو محتاج ہو گیا۔ ایک دن نہایت غم زدہ ہو کر افلاس کی حالت میں ندی کے کنارے گیا۔ سردی کا زمانہ تھا لیکن اس دن اتفاق سے ذرا گرمی تھی اور سورج چمک رہا تھا کہ اچانک ایک ابابیل اتفاق سے وہاں آ نکلا اور اپنے پروں سے پانی سے چھینٹے اڑانے لگا۔ اس نوجوان نے سوچا کہ گرمی کا موسم آ گیا ہے لہٰذا وہ وہاں سے اٹھا اپنے کپڑے کسی کے پاس گروی رکھے اور پیسے لے کر جوا کھیلنے چلا گیا اور ہار گیا۔

ایک دن پھر اسی ندی کے کنارے گیا اس دن بہت سردی تھی برف جم رہی تھی۔ ندی کا پانی بھی جم چکا تھا وہی ابابیل کنارے پر مرا پڑا نظر آیا۔ اس کو دیکھ کر نادان نوجوان کو کچھ خیال آیا اور اپنی پریشان اور مصیبت کا سبب جان کر یوں بولا:

اے بدبخت ابابیل! تو نے مجھے بھی مصیبت میں گرفتار کیا۔ خود بھی مرا اور مجھے بھی مارا میں بڑا بے وقوف ہوں جو تجھ پر اعتبار کیا۔

ق

قاز اور بگلا:

بہت سے قاز اور بگلے ایک ہی کھیت میں ساتھ ساتھ دانا دنکا چگتے تھے۔ ایک دن اچانک کھیت کا مالک اپنے نوکروں کو ساتھ لے کر آ پہنچا۔ قاز بہت موٹے اور بھارے تھے۔ اس لئے جلد اڑ نہ سکے بہت سے مارے اور پکڑے گئے۔ بگلے سبک انداز اور دبلے پتلے پھرتیلے تھے وہ جلد اڑ گئے۔

ک

کبوتر اور شکاری:

ایک شکاری بندوق لے کر شکار کے لئے جنگل میں گیا اور ایک کبوتر کو درخت پر بیٹھے ہوئے دیکھا۔ بندوق لے کر اس کو مارنے کے لئے نشانہ باندھا ہی تھا کہ ایک سانپ نے جو گھاس پر بیٹھا ہوا تھا پاؤں رکھتے ہی اس کو کاٹ لیا۔ سانپ کے ڈسنے سے درد کے مارے اس کی بندوق اس کے ہاتھ سے گر گئی اور سانپ کا زہر اس کو چڑھ گیا آخر کار مرتے ہوئے بولا:

جب میں دوسرے کی جان لینے لگا تھا اگر میری جان گئی تو یہ بے انصافی نہیں ہوئی۔

کالا غلام:

ایک آدمی نے ایک غلام خریدا اور اپنی نادانی سے یہ سمجھا کہ اس کی کھال میل کچیل کی وجہ سے کالی ہو رہی ہے جس کے پاس یہ پہلے تھا ہو سکتا ہے کہ اس نے اس کی کچھ خبر گیری اور فکر نہ کی ہوگی اس وجہ سے یہ بے چارہ کالا ہو رہا ہے۔ اس نے سوچا کہ اس کو صاف اور گورا کر کے اس کا رنگ نکھانا چاہئے۔ یہ سوچ کر اسے پانی کے بڑے ٹب میں بٹھایا راکھ، صابن اور بدن صاف کرنے کا سامان لیا اور تین آدمیوں کو مقرر کر کے کہا

اس کو خوب مل مل کر نہاؤ کہ یہ گورا چٹا ہو جائے

انہوں نے اس کے حکم کے مطابق اس کو دھونا اور نکھارنا شروع کیا اور اس کام میں بہت محنت کی لیکن کچھ فائدہ نہ ہوا۔ غرض سارا دن اس کو ٹھنڈے پانی سے دھوتے رہے آخر وہ تو تھک گئے لیکن یہ بدنصیب غلام سردی لگنے سے مر گیا۔

کوا اور بھیڑ:

ایک دن ایک کوا بھیڑ کی پیٹھ پر بیٹھ کر کائیں کائیں کرنے لگا بھیڑ نے کہا:

اے کوے! چپ ہو جا اور میرا دماغ خراب نہ کرو اگر میں طاقتور ہوتی تو تم مجھے ایسے نہ ستاتے کوے نے جواب دیا

یہ بات سچ ہے میں خوب جانتا ہوں کہ تم غریب اور مسکین ہو اسی لئے تمہیں ستاتا ہوں اور جو طاقت ور اور تیز طرار جانور ہیں میں ان سے ڈرتا ہوں اور دور رہتا ہوں لیکن تیرے جیسے مسکین جانور کو میں ضرور تکلیف دیتا ہوں جن سے مجھے کوئی تکلیف نہیں پہنچتی۔

کوا اور سانپ:

ایک دن ایک بھوکا کوا خوراک کی تلاش میں ادھر ادھر اڑتا پھر رہا تھا۔ اس نے سانپ کو زمین پر لیٹے دیکھا تو اس کو پکڑ لیا اور کھانے لگا۔ سانپ نے اپنے زہریلے دانتوں سے کوے کو ایسا کاٹا کہ وہ وہیں مر گیا لیکن مرتے وقت کوا یوں بولا:

میرے قصور کی یہی سزا ہے جو دوسروں کو مار کر خود آرام چاہتا ہے اگر اس میں اس کی جان بھی چلی جائے تو کوئی بری بات نہیں۔

کتا اور بھیڑیا:

چاندنی رات میں ایک دبلے، بھوکے بھیڑیئے کو ایک موٹا تازہ کتا ملا۔ حال احوال پوچھنے کے بعد بھیڑیئے نے اس سے پوچھا:

اے دوست تو تو بہت موٹا تازہ نظر آ رہا ہے۔ میں سچ کہہ رہا ہوں کہ میں نے تیرے جیسا ہٹا کٹا موٹا تازہ جانور نہیں دیکھا ذرا بتاؤ تو سہی کیسے گزر رہی ہے۔ اتنی اچھی صحت کیسے بن گئی۔ حالانکہ میں تم سے زیادہ محنت کرتا ہوں اس پر بھی بھوکوں مرتا ہوں۔

کتے نے کہا:

میرے دوست! اگر تو بھی وہی کچھ کرے جو میں کرتا ہوں تو تو بھی خوش وخرم رہے۔

بھیڑیئے نے پوچھا:

وہ کیا بات ہے

کتنے نے کہا کہ:

میں رات کو گھر کی حفاظت اور پہرہ داری کرتا ہوں اور چوروں کو بھگاتا ہوں۔

میرا صرف یہی کام ہے۔

بھیڑیئے نے کہا:

میں بھی یہ کام دل وجان اور محنت ولگن سے کروں گا لیکن اس وقت میری حالت ذرا خراب ہے۔ ہر روز خوراک کی تلاش میں جنگل میں مارا مارا پھرتا ہوں۔ بارش، گرمی، سردی، برف باری کی تکلیف برداشت کرتا ہوں، اگر رہنے کے لئے گرم گھر اور پیٹ بھر کے کھانا ملے تو اسے زیادہ اچھی کوئی اور بات نہیں ہوسکتی۔

کتے نے کہا:

ہاں بھائی! یہ بات تو ٹھیک ہے اب زیادہ سوچ بچار مت کرو، میرے پیچھے پیچھے آؤ۔

راستے میں چلتے چلتے بھیڑیئے کی نظر کتے کے گلے پر پٹے کے نشان پر پڑی جو گلے میں پٹا باندھنے سے پڑ گیا تھا۔ اسے دیکھ کر بہت حیران ہوا اور پوچھا

اے دوست! یہ کیسا نشان؟

کتے نے کہا:

اس بات کو چھوڑو میرے دوست

بھیڑیئے نے زور دے کر کہا

نہیں نہیں، ضرور بتاؤ کیا ماجرا ہے

کتے نے جواب دیا

تم اس بات کو پوچھ کر کیا کرو گے لیکن اگر تم پوچھتے ہو تو سن میں دن کو بندھا رہتا

ہوں تا کہ کسی کو کاٹ نہ لوں اور آرام سے سوتا رہوں اور رات کو کھلا چھوڑ دیا جاتا ہوں تا کہ پہرہ داری کروں چنانچہ سورج غروب ہوتے ہی یہ لوگ مجھے چھوڑ دیتے ہیں پھر میرا دل جدھر چاہتا ہے میں چلا جاتا ہوں پھر رات کو کھانے کے بعد میرا مالک میرے لئے کھانا لاتا ہے، جو ہڈیاں، گوشت اور روٹی کے ٹکڑے بچ جاتے ہیں۔ وہ سب میرے سامنے ڈال دیتا ہے اور گھر کا ہر فرد مجھ سے محبت کرتا ہے۔

کتے نے کہا

اب تو تم کو میری صحت کا راز معلوم ہو گیا

بھیڑیا یہ سن کر چپ چاپ کھڑا رہا کتے نے کہا:

کیا سوچتے ہو چلو چلتے ہیں۔ بھیڑیئے نے کہا

اے دوست! یہ خوش اور آرام تجھ ہی کو مبارک ہو۔ میرے نزدیک تو آزادی سب سے بڑی چیز ہے۔

اس طور طریقہ کے مطابق جو تم نے مجھ سے بیان کیا اگر کوئی مجھے بادشاہت بھی دے تو بھی مجھے قبول نہیں

گ

گدھا،شیر اور مرغ:

ایک دن ایک گدھا اور مرغ کسی جگہ گھوم پھر رہے تھے کہ انہوں نے شیر کو اپنی طرف آتے دیکھا کہتے کہ شیر مرغ کی بانگ سے بہت ڈرتا ہے۔ جیسے ہی اس نے مرغ کی بانگ سنی وہ ڈر کے مارے بھاگا۔ گدھا سمجھا کہ وہ میرے ڈر سے بھاگا ہے۔ وہ شیخی میں آکر شیر کے پیچھے بھاگا اور دور تک گیا۔ یہاں تک کہ شیر کو مرغ کی بانگ سنائی نہ دی جیسے ہی مرغ کی بانگ کی آواز سنائی نہ دی شیر نے پلٹ کر گدھے کو پکڑلیا اور چیر پھاڑ کر کے کھانے لگا۔ اس وقت گدھا اپنے دل میں اپنے آپ سے کہنے لگا

اے بے وقوف! تو تو اپنی ہمت اور طاقت جانتا ہی تھا پھر جان بوجھ کر خود کو موت کے پنجے میں کیوں گرفتار ہوا۔ اگر ایسا نہ کرتا تو ہنسی خوشی زندہ رہتا۔

گھوڑا اور گدھا:

ایک دن ایک گھوڑا جنگلی ساز و سامان سے لدا ہوا منہ میں خوبصورت لگام چبائے جنگل کے راستے سے جارہا تھا اس کی آواز سے جنگل اور پہاڑ لرز گئے۔ ایک گدھا بھی سامان سے لدا ہوا اس کے آگے آگے آہستہ آہستہ چل رہا تھا۔ گھوڑے نے گدھے کو جالیا اور فخر و غرور سے بولا:

راستہ سے ہٹ جاؤ ورنہ تجھے کچل دوں گا

گدھے نے دل میں سوچا کہ میں اس سے جیت نہ سکوں گا اس لئے وہ جلدی سے راستہ میں سے ہٹ گیا۔ چند دن کے بعد اسی گھوڑے کو لڑائی میں آنکھ پر گولی لگی اور وہ کانا ہو گیا۔ سواری اور لڑائی کے قابل ہی نہ رہا تب اس کے مالک نے اس کی کمر سے زین اتار کر اور سارا ساز و سامان اتار کر ایک شخص کے ہاتھ بیچ دیا۔ وہ اس پر بوجھ لاد کر لے جانے لگا۔ ایک دن وہ گھوڑا بھاری بوجھ لادے کہیں جا رہا تھا

گدھے نے اس کو اس حالت میں دیکھ کر دل میں کہا کہ اس کو طعنے دینے کا یہی مناسب وقت ہے۔ اسی وقت اس کے پاس آیا اور بولا:

اے دوست! ایک دن تم مجھے اپنے پاؤں تلے کچلنا چاہتے تھے۔ میں اسی دن سمجھ گیا تھا کہ تمہاری غرور اور تکبر کا نشہ ایک نہ ایک دن اتر ہی جائے گا۔

گدھا اور خاردار درخت:

ایک شخص فصل کی کٹائی کے موسم میں بہت سے مزدور لے کر فصل کی کٹائی کے لئے گیا۔ اس کا گدھا بھی مزدوروں کے ساتھ تھا جس کی پیٹھ پر مزدوروں کے لئے بہت سا اعلیٰ قسم کا کھانا لدا ہوا تھا۔ راستے میں گدھے نے بڑا سا خار دار درخت دیکھا۔ بھوک کے مارے کھڑے ہو کر اس کے پتے کھانے لگا پتوں کا مزہ چکھ کر دل میں کہنے لگا:

یہ جو بے مزہ کھانا میری کمر پر لدا ہوا ہے بھوکے اور پیٹ کے پجاری اس کھانے پر جی للچاتے ہیں اور اسے مزے لے لے کر کھاتے ہیں لیکن جیسا مزہ اس خار دار درخت میں ہے ویسا کسی میں بھی نہیں ہے۔

گھوڑا اور گدھا:

ایک دن ایک زمیندار اپنے گھوڑے اور گدھے کو کہیں لئے چلا جا رہا تھا گدھے کی پیٹھ پر بہت بھاری بوجھ لدا ہوا تھا گدھا اس کی وجہ سے بڑی تکلیف میں تھا اور مشکل سے چل رہا تھا۔ گدھے نے بہت نرمی سے گھوڑے سے کہا:

اے دوست! مہربانی کر کے تھوڑا سا بوجھ تم اپنی کمر پر لے لو تا کہ میرا بوجھ ہلکا ہو جائے میں بوجھ سے مر رہا ہوں

گدھے نے بڑی عاجزی کی لیکن اس سنگدل گھوڑے کو رحم نہ آیا آخر کار وہ غریب گدھا بوجھ کے مارے راستے میں گرا اور وہیں مر گیا۔ پھر زمیندار نے اس کا ساز و سامان کھولا اور پانی پلانے کی کوشش کی مگر بے سود۔

پھر اس نے گدھے کا ساز و سامان اور گدھے کی کھال اتار کر گھوڑے کی پیٹھ پر کس دی اور چابک مارتا ہوا چلانے لگا جب گھوڑے نے گدھے پر ذرا سا بھی احسان نہیں کیا تو خود اس تکلیف میں مبتلا ہوا۔

گوالا اور بچھڑی:

ایک گوالے کے ریوڑ میں ایک بچھڑی گم ہو گئی۔ وہ اس کو ڈھونڈنے لگا اور اس کی تلاش میں جنگل میں بھی گیا، اور وہاں بھی تلاش کیا۔ لیکن وہ نہ ملی۔ آخر ایک جگہ بیٹھ کر بارگاہ خداوندی میں عرض کرنے لگا۔

اے خدا اگر مجھے چور کا پتہ چل جائے تو میں ایک بکری تیرے نام پر ذبح کروں گا۔

یہ کہہ کر ذرا آگے بڑھا تو کیا دیکھتا ہے کہ اس کی بچھڑی کو شیر اپنے پاؤں کے پنجے میں دبائے کھا رہا ہے۔ شیر اس کو دیکھ کر دھاڑا تو اس کے حواس جاتے رہے۔ ڈر کے مارے دو زانوں بیٹھ کر نہایت ادب سے دوبارہ بارگاہ خداوندی میں عرض کرنے لگا:

اے خدا! میں نے وعدہ کیا تھا کہ اگر مجھے چور کا پتہ چل جائے گا تو میں ایک بکری تیرے نام پر ذبح کروں گا تم نے میری دعا قبول کی لیکن اب اگر اس شیر کے ہاتھ سے بچاؤ گے تو میں تمہارے نام پر ایک بیل ذبح کروں گا۔

ل

لومڑی اور شیر:

ایک دن ایک لومڑی نے شیر کو دیکھا تو ڈر کے مارے بے ہوش ہونے لگی دوسری دفعہ جب اس سے ملاقات ہوئی تو دلیری اور بہادی سے اس کی طرف دیکھنے لگی ۔تیسری دفعہ تو بڑے بے باک انداز میں اس کو سلام کیا۔قریب ہی بیٹھ گئی اور باتیں کرنے لگی ۔

لومڑی اور کنواں:

ایک لومڑی کنویں میں گر پڑی اور اپنے پنجے کنوئیں کی دیوار سے لگا کر کھڑی ہو گئی ۔اچانک ایک بھیڑیا وہاں آ گیا اور کنوئیں میں جھانکنے لگا لومڑی نے کہا:

اے دوست!مہربانی کر کے کنوئیں میں رسی ڈال یا کوئی اور چیز دے جس سے میں اس کنوئیں میں سے باہر نکلوں ۔

بھیڑیا لومڑی کو کنوئیں میں دیکھ کر بہت افسوس کرنے لگا اور بولا:

اے بدنصیب لومڑی! میں تجھے اس آفت میں دیکھ کر بہت غم زدہ ہوں خدا تجھ کو اس مصیبت سے چھٹکارا دے ۔

لومڑی نے کہا کہ:

اگر تم میری بھلائی چاہتے ہو تو جلدی سے میرے نکلنے کی کوئی ترکیب سوچو کیونکہ جب کوئی ڈوبنے یا مرنے پر ہو اس کے لئے صرف افسوس اور رحم کیا کام آئے گا بلکہ کوئی تدبیر سوچنا چاہئے ۔

لومڑی اور بھیڑیا:

ایک بھیڑیئے نے بہت سارا شکار مار کر جمع کیا اور اطمینان سے ایک کھوہ میں بیٹھ گیا۔لومڑی نے یہ دیکھ کر بھیڑیا وہاں کیوں دبکا بیٹھا ہے یہ سوچ کر وہاں گئی اور جھانکنے لگی ۔بھیڑیئے نے کہا:

اے بوا! مجھے معاف کرو میں بہت بیمار ہوں

یہ سن کر لومڑی کو یقین ہو گیا کہ اس نے بہت سا شکار جمع کر کے رکھا ہے۔ یہ سوچ کر وہ چرواہے کے پاس گئی اور اس سے کہنے لگی کہ:

ایک موٹا سا ڈنڈا یا کوئی ہتھیار لے کر میرے ساتھ چلو بھیڑیا وہاں دبک کر بیٹھا ہوا ہے۔ سر پر ڈنڈا پڑتے ہی مر جائے گا۔

چرواہا یہ سن کر اس کے ساتھ چلا اور جاتے ہی بھیڑیئے کو مار ڈالا اس کے مرنے سے لومڑی بہت خوش ہوئی اور وہاں جا کر اس کا جمع کیا ہوا شکار کھانے لگی۔ چند دن کے بعد اتفاق سے چرواہا وہاں آ نکلا۔ لومڑی کو وہاں دیکھ کر یہ سمجھا کہ شاید یہ بھی بھیڑیا ہی ہے۔ ایک ڈنڈا اس کے سر پر رسید کیا کہ اس نے پانی بھی نہ مانگا۔

لکڑی اور کلہاڑا:

ایک زمیندار جنگل میں گیا اور ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ درختوں نے یہ دیکھ کر اس سے پوچھا کہ تمہیں کیا چاہئے

اس نے کہا کہ:

لکڑی کا ایک ٹکڑا تاکہ میں اس کو اپنی کلہاڑی کا دستہ بنا سکوں

یہ سن کر انہوں نے ایک مضبوط لکڑی کا ٹکڑا اس کو دے دیا۔ زمیندار نے لکڑی کا ٹکڑا کلہاڑی میں لگایا اور درخت کاٹنے لگا۔

اور اونچے اونچے اعلیٰ درخت کاٹ ڈالے۔ بلوط نے ساگوان سے کہا:

اے دوست! یہ ہماری نیکی کا بدلہ ہے۔ ہمارا کیا ہمارے ہی آگے آیا۔

م

مرغ اور لومڑی:

ایک مرغ ایک اونچے درخت پر بیٹھا بانگ دے رہا تھا۔ اس کی تیز آواز سے سارا جنگل گونج رہا تھا۔ ایک لومڑی جو قریب ہی شکار کی تلاش میں گھوم رہی تھی مرغ کی آواز سن کر اس درخت کے نیچے آئی اور للچائی ہوئی نظروں سے مرغ کو دیکھا لیکن جب اس نے دیکھا کہ اس کا ہاتھ آنا مشکل ہے تو اس کو نیچے اتارنے اور کھا جانے کے لئے مکروفریب سے بولی:

اے دوست! میں تمہیں دیکھ کر بہت خوش ہوں لیکن افسوس یہ ہے کہ جہاں تم بیٹھے ہو میں وہاں نہیں آسکتی اور تم سے اچھی طرح نہیں مل سکتی اگر چہ میں نے تم کو دور سے دیکھا ہے لیکن میں یہ چاہتی ہوں کہ تم نیچے آجاؤ تو میں تم سے ملاقات کر کے اپنا دل خوش کروں۔

مرغ نے جواب دیا

اے بوا! میں بھی یہ چاہتا ہوں کہ تم سے ملاقات کروں لیکن نیچے آنے میں مجھے ڈر لگتا ہے کہ کوئی دوسرا جانور مجھے پکڑ کر کھا نہ لے اب بتاؤ کہ میں کیا کروں

لومڑی نے کہا:

اے میرے آنکھوں کے تارے! کیا تم کو معلوم نہیں ہے کہ چرندوں اور پرندوں میں صلح وصفائی کا اعلان ہو گیا ہے اور یہ طے پایا ہے کہ کوئی کسی پر ظلم وستم اور زبردستی نہیں کرے گا اور سب آپس میں دوستی اور اتحاد و اتفاق سے رہیں گے اور جو اس معاہدے کی خلاف ورزی کرے گا اس کو سخت سزا ملے گی۔

اتنے میں مرغ جو لومڑی کی مکارانہ باتیں سن کر رہا تھا اپنی گردن لمبی کر کے ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ لومڑی نے پوچھا اے بھائی! تم ادھر ادھر کیا دیکھ رہے ہو۔

مرغ نے کہا:

تھوڑے فاصلے پر مجھے کتے ادھر آتے دکھائی دیتے ہیں۔ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ وہ اسی طرف آرہے ہیں

لومڑی بولی:

اگر ایسی بات ہے تو میں جاتی ہوں خدا حافظ:

مرغ بولا

مت جاؤ میں نیچے آرہا ہوں اب تو صلح کا معاہدہ ہو گیا ہے۔تمہیں کیا ڈر اور کیا خطرہ۔

اس نے جواب دیا اے بھائی!ہوسکتا ہے کہ انہوں نے صلح کے معاہدے کے بارے میں نہ سنا ہو۔

یہ کہہ کر لومڑی دم دبا کر بھاگ گئی۔

موت کا تیر:

ایک دن ایک آدمی موت کے خوف سے بھاگ کر ایک غار میں چھپ گیا،اور وہاں جا کر سو گیا کہ اچانک اس کے پاؤں میں سانپ نے کاٹ لیا۔کاٹنے سے جوں ہی اس کی آنکھ کھلی اس نے کہا:

صد افسوس!جس موت سے ڈر کر یہاں بھاگا،اس کا سامان یہاں بھی پیدا ہو گیا۔سچ ہے حیلے روز بہانے موت

مور اور نیل کنٹھ:

ایک مرتبہ بہت سے پرندے ایک جگہ جمع ہوئے کہ کسی کو اپنا بادشاہ بنالیں تا کہ ہر کام اصول وضوابط کے مطابق ہو کیونکہ ان کے خیال میں جب تک عادل بادشاہ اور با تدبیر وزیر نہ ہوں ملک میں فساد ہی برپا رہتا ہے۔ابھی یہی سوچ بچار کر رہے تھے کہ اتنے میں مور آگے بڑھا اور اپنے رنگ برنگ پر پھیلائے اور دوسرے پرندوں کا دل لبھایا۔وہ نادان اور بے وقوف پرندے اس کی ظاہری خوبصورت اور

رنگین نقش و نگار دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ کئی پرندوں نے مور کو پسند کر کے اس کو بادشاہ بنانے کا مشورہ دیا اور اپنے پر پھڑ پھڑا کر اس کی تعریف کرنے لگے۔ جوں ہی ان پرندوں نے یہ چاہا کہ شاہی آداب بجالائیں اور جھک کر مور کو سلام کریں۔ نیل کنٹھ مجلس میں سے اٹھ کھڑا ہو گیا اور کہا:

اے جناب! میرے دل میں کچھ شک و شبہ ہے اگر حکم ہو تو میں اس بھری مجلس میں عرض کروں امید ہے کہ آپ اس کا جواب ضرور دیں گے۔

مور نے کہا:

تیرے دل جو بھی تر دو ہے بلا جھجک بیان کر۔

نیل کنٹھ نے کہا:

اے جہاں پناہ! ہم نے اپنی جان و مال سب کچھ آپ کے سپرد کر دیا ہے اور دل و جان سے آپ کے خادم ہیں لیکن ایک بات بتایئے کہ اگر عقاب یا باز ہم پر حملہ کر دیں اور یقیناً وہ ضرور کریں گے تو کس طرح ہم کو ان کے پنجے سے بچائیں گے مہربانی فرما ہمیں اس سوال کا جواب دیں دیجئے۔ اور ہمیں مطمئن کیجئے پھر ہم آپ کے فرمانبردار رہیں گے۔

یہ **بات سن** کر حاضرین مجلس کو مور کو بادشا بنانے میں تامل ہوا اور وہ سمجھ گئے کہ ایسا نازک مزاج کس طرح امور سلطنت چلائے گا یہ سوچ کر انہوں نے مور کو بادشاہ بنانے کا ارادہ ترک کر دیا۔

مکھیاں، شہد کی مکھیاں اور زنبور:

ایک دن بہت سی عام مکھیاں شہد کی مکھیوں کے چھتے کے پاس جا کر ان سے کہنے لگیں:

یہ شہد ہمارا ہے ہمیں دے دو

فیصلہ نہ ہوا تو دونوں قسم کی مکھیاں مقدمے کے فیصلے کے لئے زنبور کے پاس گئیں

اور اسے جج بنایا۔ زنبوران مکھیوں کے مزاج کو خوب سمجھتا تھا۔ اس نے تمام تفصیل سن کر کہا کہ:

اے دوستو! عدالتی معاملات میں بہت خرچہ ہوتا ہے اور فیصلے میں بھی وقت لگتا ہے تم دونوں قسم کی مکھیاں ہماری دوست ہو لہذا میں یہ نہیں چاہتا کہ تمہارا کوئی نقصان ہو یا فیصلے میں وقت لگے۔ تم دونوں قسم کی مکھیاں میرے پاس آئی ہو تم دونوں کی شکلیں ملتی جلتی ہیں لہذا اس بات سے سچ اور جھوٹ کو معلوم کرنا مشکل کام ہے بہتر یہ ہے کہ تم دونوں قسم کی مکھیاں خالی چھتوں میں شہد بناؤ میں اس کا مزہ اور رنگ دیکھ کر معلوم کرلوں گا کہ اس شہد کی مالک کون ہے اور سچے جھوٹے کا معلوم ہو جائے گا۔

شہد کی مکھیوں نے یہ بات سنتے ہی قبول کرلی دوسری مکھیاں یہ سن کر گھبرائیں اور بحث کرنے لگیں۔ پھر زنبور نے فیصلہ سنا دیا کہ عام مکھیاں جھوٹی اور شہد کی مکھیاں سچی ہیں۔

مرغی اور ابابیل:

ایک دن مرغی کو کہیں کوڑے کرکٹ پر سانپ کے انڈے نظر آئے وہ ان پر بیٹھ کر اس کو سینچنے لگی۔ ایک ابابیل یہ دیکھ کر مرغی کے پاس آیا اور بولا:

اے بوا! کیا دیوانی ہوگئی ہو یا پاگل ہو ایسے بے رحم جانور پر رحم کرتی ہو۔ خوب اچھی طرح سمجھ لو انڈوں میں سے نکلتے ہی یہ سانپ کے بچے پہلے تجھے ہی کاٹیں گے اور ماردیں گے۔

مالی اور کتا:

ایک دن ایک مالی کا کتا باغ میں کھیل رہا تھا۔ اتفاق سے وہ کنوئیں میں گر گیا۔ مالی یہ سن کر دوڑا دوڑا آیا اور اسے کنوئیں سے نکالنے لگا۔ اتنے میں اس کتے نے مالی کے ہاتھ پر کاٹ لیا مالی نے غصہ میں آ کر اس کو دوبارہ کنوئیں میں ڈال دیا اور بولا:

اے کتے! تو بڑا نمک حرام اور بے وفا ہے جس نے تجھے پالا پوسا کھلایا اور پھر تجھ

کواس کنوئیں سے نکالا تو نے اسی کو کاٹا بہتر یہی ہے کہ تو مر جا تیرے جیسے بے وفا کا مر جانا ہی بہتر ہے۔

مرغا اور موتی:

ایک نوجوان اور چالاک مرغا چند مرغیوں کے ساتھ کوڑے پر دانہ دنکا چنتا تھا اور اس میں سے جو کچھ ملتا ان کو کھلاتا خود بھی کھاتا اور ان کا دل لبھاتا تھا۔ اتفاقاً ایک دن کوڑے میں سے اسے ایک موتی ملا اور وہ موتی اپنی چمک دمک سے اس کو بہت اچھا لگا۔ اس کو یہ تو معلوم ہو گیا کہ یہ موتی ہے مگر اسے یہ معلوم نہ ہو سکا کہ یہ کس کام کا ہے۔ اس مرغ نے اپنی نادانی کو چھپانے کے لئے اس کی تحقیر کرنا چاہی، یہ سوچ کر اس نے اپنے پروں کو اوپر اٹھایا سر کو ہلایا اور گردن اکڑا کر یوں بولا:

تو چیز تو بہت اچھی ہے مگر مجھے یہ نہیں معلوم کہ تیرا یہاں کیا کام ہے۔ میں سچ بات کہتا ہوں کہ میرا دل تو دوسری چیزوں کی طرف مائل ہے۔ میرے خیال میں جو کا ایک مزے دار دانہ دنیا کے سارے سچے موتیوں سے بہتر اور افضل ہے۔

مغرور کوا:

ایک کوا بہت مغرور اور بہادر تھا لیکن وہ کوؤں کے ساتھ رہنے سے خوش نہ تھا۔ آخر کار اس نے ایک دن موروں کے گرے ہوئے پر چن کر اپنے پروں میں لگا لئے اور بلا تکلف موروں کی محفل میں جا بیٹھا ان کو فوراً ہی یہ معلوم ہو گیا کہ یہ مور نہیں کوا ہے۔ انہوں نے اس کے لگائے ہوئے پروں کو اکھاڑ دیا اور اپنے تیز اور نوکدار پنجوں سے اسے خوب مارا اور اس کی اس حرکت پر اس کو خوب سزا دی۔ اس بات پر وہ نہایت غمگین ہو کر دوبارہ کوؤں میں چلا گیا اور یہ چاہا کہ اب وہ ان میں ہی رہے اور ان کے ساتھ اڑتا پھرے لیکن ان کوؤں کو یہ بات معلوم ہو گئی تھی کہ یہ موروں سے مار کھا کر آ رہا ہے۔ انہوں نے اس کا خیر مقدم نہ کیا اور نہ ہی اپنی محفل میں آنے دیا بلکہ ان کوؤں میں سے ایک نے اس کو ملامت بھرے الفاظ کہے اور کہا:

اے بھائی! اگر تو اپنی اصلیت پر خوش رہتا، اس حالت پر کہ جس پر خدا نے تجھ کو پیدا کیا ہے اور اس سے نفرت نہ کرتا تو مروں سے ایسی ذلت نہ اٹھاتا اور ہمارے سامنے بھی شرمندہ نہ ہوتا۔

ن

نیولا اور آدمی:

ایک آدمی نے ایک نیولے کو پکڑا اور اس کو مارنے لگا۔ وہ نیولا عاجزی سے کہنے لگا:

جناب! مجھے مت ماریں میں آپ کے بہت کام کا ہوں میں آپ کے گھر کے چوہوں کو مارتا ہوں

اس شخص نے جواب دیا:

اگر تو یہ کام میرے فائدے کے لئے کرتا تو میں تجھے کبھی نہ مارتا بلکہ تیرا شکر گزار ہوتا تو صرف ان کو ہی نہیں مارتا بلکہ میرا کھانا بھی کھا جاتا ہے۔ اس صورت میں تو زیادہ نقصان دہ ہے۔ ایسی بھلائی تو کیسی دوسرے کے ساتھ ہی کر

یہ کہہ کر اس کو مار ڈالا

نوجوان اور شیر:

ایک مال دار آدمی کا ایک بیٹا تھا۔ وہ اسے بہت پیار کرتا تھا۔ وہ آدمی خواب اور شگون پر بہت یقین رکھتا تھا۔ اس کے بیٹے کو شکار کا بہت شوق تھا۔ وہ ہر روز صبح شکار کو چلا جاتا۔ ایک رات کو اس کے باپ نے خواب دیکھا کہ اس کے بیٹے کو شیر مار کر کھا گیا ہے۔ اس نے سوچا کہ بیٹے کو جنگل میں نہیں جانے دینا چاہئے۔ شاید کہ خواب سچا ہی نہ ہو جائے اس لئے اس نے ایک نیا مکان بنوایا اور اس میں اپنے بیٹے کو رکھا اور اس خیال سے کہ وہ کہیں شکار کو نہ چلا جائے اس کے آرام سکون اور سہولت کا سارا سامان مہیا کیا اور اس میں ہر اس جانور کی تصویر بنوا کر رکھوائی جس اس اس کے بیٹے نے شکار کیا تھا۔ اس میں شیر کی تصویر بھی تھی۔ ایک دن وہ لڑکا شیر کی تصویر کی طرف دیکھتے ہوئے غصے میں بولا:

تیری ہی وجہ سے میرے باپ نے مجھے اس مکان میں قید کیا ہوا ہے۔ اے بد

ذات حیوان! تو تو جنگل میں آزاد پھرتا ہے اور میں یہاں قید ہوں اگر میں باہر ہوتا تو آزادی سے ادھر ادھر پھرتا اور اگر میرے پاس تلوار ہوتی تو تیرے سینے پر مارتا

یہ کہہ کر اس نے غصہ میں آکر دیوار پر جس پر شیر کی تصویر تھی ایک مکا مارا۔ دیوار پر ایک کیل لگی ہوئی تھی اس کا ہاتھ اس کیل سے زخمی ہوا وہ زخم بڑھتا گیا آخر کار وہ لڑکا اسی زخم کی وجہ سے مر گیا اس کے باپ نے بہت علاج کروایا لیکن جو ہونی تھی وہ ہو کر رہی۔

نادان اونٹ:

اے خدا! میری حالت تو بہت پتلی ہے میرے پاس بیل یا دوسرے جانوروں کی طرح سینگ نہیں ہیں جس سے میں اپنا دفاع کروں اس لئے میں نہایت عاجزی سے عرض کرتا ہوں کہ مجھے ایسی چیز دے دیں جو مناسب ہو اور ہر وقت کام آئے

اس سادہ لوح کی یہ عرض قبول نہ کی گئی بلکہ ندا آئی:

تیری نامعقولیت کی سزا یہی ہے کہ تیرے کان چھوٹے کر دیئے جائیں۔

ہرن اور انگور:

ایک دن کئی شکاری ہرن کے پیچھے لگ گئے وہ ہرن بھاگتے بھاگتے تھک گیا آخر انگور کے بڑے درخت کے نیچے جا کر چھپ گیا شکاری یہ سمجھے کہ کہیں بھاگ گیا ہے۔ یہ سوچ کر وہاں سے جانے لگے اتنے میں ہرن نے سوچا کہ اب کوئی خطرہ نہیں ہے یہ سوچ کر وہ بےفکری سے انگور کے پتے کھانے لگا۔ شکاری انگوروں کے خوشوں کو ہلتا دیکھ کر یہ سمجھے کہ کوئی جانور یہاں چھپا ہوا ہے۔ یہ سوچ کر انگوروں کی طرف کئی تیر مارے جو ہرن کو جا کر لگے ہرن وہیں مر گیا۔ انہوں نے جا کر دیکھا کہ وہی ہرن مرا ہوا ہے۔ مرتے وقت ہرن نے نہایت افسوس سے یوں کہا

ہائے افسوس! میری ناشکری کی سزا یہی ہے جس نے مجھے مصیبت کے وقت جگہ دی اور بچایا میں اس پر ظلم کرنے لگا اور وہی پتے کھانے لگا۔

ہرن اور ندی کا پانی:

ایک ہرن ندی میں پانی پینے گیا، ندی کا پانی نہایت صاف شفاف اور پہاڑ پر سے گرتا تھا۔ پانی میں اپنی شکل دیکھ کر بہت خوش ہوا۔ تھوڑی دیر سر سے پاؤں تک اپنی صورت دیکھتا رہا پھر بولا:

واہ رے واہ! میرے سر پر کتنے خوبصورت شاخ دار سینگ ہیں جن کی وجہ سے میرا چہرہ بہت خوبصورت نظر آتا ہے۔ اگر میرے جسم کے دوسرے اعضاء بھی ویسے ہی ہوتے تو میرے جیسا کوئی نہ ہوتا اور نہ میں کسی کو خاطرہ میں لاتا لیکن میرے پاؤں اس کے حق میں بہت اچھے ہیں اور اکثر اس کو بچاتے ہیں لیکن میرے خیال میں ایسے پتلے پتلے اور بےڈول پاؤں اگر نہ ہی ہوتے تو اچھا تھا۔

ابھی یہی سوچ رہا تھا کہ اتنے میں شکاریوں اور شکاری کتوں کے دوڑنے کی آوازیں سنیں جو اس کی بو سونگھ کر اسی طرف آ رہے تھے۔ ڈر کر وہاں سے بھاگا اور

دوڑتا چھلانگیں لگاتا ہوا میدان میں دور نکل گیا اور ایسا دوڑا کہ شکاری اور ان کے کتے پیچھے رہ گئے۔ پھر ایک جھاڑی میں داخل ہوا۔ اس کے سینگ ایک جھاڑی کی ڈالیوں میں پھنس گئے اور وہ وہیں پھنس گیا۔ اتنے میں شکاری اور ان کے کتے بھی آ پہنچے اور اس کو وہیں پکڑ لیا۔ اس نے جب یہ ماجرا دیکھا تو افسوس سے یوں کہنے لگا:

میرا بڑا ہی بد بخت ہوں۔ بڑی دیر کے بعد مجھے اب معلوم ہوا کہ جن پر میں غرور و تکبر کرتا تھا اسی کی وجہ سے میں ہلاک ہوا اور جن کو میں خراب سمجھتا تھا وہ میری نجات کا سبب بنے تھے۔

ہرن اور بیل کا باڑہ:

ایک دن ایک ہرن جھاڑیوں میں سے باہر نکلا اس کے پیچھے شکاری اور ان کے کتے لگ گئے۔ وہ بھاگتا بھاگتا ایک کسان کے گھر کی طرف آیا اور بیلوں کا باڑہ کھلا دیکھ کر اس کے اندر گھس گیا اور گھاس کے ذخیرے کے نیچے چھپ گیا۔ ایک بیل نے اس کی طرف دیکھ کر کہا:

تم یہاں اپنی جان دینے کیوں آ گئے ہو۔ مارے جاؤ گے

ہرن نے کہا: بھائی جان! تمہاری بڑی مہربانی مجھے چھپنے دو مجھے امید ہے کہ میں بچ جاؤں گا اور چپکے سے یہاں سے نکل جاؤں گا۔

غرضیکہ وہ شام تک وہاں چھپا رہا۔ اتنے میں بیل چرانے والا آیا اور اس کی نظر ہرن پر نہ پڑی۔ کئی نوکر آئے گئے لیکن کسی کی نظر بھی اس پر نہ پڑی۔ بیلوں کا رکھوالا بھی اپنے معمول کے مطابق آیا ادھر ادھر دیکھا مگر اس کی نظر بھی نہ پڑی۔ اس پر ہرن خوشی کے مارے پھولا نہ سمایا اور بیلوں سے کہنے لگا:

دوستو! ہماری خوشی اسی میں ہے کہ تیری جان بچ جائے لیکن یہاں ایک شخص بھی ہے جس کی سو آنکھیں ہیں اگر وہ آ گیا تو تیری جان گھاس کے ایک تنکے سے بھی زیادہ ہو گی۔

گھر کا مالک جو ایک دعوت میں گیا ہوا تھا۔ واپسی پر بیلوں کے باڑے میں آیا۔ بیلوں کو دیکھ کر اس نے نوکروں سے کہا

تم نے ان کو چارہ کیوں نہیں ڈالا۔ بیلوں کے پاس گھاس پھوس کم ہے ان کو گھاس ڈالا اور یہ کونوں میں مکڑیوں کے جالے لگے ہوئے ہیں ان کو صاف کیوں نہیں کیا، کیا میں ان کو صاف کروں گا؟

اس طرح وہ ہر چیز کو باریک نظر سے دیکھتا گیا۔ اتفاقا! گھاس میں اس کو ہرن کے سینگ نظر آئے وہ چلا کر کہنے لگا:

دوڑو گھاس میں ہرن چھپا بیٹھا ہے اس کو پکڑو

یہ سنتے ہی نوکر دوڑے ہرن کو پکڑا اور ذبح کر دیا

ہوا اور سورج:

ایک دن شمال کی ہوا اور سورج کے درمیان اپنی اپنی بزرگی، بڑائی اور رتبہ کے بارے میں جھگڑا ہونے لگا۔ اتنے میں ایک مسافر بڑا سا کوٹ پہنے وہاں آ نکلا۔ دونوں نے یہ دیکھ کر فیصلہ کیا کہ جو اس مسافر کا یہ کوٹ اتار دے وہی بلند رتبہ ہے۔ پہلے شمال کی ہوا بہت سردی اور تیزی سے چلنے لگی اور بارش بھی کرنے لگی لیکن جوں جوں ہوا تیز چلتی مسافر اس کوٹ کو اور اپنے بدن کے گرد لپیٹنے کی کوشش کرتا آخر کار وہ تھک گئی۔

پھر سورج کی باری آئی پہلے سورج نے اپنی کرنوں سے آسمان کی طرف سے سردی ختم کی، اس کے بعد اپنی کرنیں مزید تیز کر کے اس مسافر کے سر پر چمکنے لگا وہ آدمی تیز دھوپ سے پریشان ہوا اور گھبرا کر فوراً کوٹ اتار دیا اور ایک درخت کے سایہ میں جا بیٹھا۔

☆☆☆☆

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ

ایثار کا جذبہ:

اصحاب صفہ میں سے کسی کو ایک شخص نے بھنی ہوئی سری ہدیہ بھیجی یہ لوگ اس زمانے میں بہت تنگ دستی کی زندگی گزار رہے انہوں نے اپنے دوسرے ساتھی کو ہدیہ دے دی۔تیسرے نے چوتھے کو اور چوتھے نے پانچویں کو ہدیہ کر دیا۔اس طرح وہ سری پھر اس شخص تک پہنچ گئی جس نے شروع میں ہدیہ دی تھی۔

اس حکایت میں بتایا گیا ہے کہ پہلے زمانے کے اہل علم میں ایثار بہت زیادہ تھا۔

اللہ کی عطا:

اصمعی کہتے ہیں

میرا گزر ایک جنگل سے ہوا کیا دیکھتا ہوں کہ ایک نہایت خوبصورت عورت ایک نہایت بدصورت انسان کی بیوی ہے۔میں نے اس عورت سے کہا عجیب بات ہے تو ایسے بدصورت انسان کی بیوی بننے پر کیسے راضی ہوگئی؟

وہ بولی

خاموش!تم غلطی پر ہو۔شاید اس مرد نے کوئی کام ایسا کیا ہو جو خدا کو پسند آیا ہو تو اسے ایک خوبصورت بیوی عطا کر دی اور میں نے کوئی ایسا برا کام کیا ہو کہ اللہ کو ناپسند آیا ہو۔لہذا اس نے مجھے ایک بدصورت شوہر سزا کے طور پر دے دیا۔جس بات کو خدا نے میرے لئے پسند فرمایا ہے میں اس پر کیسے راضی نہ ہوں۔

اپنا کیا کام کر گیا:

کسی شخص کے پاس ایک گائے تھے۔وہ اس کے دودھ میں پانی ملا کر بیچا کرتا تھا۔اس کے بیٹے نے کہا باپ ایسا نہ کیا کر

مگر وہ نہ مانا

ایک دن سیلاب آیا اور گائے کو بہا کر لے گیا تو وہ شخص رونے لگا لڑکے نے کہا:

باپ نہ روکیوں کہ وہ پانی جو تر ہر روز دودھ میں ملا کر فروخت کیا کرتا تھا جمع ہو کر

گائے کو بہا کر لے گیا۔

اسلاف کی سیرت:

نوشیروان عادل نے ایک دن اپنے وزیر یونان سے کہا

مجھے پچھلے بادشاہوں کی سیرتوں کے متعلق کچھ بتا؟

یون نے کہا

میں ان کی سیرت تین باتوں سے بیان کروں یا دو باتوں سے یا صرف ایک

بات سے؟

نوشیرواں نے کہا: تین چیزوں کے ساتھ ان کی توصیف کرو

یونان نے کہا، میں نے ان کا کوئی شغل اور عمل جھوٹا نہیں پایا۔کوئی قول بے اصل

نہیں دیکھا اور کسی بات سے جاہل و غافل نہیں پایا۔

نوشیرواں نے کہا: اب وہ چیزوں کے ساتھ ان کا وصف بیان کر

یونان نے کہا: وہ ہمیشہ بھلائی کی طرف سبقت لے جاتے تھے اور برائی سے

بچتے تھے۔

نوشیرواں نے کہا اب ایک چیز کے ساتھ توصف کر یونان نے کہا:

ان کی حکومت بہ نسبت رعایا کے اپنے نفس پر زیادہ تھی

ادے کا بدلہ:

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے طور پر اللہ تعالیٰ سے باتیں کیں تو کہنے لگے

پروردگار! مجھے اپنا عدل و انصاف دکھا

اللہ تعالیٰ نے فرمایا فلاں چشمے پر جا اور اس کے پیچھے چھپ جا پھر میری قدرت

اور انصاف کا تماشا دیکھ

موسیٰ علیہ السلام گئے اور ٹیلے پر جو چشمے کے سامنے تھا چھپ کر بیٹھ گئے۔ چشمے

پر ایک سوار آیا گھوڑے سے اترا ہاتھ منہ دھویا۔ پانی پیا اور کمر سے میانی کھولی جس میں ہزار دینار تھے نماز پڑھ کر چل دیا اور میانی وہیں بھول گیا۔

پھر ایک چھوٹا سا بچہ چشمے کے کنارے آیا۔ اس نے پانی پیا اور میانی اٹھا کر چلتا بنا۔ اس کے بعد ایک اندھا آیا اس نے وضو کیا اور نماز پڑھنے لگا۔ شہسوار کو اپنی میانی یاد آئی وہ فوراً چشمے کی طرف لوٹا۔ اندھے کو دیکھا تو اس کے سر ہو گیا کہ میں یہاں اپنی میانی بھول گیا تھا اور جس میں ہزار دینار تھے، تیرے سوا یہاں کوئی نہیں آیا۔

اندھا بولا: آپ جانتے ہیں میں اندھا ہوں میں میانی کو کیسے دیکھ پاتا

شہسوار یہ بات سن کر آپے سے باہر ہو گیا تلوار سونت لی اور اسے قتل کر ڈالا میانی ڈھونڈی تو نہ پائی لہذا اپنی راہ لی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام سے صبر نہ ہو سکا کہنے لگے پروردگار! تو عادل ہے مجھے بتا یہ کیا ہوا؟ جبرائیل علیہ السلام آئے اور انہوں نے کہا اے موسیٰ! وہ بچہ جو میانی لیا گیا، اپنا حق لے گیا۔ بات یہ ہے کہ اس بچے کا باپ اس شہسوار کا ملازم تھا وہ مر گیا تو اس نے تنخواہ نہ دی، بچہ اپنے باپ کی مزدوری کے مطابق رقم لے گیا۔ رہا اندھا۔ سو اس نے اندھا ہونے سے پہلے شہسوار کے باپ کو قتل کیا تھا لہذا حق دار کو اس کا حق پہنچ گیا۔

ب

بچوں سے محبت:

ایک دفعہ مسجد نبویﷺ میں رسول اللہﷺ نماز پڑھا رہے تھے حضرت امام حسنؓ چھوٹے سے تھے۔ آپﷺ سجدے میں گئے تو آپﷺ کی گردن پر چڑھ بیٹھے۔ دیر تک آپ سجدے میں رہے۔ لوگ سمجھے آپﷺ پر سجدے کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے کوئی نیا حکم آیا ہوگا۔ جب نماز سے فارغ ہو چکے تو صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے دریافت کیا:

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آج آپﷺ نے سجدے میں بڑی دیر لگائی ہم سمجھے کوئی نئی بات ہوگئی ہے

آپؐ نے فرمایا

یہ میرا فرزند مجھ پر سوار ہو گیا تھا۔ مجھے اچھا معلوم نہ ہوا کہ اس کی دل شکنی کروں

بیٹی کی شادی:

مروے کا ایک شخص نوح بن منصور بڑا رئیس اور شہر قاضی تھا۔ وہ بڑا سخی اور عالم تھا۔ اس کی ایک بیٹی بہت حسین و جمیل اور ہنر والی تھی۔ شہر کے صاحب کمال رئیسوں نے اس کا پیام دیا تھا مگر اس نے کسی سے ہاں نہیں کی تھی۔ وہ اپنی بیٹی کے بارے میں پریشان تھا کیونکہ فیصلہ نہ کرسکا کہ کس سے شادی کرے سوچتا تھا کہ فلاں شخص سے کروں گا تو فلاں شخص ناراض ہو جائے گا اور اگر اس سے کرتا ہوں تو وہ خفا ہو جائے گا۔

ایک لڑکا جس کا نام مبارک تھا۔ اس کے گھر ملازم تھا۔ مگر وہ بڑا ہی نیک اور پرہیزگار تھا۔

قاضی کہنے لگا: میں چاہتا ہوں کہ تو میرے باغ کی حفاظت کرے

چنانچہ وہ باغ میں رہنے لگا۔ ایک مہینے بعد قاضی باغ میں گیا مبارک سے کہا

انگوروں کا ایک گچھا لا دے

وہ ایک گچھا لایا تو بالکل کھٹا نکلا۔

قاضی نے کہا: اور لا وہ اور لایا وہ بھی ترش تھا۔ آقا نے کہا: اور لدوہ اور لایا تو وہ بھی کھٹا تھا۔ قاضی نے کہا: کیا بات ہے تو کھٹے انگور ہی لاتا ہے۔ میٹھے کیوں نہیں لاتا؟ وہ بولا مجھے معلوم نہیں ان میں سے کون سے میٹھے اور کون سے کھٹے ہیں۔

مالک کہنے لگا: سبحان اللہ! تجھے ایک ماہ باغ میں رہتے گزر گیا اور یہ تک نہیں پتا کہ کون سے بوٹے ترش ہیں کون سے شیریں!

لڑکے نے کہا: آپ کی قسم میں نے کبھی انگور نہیں چکھے۔ جو یہ جانتا کہ کھٹے ہیں یا میٹھے

قاضی بولا: تو نے انگور کیوں نہیں کھائے

لڑکا بولا: اس لئے کہ آپ نے مجھے باغ کی حفاظت کے لئے بھیجا ہے کھانے کے لئے نہیں بھیجا میں آپ کی خیانت کیسے کرتا

آقا نے بڑا تعجب کیا، کہنے لگا:

اللہ تیری دیانت داری کی حفاظت کرے

وہ سمجھ گیا کہ لڑکا بڑا ایمان دار اور عقل مند ہے

کہنے لگا: لڑکے مجھے تجھ سے محبت ہوگئی ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ جو کچھ تجھ سے کہوں اس سے انکار نہ کرے

مبارک بولا: میں آپ کا اور اللہ کا فرمان بردار ہوں

قاضی نے کہا: میری ایک حسین وجمیل بیٹی ہے۔ بڑے بڑے امیروں نے اس کا پیام دیا ہے میں فیصلہ نہیں کرسکا کہ کیا کروں تو بتا کہ مجھے کیا کرنا چاہیے؟

لڑکے نے کہا:

اسلام سے پہلے لوگ حسب نسب اور خاندانی شرافت دیکھا کرتے تھے۔

یہودی اور عیسائی حسن و جمال دیکھتے تھے اور زمانہ رسالت میں لوگ پرہیز گاری اور تقوی دیکھتے تھے۔ان تینوں میں سے آپ جو کچھ پسند کریں چن لیں

قاضی بولا:

میں نے پرہیز گاری اور تقوی کو چن لیا ہے لہذا میں چاہتا ہوں کہ لڑکی کی شادی تجھ سے کروں کیونکہ تجھ میں عفت دیانت داری اور پرہیز گاری ہے

لڑکا کہنے لگا:

میرے آقا! میں چھوٹا سا بچہ آپ کے گھر میں آیا تھا کالا اور بد صورت ہوں، غریب اور لاوارث ہوں۔آپ میرے ساتھ اپنی بیٹی کی شادی کیسے کر سکتے ہیں؟ اور آپ کی بیٹی مجھے کیسے پسند کر سکتی ہے؟

قاضی نے کہا:

میرے ساتھ گھر چل تا کہ اس کی کوئی تدبیر کروں

جب وہ دونوں گھر پہنچے قاضی نے اپنی بیوی سے کہا:

دیکھو یہ غریب لڑکا بڑا متقی پرہیز گار ہے میں نے اسے اپنی لڑکی کے لئے پسند کیا ہے تمہاری کیا رائے ہے؟

وہ کہنے لگی آپ کو اختیار ہے مگر میں لڑکی سے پوچھ لوں وہ کیا جواب دیتی ہے۔ ماں بیٹی کے پاس گئی اور باپ کا پیغام پہنچایا،وہ کہنے لگی:

جو کچھ آپ مجھے حکم دیں گے میں آپ کے حکم سے باہر نہیں نہ آپ کی مخالفت کر سکتی ہوں۔بلکہ آپ کی اطاعت کروں گی

قاضی نے بیٹی کی شادی مبارک سے کر دی سارے رئیس دیکھتے رہ گئے۔

شادی کے ایک سال بعد اس لڑکی کے لڑکا پیدا ہوا تو مبارک نے اس کا نام عبداللہ رکھا۔یہ لڑکا تمام دنیا میں عبداللہ بن مبارک کے نام سے مشہور ہے۔کیونکہ وہ بڑے ہو کر بہت متقی پرہیز گار صاحب علم و زہد ہوئے ہیں۔وہ علم حدیث کے بڑے

ماہر، اپنے وقت کے امام اور یگانہ روزگار محدث اور مجاہد تھے۔

برائی کے بدلے:

حضرت حسین بن علیؓ کو معلوم ہوا کہ فلاں شخص نے ان کی برائی کی ہے تو آپ نے طباق میں کھجوریں بھریں اور خود اپنے ہاتھ سے یہ کھجوریں اس کے گھر لے گئے۔ دروازہ کھٹکھٹایا تو وہ شخص آیا۔ دیکھا تو حضرت حسینؓ طباق میں کھجوریں لئے کھڑے ہیں پوچھنے لگے اے رسول اللہؐ کے نواسے یہ کیا لائے ہو؟

آپ نے فرمایا:

یہ لے لو کیونکہ مجھے معلوم ہوا ہے تم نے اپنی نیکیاں مجھے ہدیہ کی ہیں تو میں یہ کھجوریں لایا ہوں

مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی کی برائی کرتا ہے تو برائی کرنے والے کی نیکیاں اسے مل جاتی ہیں۔

بادشاہ کا جواب:

ہندوستان کے ایک راجہ نے نوشیرواں کے پاس ایک قاصد بھیجا کہ میں تم سے بڑا بادشاہ ہوں لہٰذا مجھے خراج (ٹیکس) دیا کرو

نوشیرواں نے قاصد کو ٹھہرایا، پھر اگلے دن، وزیروں امیروں کو جمع کیا اور قاصد کو بلایا جب وہ پیش ہوا تو کہا

اپنے پیغام کا جواب سن لے

پھر نوشیرواں نے ایک صندوقچہ منگوایا۔ اسے کھلوایا۔ اس کے اندر سے ایک چھوٹا صندوقچہ نکلوایا جس میں ایک سرکنڈا رکھا تھا۔ قاصد سے پوچھا:

کیا یہ تیرے ملک میں ہوتا ہے؟

اس نے کہا بکثرت ہوتا ہے

نوشیرواں نے کہا راجہ سے کہنا اپنی حکومت کو آباد کرے۔ کیونکہ وہ غیر آباد ہے۔

اس کے بعد کسی آباد سلطنت کا رخ کرے۔ اگر تو میری ساری رعایا میں گھومے گا اور ایک بھی سرکنڈا تلاش کرے گا تو نہیں پائے گا کیونکہ اگر مجھے پتا چل جائے کہ فلاں مقام پر ذرا بھی سرکنڈا ہے تو میں وہاں کے حاکم کو سولی پر چڑھوا دوں۔

ت

تقویٰ کی معراج:

حضرت فضل ابن عیاض نے اپنے بیٹے کو دیکھا کہ وہ ایک اشرفی کو خوب رگڑ رگڑ کر دھو رہا ہے۔ یہ اشرفی بھی اسے بھنانی تھی۔ وہ اس لئے اچھی طرح اسے صاف کر رہا تھا۔ کہ میل کچیل کا وزن بڑھ کر قیمت زیادہ نہ ہو جائے۔ آپ نے فرمایا:

بیٹا! یہ کام جو تم کر رہے ہو وہ حج اور دس عمروں سے بڑھ کر ہے

تجھے کیا پتہ؟

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

احد کی لڑائی میں ایک لڑکا شہید ہوا ہم نے دیکھا تو اس کے پیٹ پر پتھر بندھا ہوا تھا تا کہ بھوک نہ ستائے۔ اس کی ماں اس کے چہرے سے مٹی صاف کرتی جاتی تھی اور کہتی جاتی تھی بیٹا! جنت مبارک ہو۔ رسول اللہ نے سنا تو کہا اسے کیسے معلوم ہوا کہ وہ جنت ہی میں جائے گا، ہوسکتا ہے کہ وہ بے ہودہ باتیں کرتا ہو اور ضرورت کی چیزیں لوگوں کو نہ دیتا ہو۔

تدبیر اور تقدیر:

کسی نے کاغذ سے پوچھا تیرا منہ تو بہت سفید تھا کالا سیاہ کیوں ہو گیا؟ تو نے اپنا منہ کالا کیوں کر لیا؟

کاغذ نے جواب دیا یہ کیا انصاف ہے کہ یہ بات مجھ سے پوچھتا ہے۔ میں نے خود اپنا منہ کالا نہیں کیا۔ روشنائی سے پوچھ کہ وہ دوات میں جہاں اس کا ٹھکانا اور وطن تھا آرام سے بیٹھی تھی کیوں نکلی؟ اور میرا منہ کیوں کالا کر گئی

اس نے کہا: تو نے سچ کہا

وہ روشنائی کے پاس گیا اور اس سے پوچھا کیا وجہ ہے کہ تو نے زبردستی کاغذ کا منہ سیاہ کر دیا

اس نے کہا: بھلا یہ بھی مجھ سے پوچھنے کی کوئی بات ہے میں تو دوات میں چپ چاپ بیٹھی تھی۔ میرا ارادہ یہاں سے باہر نکلنے کا نہ تھا مگر قلم نے مجھ پر زیادتی کی اور مجھے وطن سے بے وطن کر دیا میری جمعیت کو تر بتر کر دیا اور سارے صفحے پر پھیلا دیا۔ تو اس کی وجہ قلم سے پوچھنی چاہئے مجھ سے کیا واسطہ؟

اس نے کہا تو درست کہتی ہے:

وہ قلم کے پاس گیا اور اس کے ظلم و زیادتی کی وجہ پوچھی اس نے کہا

یہ بات مجھ سے پوچھتے ہو میں تو نہروں کے کنارے ہرے بھرے درختوں میں کھڑا تھا ہاتھ چھری لے کر پہنچا۔ مجھے جڑ سے اکھاڑ کر میری ساری کھال چھیل ڈالی۔ میرے کپڑے اتار کر پھینک دیئے۔ میری پوریاں جدا کیں، پھر تراشا، سر چیرا، قسط لگایا اور دوات میں ڈبو دیا۔ وہ مجھ سے رات دن خدمت لیتا اور مجھے سر کے بل چلاتا ہے۔ تو مجھ سے یہ بات پوچھ کر کیوں میرے زخموں پر نمک چھڑکتا ہے؟ جا دور ہو جا اور ہاتھ سے پوچھ جس نے مجھے دبا رکھا ہے

اس نے کہا: تیرا قول درست ہے

اور ہاتھ سے پوچھا: تو نے قلم پر کیوں ظلم ڈھا رکھا ہے؟ اس سے رات دن کیوں خدمت لیتا ہے؟

ہاتھ نے کہا میاں صاحب! میں تو گوشت ہڈی اور خون ہوں۔ تم نے کہیں دیکھا ہے کہ گوشت کسی پر ظلم کرتا ہے یا کوئی عضو خود حرکت کرتا ہے؟ میں تو ایک سواری ہوں۔ گھماتا اور پھراتا ہے دیکھو درخت اور پتھر کوئی بھی اپنی جگہ سے نہیں ہلتا اور کوئی بھی حرکت نہیں کرتا کیونکہ یہ زبردست ان پر سوار نہیں ہے۔ مردوں کے ہاتھ میں اور مجھ میں کیا فرق ہے وہ کیوں قلم نہیں پکڑتے؟ غرض میرا قلم سے کوئی واسطہ نہیں، تمہیں یہ سوال طاقت سے کرنا چاہئے، میرا کوئی قصور نہیں، میں سواری ہوں، سوار سے پوچھو؟ سواری ہی مجھے ہلاتا ہے

اس نے کہا بجا ہے

وہ طاقت کے پاس گیا اور پوچھا:

کیا وجہ ہے تو ہاتھ سے خدمت لیتی ہے اور اسے ادھر ادھر گھماتی پھراتی ہے؟

اس نے کہا:

تم مجھے ملامت نہ کرو۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ملامت کرنے والا خود ملامت کا مستحق ہوتا ہے اور جسے ملامت کی جاتی ہے او ر بالکل بے قصور ہوتا ہے۔ تمہیں میرا حال معلوم نہیں۔ تم نے کیسے جانا کہ میں نے ہاتھ پر سوار ہو کر اس پر زیادتی کی ہے؟ میں ہلانے سے پہلے بھی اس پر سوار تھی۔ مجھے اسے ہلانے سے کیا غرض میں تو چپ چاپ سوتی تھی اور ایسے خواب خرگوش میں پڑی تھی کہ لوگوں کو پتہ تک نہ تھا۔ خود ہلتی تھی نہ دوسروں کو ہلاتی تھی، یہاں تک کہ ایک جن آیا اور اس نے مجھے جگا دیا۔ مجھے ہلایا اور زبردستی مجھ سے کام لیا۔ مجھ میں اس کی مخالفت کی طاقت نہ تھی۔ اس جن کو ارادہ کہتے ہیں۔ میں اس کے نام ہی سے واقف ہوں اور بس اتنا جانتی ہوں کہ ایک دن اس نے چڑھائی کر کے مجھے جگا دیا اور زبردستی مجھ سے کام لیا۔ اگر میرا بس چلتا تو میں ذرا بھی حرکت نہ کرتی

اس نے کہا درست ہے پھر ارادے سے پوچھا:

تجھے کیا ہوا تھا کہ طاقت پر جو چپ چاپ پڑی اطمینان سے سو رہی تھی، جا پڑا اور اسے حرکت دینے میں لگا دیا۔ اس پر ایسی زبردستی کی کہ تاب مخالفت نہ لا سکی اور بغیر تیرا حکم مانے اسے کوئی چارہ کار نظر نہ آیا۔

ارادے نے کہا:

جلد بازی نہ کرو۔ شاید تمہارے عتاب کا عذر میرے پاس ہو۔ میں اپنے آپ نہیں بلکہ ایک زبردست کے حکم نے مجھے اٹھا دیا ورنہ اس کے حکم سے پہلے میں ٹھہرا ہوا تھا۔ بارگاہ دل سے علم کا قصد عقل کی زبانی میرے پاس آیا اور یہ پیام دیا کہ

طاقت کو اٹھا دے ۔ میں نے مجبوراً طاقت کو حرکت دے دی۔اس لئے کہ میں بے چارہ علم کا تابع فرمان اور عقل کا قاصد ہوں مجھے تو اتنا بھی نہیں معلوم کہ مجھے یہ حکم کیوں دیا گیا اور میں ان کی فرمانبرداری پر کیوں مجبور ہوں۔ اتنا جانتا ہوں کہ جب تک یہ ایلچی نہیں آتا، میں چین سے رہتا ہوں ۔یہی میرا حاکم ہے خود عادل ہے یا ظالم، میں اس کے لئے ہردم مستعد رہتا ہوں اور اس کی اطاعت کرنا مجھ پر واجب ہے بلکہ جب یہ حکم کر دیتا ہوں تو مجھے تاب مخالفت نہیں رہتی ۔اپنی جان کی قسم، جب تک یہ اپنے حکم میں متردد رہتا ہے۔ میں چپکا رہتا ہوں مگر چوکنا اور منتظر رہتا ہوں مگر جب یہ ایک قطعی حکم دے دیتا ہے تو اپنی فطرت سے مجبور ہو کر اطاعت پر آمادہ ہو جاتا ہوں اور طاقت کو جگا دیتا ہوں کہ تعمیل حکم کرے ۔تم اپنا سوال اور عتاب مجھ سے دور رکھو۔علم سے میرا حال پوچھو محکوم کو اطاعت کے علاوہ کیا چارہ کار ہے ۔

سائل نے علم، عقل اور دل سے جا کر پوچھا:

تم نے ارادے کو طاقت کے جگانے پر کیوں مجبور کیا اور اس سے کیوں خدمت لی؟ عقل نے جواب دیا:

میں ایک تختی ہوں خود نہیں پھیلی کسی نے پھیلا دیا ہے

علم نے کہا: میں ایک نقش ہوں جو دل کی تختی پر عقل کی چراغ کے روشن ہونے کے بعد منقوش ہوا بہت دنوں یہ تختی بغیر نقش کے پڑی رہی جس نے اس پر نقش کیا اس سے پوچھو۔

اس دلچسپ کہانی سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ جو کچھ ہوتا ہے اللہ کے حکم سے ہوتا ہے

تجھے کیا ڈر:

حضرت ابو قلابہ، عمر بن عبدالعزیز کی مجلس میں آئے انہوں نے کہا

مجھے نصیحت کیجئے

وہ بولے

آدم کے زمانے سے آپ کے زمانے تک کا کوئی بادشاہ زندہ نہیں رہا۔انہوں نے کہا

اور کچھ فرمائیے۔انہوں نے کہا:عنقریب مر جائے گا

انہوں نے کہا اور کچھ فرمائیے:

کہا اگر اللہ تیرے ساتھ ہے تو پھر تجھے کیا ڈر ہے۔
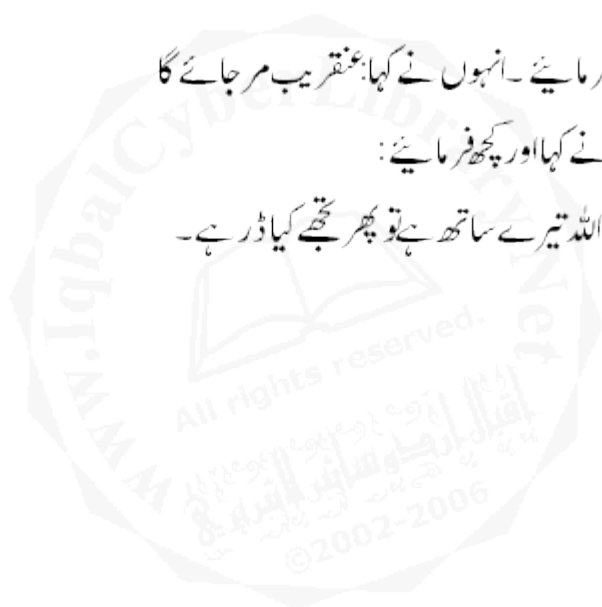
ج

جھگڑے سے پرہیز:

ابن قتیبہ کہتے ہیں:

مجھ میں اور میرے چچا زاد بھائی میں کسی بات پر جھگڑا ہو گیا وہ بولا

تمہارے والد مرحوم کے ذمہ میرا یہ حق واجب تھا۔ اسے میں تم سے لے کر رہوں گا اچھی طرح جان لو کہ لڑائی جھگڑا بہت برا ہوتا ہے اس سے دیانتداری برباد ہو جاتی ہے۔ مروت زائل ہو جاتی ہے۔ زندگی کی لذت جاتی رہتی ہے اور دل اس میں الجھا رہتا ہے۔

میں نے جو یہ باتیں سنیں تو اٹھا اور گھر کی طرف جانے لگا۔ اس نے کہا

کہاں چلے

میں نے کہا۔ میں جھگڑا نہیں چاہتا

وہ کہنے لگا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اب تمہیں پتا چل گیا ہے کہ حق میرا ہی ہے۔

میں نے کہا؟ بات یہ نہیں ہے البتہ میں جھگڑے سے بچنا چاہتا ہوں۔ اس نے کہا اگر بات یہی ہے تو میں اپنے حق سے دست بردار ہوتا ہوں۔

جنت کا سودا:

حضرت عمر بن عبدالعزیز کا ایک غلام بیت المال کا نگران تھا۔ آپ کی چند بیٹیاں تھیں۔ وہ عرفہ کے دن آئیں اور کہنے لگیں

کل عید ہے رعیت کی عورتیں اور لڑکیاں ہمیں ملامت کریں گی۔ کہیں گی تم امیر المومنین کی بیٹیاں ہو اور ننگی پھرتی ہو۔ تمہیں اجلے کپڑے بھی نہیں ملے ہیں۔

وہ آپ کے سامنے رونے لگیں آپ نے غلام کو بلایا اور کہا مجھے صرف ایک ماہ کی تنخواہ دے دے

غلام نے کہا: امیر المومنین! آپ بیت المال سے ادھار لیں گے۔ کیا آپ

خیال کرتے ہیں کہ ایک ماہ تک زندہ رہیں گے؟

عمر بن عبدالعزیز حیران رہ گئے کہنے لگے

اے غلام! تو نے سچ کہا، اللہ تجھے برکت دے

پھر لڑکیوں کی طرف متوجہ ہوئے اور کہنے لگے

اپنی خواہشات میں ضبط کرو کیونکہ جنت میں کوئی بغیر مشقت کے داخل نہیں ہو سکتا۔

جعلی چٹھی کے سبب:

کہتے ہیں یحیی بن خالد برمکی اور عبداللہ بن مالک خزاعی کے درمیان پوشیدہ دشمنی تھی جسے وہ ظاہر نہ کرتے تھے وجہ یہ تھی کہ خلیفہ ہارون الرشید عبداللہ بن مالک کو بہت زیادہ پسند کرتا تھا۔ حتیٰ کہ یحییٰ بن خالد اور اس کے لڑکے کہا کرتے تھے کہ عبداللہ خلیفہ پر جادو کرتا ہے۔ ایک زمانہ گزر گیا اور دونوں کے دلوں میں کینہ بڑھتا رہا۔

ایک عرصہ کے بعد ہارون الرشید نے عبداللہ کو آرمینہ کا گورنر بنا دیا۔ ایک عراقی جو بڑا ادیب و ذہین تھا تنگ دست ہو گیا اور سب کچھ سرمایہ کھو بیٹھا۔ تو اس نے یحییٰ بن خالد کی طرف سے عبداللہ بن مبارک کے نام ایک جعلی چھٹی بنائی اور آرمینہ کی طرف روانہ ہو گیا۔

عبداللہ کے دروازے پر گیا اور چٹھی اس کے دربان کے حوالے کر دی۔ دربان نے چٹھی عبداللہ کو پیش کی۔ عبداللہ نے چٹھی کو چاک کر کے پڑھا تو سمجھ گیا چٹھی جعلی ہے۔

عبداللہ نے اس شخص کو بلایا اور کہا

تم جعلی چٹھی لائے مگر ڈرو نہیں تم محروم نہیں کیے جاؤ گے کیونکہ تم نے سفر کی بڑی تکلیف اٹھائی ہے۔

وہ شخص بولا:

خدا امیر کی عمر دراز کرے اگر میرا آنا ناگوار گزرا ہے تو میں چلا جاتا ہوں۔ اللہ کی زمین وسیع اور رزق کثیر ہے مگر یہ میں ضرور کہوں گا کہ میری چٹھی جعلی نہیں ہے۔

عبداللہ نے کہا:

اچھا دو باتوں میں سے ایک بات طے کر لو ایک یہ کہ بغداد میں جو میرا وکیل ہے میں اسے چٹھی لکھے دیتا ہوں وہ اس چٹھی کے بارے میں دریافت کرے گا۔ اگر چٹھی درست ہوگی تو میں تمہیں کسی جگہ کا گورنر بناؤں گا۔ اور اگر انعام چاہو گے تو ایک لاکھ درہم ایک گھوڑا ایک کرنل گھوڑا اور خلعت وانعام دوں گا۔ دوسرے یہ کہ اگر چٹھی جعلی ہوئی تو میں تمہارے دو سو تجیاں ماروں گا۔ اور داڑھی منڈھوا دوں گا۔

اس شخص نے کہا:

میری چٹھی جعلی نہیں ہے

عبداللہ نے کہا:

انہیں حوالات میں بند کر دو اور جس چیز کی ضرورت ہو دو

اس کے بعد اس نے ایک چٹھی اپنے وکیل کو جو بغداد میں تھا لکھی کہ ایک شخص آیا ہے جو یحییٰ کی چٹھی لایا ہے میرا خیال ہے کہ چٹھی جعلی ہے لہذا آپ تحقیقات کریں تا کہ صحیح بات معلوم ہو جائے اور مجھے جواب سے آگاہ کریں۔

جب عبداللہ کی چٹھی وکیل کے پاس پہنچی تو وہ یحییٰ بن خالد کے پاس گیا، وہ اپنے دوستوں کے ساتھ بیٹھا تھا۔ چٹھی پڑھی اور کہا

کل آنا میں جواب لکھ دوں گا

جب وکیل چلا گیا تو اس نے اپنے دوستوں سے کہا

اس شخص کا کیا کیا جائے تو ہمارے دشمنوں کے پاس ہماری طرف سے جعلی چٹھی لے گیا؟ ہر ایک نے ایک خاص سزا تجویز کی

یحییٰ نے کہا:

تم سب نے غلطی کی ہے یہ بات تم نے اپنی کم ظرفی کی بناء پر کہی ہے تم میں سے ہر ایک جانتا ہے کہ ہم میں آپس میں پوشیدہ دشمنی ہے۔اب اللہ تعالی نے ایک ایسا سبب بنا دیا ہے کہ ہم دونوں میں صلح ہو جائے اور بیس سال کا کینہ مٹ جائے۔لہذا میرا فرض ہے کہ اس شخص کی امیدوں کو پورا کر دوں عبداللہ کو ایک چٹھی لکھوں کہ اس کی عزت کرے اور انعام دے۔

یحییٰ نے کاغذ اور قلم دوات لیا اور اپنے ہاتھ سے عبداللہ کو چٹھی لکھی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، آپ کی چٹھی پہنچی اللہ آپ کی عمر دراز کرے۔ میں نے اسے پڑھا اور خوب سمجھ لیا۔آپ کی سلامتی پر بہت خوش ہوا۔آپ کا یہ خیال کہ اس شریف آدمی نے چٹھی خود بنائی ہے غلط ہے کیونکہ وہ خط میں نے خود لکھا تھا اور میرے ہاتھوں بھیجا گیا تھا۔جعلی نہیں ہے۔ مجھے آپ کے کرم و حسن خلق سے امید ہے کہ آپ اس شریف آدمی کی امیدوں کو پورا کر دیں گے اور اپنے احسانات سے ڈھانپ لیں گے جو کچھ آپ اس کے ساتھ کریں گے میں ممنون ہو گا اور شکر گزار رہوں گا۔

پھر پتہ لکھا، مہر لگائی اور وکیل کو دے دی۔وکیل نے عبداللہ کو پہنچا دی اور جب اس نے چٹھی پڑھی تو بہت خوش ہوا اس شخص کو طلب کیا اور کہا

کیا پسند کرتے ہو؟ گورنری یا عطیہ؟ اس نے کہا

عطیہ پسند کرتا ہوں

عبداللہ نے اسے دو لاکھ درہم، دس فوجی گھوڑے جن پر پانچ پر ساز تھا اور پانچ پر جھولیں تھیں بیس جوڑے، دس غلام، شہسوار اور قیمتی جواہرات دیئے پھر اسے بغداد بھیج دیا۔

ذ

ذہانت کا کمال:

ایک دن نوشیرواں شکار کے لئے نکلا۔شکار کے پیچھے اتنی دور تک گیا کہ اپنے لشکر سے جدا ہو گیا۔قریب ایک گاؤں دیکھا۔وہ بہت پیاسا تھا۔لہذا اس طرف گیا۔ایک دروازے پر دستک دی تو ایک لڑکی آئی ،اس نے پانی طلب کیا لڑکی اندر گئی اور گنا نچوڑ کر پانی میں رس ملا کر لائی پیالے میں تھوڑے سے تنکے تھے، نوشیرواں نے تھوڑا تھوڑا کر کے پیا۔جب سارا پانی پی چکا تو لڑکی سے کہا

پانی تو خوب تھا اگر کوڑا کرکٹ نہ ہوتا

اس نے کہا میں نے دانستہ ایسا کیا تھا

وہ بولا

کیوں

لڑکی نے کہا: میں نے دیکھا کہ آپ بہت پیاسے ہیں اک دم پانی نہ پی جائیں اوراس طرح آپ کونقصان نہ پہنچ جائے

نوشیرواں کولڑکی کی ذہانت پر بڑا تعجب ہوا پھر پوچھنے لگا

یہ رس کتنے گنوں کا تھا

بولی :ایک گنے کا

نوشیرواں کو بڑا تعجب ہوا دل میں سوچنے لگا گھر جا کر اس گاؤں پر ٹیکس بڑھا دوں گا۔

کچھ دنوں کے بعد اتفاقاً پھر تنہا اس کا گزر اسی گاؤں سے ہوا۔اس نے وہی دروازہ جا کھٹکھٹایا تو وہی لڑکی نکلی ،پانی طلب کیا لڑکی پانی دیر میں لائی ۔نوشیرواں نے کہا

دیر کیوں ہوئی؟

لڑکی نے کہا: میں نے تین گنے کوٹے تب رس نکلا، پھر بھی اتنا نہ نکلا جتنا کہ ایک گنے سے نکلا کرتا تھا

نوشیرواں نے کہا کیا بات ہے؟

لڑکی بولی

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شاہ کی نیت بدل گئی ہے۔ جب شاہ کی نیت بدل جاتی ہے تو قوم سے برکت اٹھ جاتی ہے اور بھلائیاں کم ہو جاتی ہیں۔

نوشیرواں ہنس پڑا۔ لڑکی کی بات پر بڑا تعجب کیا اور ٹیکس بڑھانے کے ارادے سے باز رہا۔ نوشیرواں نے اس لڑکی کی ذہانت و فصاحت کی بنا پر اس سے شادی کر لی۔

ر

رازق کی رحمت:

حضرت ابراہیم علیہ السلام اس وقت تک کھانا نہ کھاتے تھے جب تک کوئی مہمان نہ آجاتا۔ ایک دن ایک مہمان آیا۔ معلوم ہوا مجوسی ہے یعنی آگ کو پوجنے والا ہے تو آپ نے اسے کھانا نہ کھلایا اور سخت نفرت کا اظہار کیا

اس رات سوئے تو خواب میں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں

اے ابراہیم! تم ایک دن بھی مجوسی کو کھانا نہ کھلا سکے۔ صرف اس لئے کہ وہ کافر تھا حالانکہ ہم تو اس کے کافر ہونے اور گناہگار ہونے کے باوجود برسوں سے اسے رزق دے رہے ہیں۔

رونے کا سبب:

ایک زاہد کسی خلیفہ کے سامنے پیش ہوا، اس نے کہا:

مجھے نصیحت کیجئے

وہ بولا:

امیر المومنین میں نے چین کا سفر کیا۔ وہاں کا بادشاہ بہرا ہو گیا تھا۔ میں نے اسے روتے ہوئے کہتے سنا بخدا میں اپنے بہرے ہونے پر نہیں روتا میں تو اس لئے روتا ہوں کہ مظلوم میرے دروازے پر فریادی بن کر آئے گا اور میں اس کی فریاد نہ سن سکوں گا۔ مگر خدا کا شکر ہے کہ میری بینائی سالم ہے۔

اس نے منادی کو حکم دے دیا تھا کہ جو بھی مظلوم ہو سرخ کپڑے پہن لے پھر وہ ہاتھی پر سوار ہو کر نکلتا جو شخص سرخ کپڑے پہنے ہوتا اسے بلاتا اور اس کی فریاد سنتا۔

رعایا پروری:

ایک دفعہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کے زمانے میں بڑا سخت قحط پڑا۔ آپ کی خدمت میں کچھ لوگ آئے اور اپنا ایک نمائندہ ساتھ لائے۔ اس شخص نے آپ سے

عرض کیا: امیر المومنین ہم ایک بڑی ضرورت سے حاضر ہوئے ہیں۔ ہماری کھالیں ہمارے جسموں پر سوکھ گئی ہیں کیونکہ کھانے کے لئے کچھ بھی نہیں ہے۔ حکومت کے خزانے میں ہمارا سامان راحت موجود ہے۔ یہ مال تین صورتوں سے خالی نہیں۔ یا یہ مال، اللہ کا ہے یا آپ کا۔ اگر اللہ کا ہے تو اللہ اس سے بے پرواہ ہے اگر بندوں کا ہے تو بندوں کو دے دیجئے اور اگر آپ کا ہے تو ہم پر صدقہ کو دیجئے کیونکہ اللہ صدقہ کرنے والوں کو جزا دیتا ہے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی آنکھیں آنسوؤں سے ڈبڈبا ئیں اور کہا، بات وہی ہے جو تو نے کہی

حکم دیا کہ لوگوں کی ضروریات کو بیت المال سے پورا کیا جائے

جب وہ بدو وہاں سے چلنے لگا تو آپ نے فرمایا

اے شریف انسان! جس طرح تو نے مجھ تک لوگوں کی ضروریات پہنچائی ہیں اور ان کا پیغام پہنچایا ہے تو میرا پیغام اور میری ضروریات بھی خدا تک پہنچا دے۔

بدو نے آسمان کی طرف منہ کیا اور کہا

اے اللہ! عمر کے ساتھ ایسا ہی سلوک کر جیسا اس نے تیرے بندوں کے ساتھ کیا ہے

ز

زاہد کی نصیحت:

حضرت شفیق بلخی ہارون الرشید کے پاس گئے تو اس نے پوچھا

کیا شفیق زاہد آپ ہی ہیں

انہوں نے کہا: ہاں میں ہی ہوں

اس نے کہا: مجھے نصیحت کیجئے

انہوں نے فرمایا: اللہ تعالی نے تجھے صدیق کے مقام پر بٹھایا ہے اور وہ تجھ سے انہی جیسے صدق کا طالب ہے اور تجھے عمر کا مقام عطا کیا ہے لہذا وہ تجھ سے حق باطل کے فرق کا طالب ہے۔ اور عثمان کی جگہ پر بٹھایا اس لئے تجھے سے انہی جیسی حیاء و کرم چاہتا ہے اور علی کا مقام دیا ہے اور وہ تجھ سے علم وعدل کا طالب ہے

ہارون نے کہا: کچھ اور نصیحت کیجئے

کہنے لگے:

اچھا سنو، اللہ نے ایک گھر بنایا ہے جس کا نام جہنم ہے اور آپ کو اس کا داروغہ بنایا ہے اور تین چیزیں آپ کو عطا کی ہیں۔ خزانہ، کوڑا اور تلوار اور آپ کو حکم دیا ہے کہ ان تین چیزوں کے ذریعہ سے مخلوق کو آگ میں جانے سے روکیں تو جو کوئی محتاج آپ کے پاس آئے اور خزانے سے روکنا، جو حکم پروردگار کی مخالفت کرے اسے کوڑ سے سزا دینا، جو قتل کرے، اسے تلوار سے قتل کرا دینا اگر آپ ان احکامات کو بجا نہیں لائیں گے تو دوزخیوں کے سردار اور ہلاکت میں سب کے پیش رو ہوں گے۔

ہاروں الرشید یہ سن کا زار و قطار رونے لگا

س

سچی توبہ:

ایک شریر لڑکا عورتوں کا لباس پہن کر عورتوں کی مجلسوں میں شریک ہوا کرتا تھا۔

ایک روز کسی شادی میں گیا۔وہاں ایک موتی چوری ہو گیا گھر والوں نے کہا:

دروازہ بند کر دو اور سب کی تلاش لو

ساری عورتوں کی تلاشی لی گئی مگر موتی برآمد نہ ہوا۔صرف ایک وہ لڑکا اور اس کے

برابر والی عورت وہ گئی۔اس لڑکے نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی

اے خدا!! اگر آج کی مصیبت سے بچ جاؤں تو کبھی بھی ایسی حرکت نہیں کروں گا

اس کے برابر جو عورت بیٹھی تھی اس کے پاس سے موتی نکل آیا تو گھر والوں نے

کہا

دروازہ کھول دو۔اب کسی کی تلاشی لینے کی ضرورت نہیں ہے

اس لڑکے نے خدا کا شکر ادا کیا اور آئندہ بری حرکتوں سے توبہ کر لی

سلیمان کا تخت:

حضرت سلیمان علیہ السلام کا تخت انہیں ہوا میں اڑائے لے جا رہا تھا وہ سوچنے

لگے

سارے جن وانس اور ہوا تک میری تابع فرمان ہے میں کتنا بڑا بادشاہ ہوں تو

تخت الٹنے لگا۔آپ نے تخت سے کہا سیدھا رہ

تخت بولا: آپ سیدھے رہیں گے تو میں بھی سیدھا رہوں گا

ش

شرافت ومروت:

امیر عمارہ بن حمزہ ایک دن خلیفہ منصور کی مجلس میں بیٹھا ہوا تھا۔اس روز وہ مظالم پر غور کر رہا تھا کہ ایک شخص کھڑا ہوا اور کہا میں مظلوم ہوں

خلیفہ نے دریافت کیا تجھ پر کس نے ظلم کیا ہے؟

اس نے کہا عمارہ بن حمزہ نے میری زمین غصب کر لی اور میری ملکیت چھین لی ہے

منصور نے اس سے کہا، کھڑا ہو جا اور مدعی کے برابر جا کھڑا ہو

عمارہ نے کہا: امیر المومنین! اگر زمین اس کی ہے تو میں جھگڑا نہیں کرتا اور اگر میری ہے تو میں نے اسے دے ڈالی۔ مجھے فیصلے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں اس مرتبہ کو جو امیر المومنین کے ہاں مجھے حاصل ہے۔زمینوں کے عوض نہیں بیچتا۔

حاضرین نے اس کی بلند ہمتی شرافت اور مروت پر تعجب کیا۔

شیطانی خیال:

دوبار رسالتؐ میں صحابہ کرام رضوان اللہ تعالی علیہم اجمعین نے ایک شخص کی بڑی تعریف کی۔اتفاقاً وہ شخص ادھر چلا آیا وضو کا پانی اس کے چہرے سے ٹپک رہا تھا اور پیشانی پر سجدے کرتے کرتے گھٹا پڑ گیا تھا۔

صحابہ نے عرض کیا:

یا رسول اللہ ﷺ یہی ہے وہ شخص جس کی ہم آپ ﷺ سے تعریف کر رہے تھے کہ بہت زیادہ عبادت کرتا ہے

آپ ﷺ نے فرمایا

مجھے تو اس کی پیشانی پر شیطان کی چھاپ لگتی ہے

وہ شخص آیا اور سلام کر کے بیٹھ گیا آنحضرت ﷺ نے اس سے دریافت فرمایا

میں تجھے خدا کی قسم دیتا ہوں کیا تو صحیح صحیح بتائے گا کہ جب تو نے ان لوگوں کو دیکھا تو تیرے دل میں یہ خیال گزرا کہ میں سب سے اچھا ہوں؟

اس نے کہا بے شک

شیطان کی نصیحت:

کہتے ہیں کہ صحابہ رضوان اللہ تعالی علیہم اجمعین کے زمانے میں شیطان نے اپنا لشکر ان کی طرف بھیج دیا کہ انہیں ورغلائیں شام پڑے سارا لشکر تھکا ہارا ابلیس کے پاس آیا اور کہنے لگا آج تو آپ نے ہمیں مار ہی ڈالا، کہیں بھی تو ہمارا وار نہ چلا۔

شیطان بولا:

یہاں ان لوگوں نے اپنے نبی ﷺ کی صحبت سے فیض اٹھالیا ہے ان پر تمہارا قابو نہ چل سکتا۔ انہوں نے قرآن کو نازل ہوتے دیکھا ہے مگر ان کے بعد ایسے لوگ ہوں گے جن سے تم اپنا مطلب پورا کرسکو گے۔

جب تابعین کا زمانہ ہوا یعنی ان لوگوں کا جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کو نہیں دیکھا مگر صحابہ کرام رضون اللہ تعالی علیہم اجمعین کو دیکھا تو پھر شیطان نے ان کی طرف اپنا گروہ بھیجا۔ وہ گئے، رات گئے، بڑے شکستہ دل واپس آئے شیطان سے کہنے لگے ہم نے ایسے لوگ کبھی نہیں دیکھے یہ تو قبضے ہی میں نہیں آ گے اور اگر آجاتے ہیں تو رات کو توبہ کرلیتے لہذا اللہ تعالی ان کی برائیوں کو نیکیوں سے بدل دیتا ہے

ابلیس نے کہا:

تمہیں ان سے کچھ نہیں ملے گا کیوں کہ ان کی توحید درست ہے اور یہ اپنے نبی ﷺ کی سنت پر چلتے ہیں مگر ان کے بعد جو لوگ آئیں گے تم خوب ان کے ساتھ کھیلا کرو گے۔ جدھر چاہو گے کھینچ کر لے جاؤ گے۔ اول تو وہ توبہ نہیں کریں گے اور اگر کریں گے تو انہیں معاف نہیں کیا جائے گا۔

ض

ضمیر کی آواز:

کہتے ہیں جس زمانے میں ہارون الرشید اپنے وزیروں کے خاندان برامک سے ناراض تھا اس نے اپنے لئے وزیر صالح کو بلایا اور کہا

ہمارے گورنر منصور بن زیاد کے پاس جا اور کہہ ہمارے تجھ پر دو کروڑ درہم واجب ہیں۔ وہ ابھی ادا کر۔ اگر وہ مغرب تک نہ دے تو اس کا سر اتار لانا مگر دیکھ اس کے بارے میں مجھ سے کوئی گفت وشنید نہ کرنا بس اس کا سر میرے پاس لے آنا۔

صالح، منصور کے پاس گیا اور اسے ہارون الرشید کا پیغام پہنچایا۔ اس نے کہا: میں مارا گیا۔

اور قسم کھائی میرا تو سارا سامان بھی اتنے کا نہیں ہے۔ اتنا روپیہ کہاں سے لاؤں؟

وہ بولا: اچھا مجھے اپنے بیوی بچوں سے رخصت ہونے دے کچھ وصیت کر لینے دے اور عزیز و اقارب سے مل لینے دے۔

منصور کے گھر والوں کو اطلاع ہوئی تو کہرام مچ گیا سب رونے پیٹنے لگے صالح نے کہا:

شاید برامک کے ہاتھوں تیری خلاصی ہو جائے۔ وہ بڑے سخی اور شریف لوگ ہیں۔ مصیبت زدوں کی مدد کرتے ہیں چل وہاں چلیں۔

وہ رونے لگا

صالح کہتا ہے:

ہم یحییٰ بن خالد برمکی کے پاس گئے اور سارا قصہ بیان کیا تو وہ بڑا غمگین ہوا۔ سر جھکا لیا اور دیر تک خاموش رہا۔ پھر سر اٹھایا خزانچی کو بلایا اور اس سے پوچھا:

ہمارے خزانے میں کتنا روپیہ ہے؟

اس نے کہا: کوئی دس لاکھ درہم ہیں یحییٰ نے کہا لے آؤ

پھر اپنے لڑکے فضل کی طرف قاصد بھیجا اور کہا اس سے کہنا کچھ زمینیں خریدنی ہیں جو کچھ روپیہ ہو بھیج دے۔ اس نے بیس لاکھ بھیج دیئے۔ ایک اور قاصد اپنے بیٹے جعفر کی طرف بھیجا اور کہا:

ایک کام آن پڑا ہے روپے کی ضرورت ہے تو جعفر نے بیس لاکھ درہم بھیجے۔

منصور نے کہا: حضور میں نے آپ کا دامن تھاما ہے مجھے آپ کے سوا کوئی نہیں چھڑا سکتا۔ بقیہ قرضہ کیسے پورا ہوگا؟

یحییٰ نے سر جھکا لیا اور رونے لگا پھر کہا: ارے غلام! امیر المومنین ہارون الرشید نے ہماری باندی ونانیر کو ایک بڑا قیمتی گوہر عطا کیا تھا۔ اس کے پاس جا کر اور کہہ کر وہ گوہر دے دے۔

غلام گیا اور لے آیا۔ یحییٰ نے کہا:

صالح! میں نے اسے امیر المومنین کے لئے دو لاکھ دینار میں خریدا تھا۔ وہ اس کی قیمت جانتے ہیں انہوں نے یہ گوہر میری باندی ونانیر کو انعام میں دے دیا تھا۔

اب مال پورا ہو چکا۔ امیر المومنین سے صرف عرض کرنا منصور کو ہمیں بخش دیجئے۔

صالح کہتا ہے:

''یہ رقم اور گوہر لے کر میں خلیفہ کی طرف چلا ابھی راستے ہی میں تھے کہ میں نے منصور کو ایک شعر پڑھتے سنا جس کا مطلب تھا کہ یحییٰ نے سخاوت کی بنا پر یہ سب کچھ نہیں دیا بلکہ میری زبان کے ڈر سے دیا ہے۔

میں نے کہا: سرزمین پر ہر ایک سے زیادہ کوئی شریف نہیں اور تجھ سے زیادہ کمینہ نہیں

ہارون الرشید نے جو وہ گوہر دیکھا تو بڑا تعجب کیا اور کہا: ہم دیا ہوا مال واپس نہیں

لیتے۔ یہ گوہر واپس لے جاؤ۔

صالح کہتا ہے:

"میں نے وہ گوہر یحیٰی کو واپس کیا اور منصور کے کمینہ پن کا بیان کیا تو وہ کہنے لگا جب انسان پریشان ہوتا ہے تو وہ جو کچھ کہتا ہے ضمیر کی آواز نہیں ہوتی پھر وہ اس کی تعریف کرنے لگا تو میں رو دیا۔ میں نے کہا، آسمان تجھ جیسا پیدا کر سکے گا۔

ظ
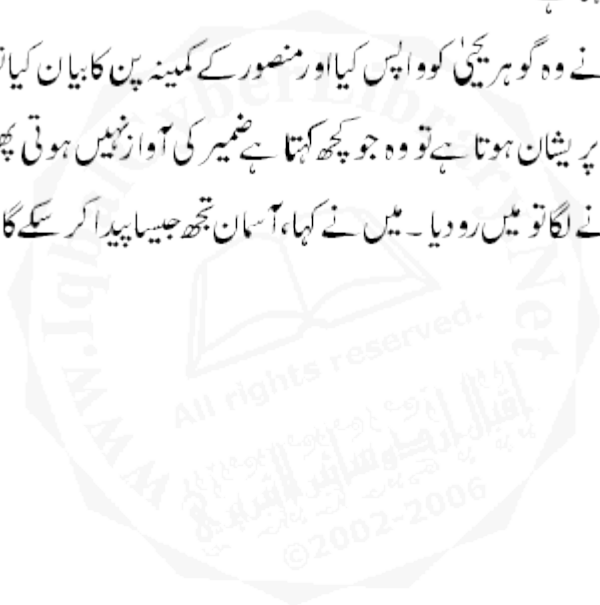
ظالم کا نذرانہ:

بادشاہ وقت نے شہر کے تمام علماء کو کچھ اشرفیاں نذرانہ کے طور پر بھیجیں۔ حضرت فیصل بن عیاض کو بھی بھیجیں تو انہوں نے واپس کر دیں۔ ان کے بیٹوں نے کہا:

سارے علماء نے تحفہ قبول کر لیا۔ آپ بھی قبول کر لیجئے۔ ہم بھوکوں مرے جاتے ہیں۔

انہوں نے کہا:

''میں ظالم بادشاہ کا نذرانہ قبول نہیں کر سکتا بیٹو! میری مثال ایسی ہے جیسے کچھ لوگوں کے پاس ایک بیل تھا کہ وہ اس سے کھیتی کرتے تھے جب وہ بوڑھا ہو گیا تو اسے ذبح کر کے کھا گئے۔ بیٹو! تم بھوک سے مر رہے ہو تو یہ بہتر ہے اس بات سے کہ اپنے بڈھے باپ کو ذبح کر ڈالو۔

ظلم کے خزانے:

ایران کا بادشاہ، اسماعیل سامانی، اپنے سارے ملک کا دورہ کرتا جہاں کہیں ٹھہرتا پردے اٹھوا دیتا اور دربانوں کو بٹھا دیتا۔ بستی میں منادی کراتا کہ جس کسی کو کوئی شکایت ہو بیان کرے۔ وہ معمولی آدمیوں کی طرح بیٹھ کر فیصلے کیا کرتا اور جب تک مقدمات ختم نہ کر لیتا اپنی جگہ سے نہ اٹھتا۔ فارغ ہونے کے بعد داڑھی پر ہاتھ پھیرتا اور کہتا:

اے خدا! تو میری نیت سے واقف ہے مجھے نہیں معلوم کہ میں نے صحیح فیصلہ کیا یا غلط۔ اگر مجھ سے کسی پر ظلم ہو گیا ہو تو معاف کر دینا

خراسان کے بادشاہ عمرو بن لیث قید ہوا تو اس نے قید خانے سے پیغام بھیجا کہ خراسان میں میرے بہت سے خزانے ہیں وہ سب آپ کو بتائے دیتا ہوں، مجھے

چھوڑ دیں۔

اسماعیل نے کہا: ہمیں ظلم سے جمع کیے ہوئے مال کی ضرورت نہیں ہے
اسے رہا کردیا اور انعام واکرام دے کر بغداد بھیج دیا۔

ع
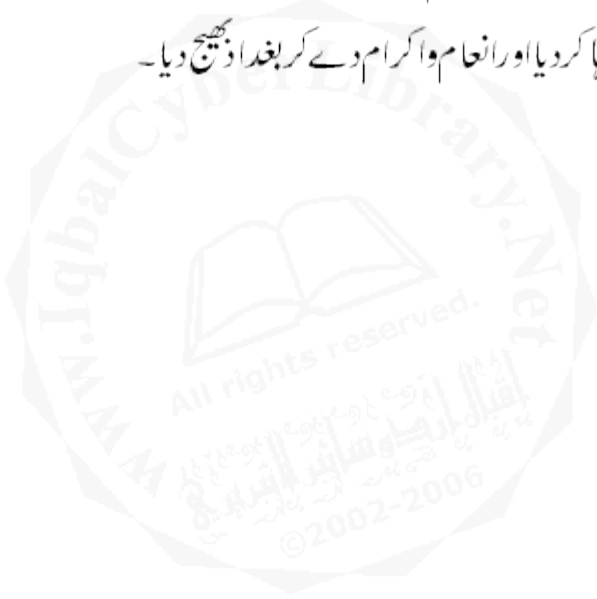
عقل کی بدولت:

بچپن میں ایک لڑکا منصور عباسی کے ساتھ پڑھا کرتا تھا جب منصور بادشاہ ہو گیا تو وہ ملنے آیا یہ شخص زیادہ پڑھا لکھا تو نہ تھا مگر بہت عقل مند تھا۔ منصور نے اسے دیکھا تو قریب بلایا اور نزدیکی عطا کی۔

وہ شخص کہنے لگا:

امیر المومنین! مجھے آپ سے بہت محبت ہے۔ میں آپ کا فرمان بردار اور دعا گو ہوں مگر بادشاہوں کے دربار کے لائق نہیں ہوں مجھے بتایئے کہ آپ سے ملنے آیا کروں تو کیا کروں کہ بے ادبی کا اظہار نہ ہو؟

منصور نے کہا:

ذرا دیر سے آیا کرو مگر اتنا بھی نہیں کہ میں تمہیں بھول جاؤں نہ اتنی جلد کہ میں تنگ دل ہو جاؤ جب بیٹھو تو مجھ سے دور بیٹھو حتیٰ کہ دربان تمہیں مجھ سے قریب کر دے۔ اپنی کوئی ضرورت میرے سامنے پیش نہ کرو کہیں ایسا نہ ہو کہ میں ملول ہو جاؤں۔ جب میں احسان کروں تو جہاں کہیں جاؤ میرا شکریہ ادا کرو کہ مجھے معلوم ہو تو خوش ہوں اور تم پر اور زیادہ احسان کروں لوگوں کے سامنے میری اور اپنی پرانی باتیں نہ دھراؤ۔

وہ شخص منصور کے پاس سال میں دو بار آتا اور وہ ہر دفعہ ہزار درہم لیتا۔

ان دونوں حکایتوں سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اگر علم ہو اور عقل نہ ہو تو انسان ذلیل ہوتا ہے۔

اور اگر عقل ہو مگر علم نہ ہو تو اس کی عزت ہوتی ہے۔ عقل بڑی چیز ہے۔

علم کی بدولت:

خلیفہ ہارون الرشید نے ایک دفعہ ابو معاویہ کی دعوت کی۔ یہ اپنے وقت کے

بڑے عالم تھے۔نابینا تھے جب کھانا کھا چکے تو ہارون الرشید نے ان کے ہاتھ کے دھلائے۔ہاتھ دھلا چکے تو دریافت کیا:

اے ابو معاویہ! آپ کو معلوم ہے کہ آپ کے ہاتھ کس نے دھلائے ہیں؟

انہوں نے کہا: نہیں

ہارون الرشید نے کہا میں نے

ابو معاویہ نے کہا: آپ ایسا علم کی تعظیم کے لئے کرتے ہیں اللہ آپ کو عزت دے۔

غ

غضب خداوندی:

بنی اسرائیل میں ایک بادشاہ تھا۔وہ ایک دن اپنے تخت پر بیٹھا ہوا تھا کہ اس نے ایک شخص کو دروازے سے داخل ہوتے ہوئے دیکھا جو بڑی ڈراؤنی صورت والا تھا۔

بادشاہ نے کہا: اے شخص! تجھے یہاں آنے کی کس نے اجازت دی اور تو نے کیسے اندر آنے کی جرأت کی؟

وہ بولا:

مجھے کوئی روکنے والا روک نہیں سکتا۔ مجھے کسی بادشاہ کے ہاں جانے میں کسی اجازت کی ضرورت نہیں ہوتی۔ میں کسی بادشاہ کی سیاست سے اور کسی سلطان کے رعب سے مرعوب نہیں ہوتا۔میرے قبضے سے کوئی باہر نہیں جا سکتا۔

بادشانہ نے جو یہ باتیں سنیں تو منہ کے بل گر پڑا، اس کا تمام جسم کانپنے لگا، پوچھنے لگا:

کیا تو ملک الموت ہے؟

اس نے کہا:

ہاں!

بادشاہ نے کہا: تجھے خدا کی قسم ہے مجھے ایک دن مہلت دے دے تا کہ اپنے گناہوں سے توبہ کرلوں۔ پروردگار سے عذر خواہی کرلوں اور وہ مال جو میں نے اپنے خزانوں میں جمع کیے ہیں لوگوں کو واپس کردوں تا کہ آخرت میں ان کا عذاب برداشت نہ کروں۔

ملک الموت نے کہا: یہ کیسے ہوسکتا ہے۔تیری زندگی کے دن تو گنے چنے اور اوقات بقدر حساب ہیں۔

بادشاہ نے کہا: اچھا ایک گھڑی کی مہلت دے دے

وہ کہنے لگا: گھڑیوں کا بھی حساب ہے وہ گزر گئیں اور تو غافل ہی رہا، تو اپنے سارے سانس پورے کر چکا ہے۔ صرف ایک دو سانس باقی ہے۔

بادشاہ پوچھنے لگا: جب میں قبر میں جاؤں گا میرے ساتھ کون ہوگا؟

ملک الموت نے کہا: سوائے تیرے عمل کے کوئی نہ ہوگا

وہ کہنے لگا: میں تو کچھ کیا ہی نہیں

ملک الموت بولا: تو پھر دوزخ تیرا ٹھکانا ہوگا

یہ کہہ کر اس کی روح قبض کر لی وہ تخت سے گر پڑا۔ لوگ رونے چلانے لگے لیکن اگر وہ یہ جانتے کہ اس پر غضب خداوندی کس قدر ہوگا تو اس سے بھی زیادہ روتے۔

ق

قلم کی کمال:

ایک دن خلیفہ منصور عباسی کے دروازے پر ایک شخص آیا اور کہا:

اے دربان! امیر المومنین سے کہہ کہ ایک عالم ملنے آیا ہے جس کا نام عاصم ہے وہ اور آپ ملک شام میں ایک مدرسے میں پڑھتے رہے ہیں۔ لہذا آپ سے ملاقات کے لئے حاضر ہوا ہے تا کہ دوستی کو تازہ کرے۔

دربان نے منصور کو اطلاع دی تو اس نے بلا لیا۔ اپنے پاس بٹھایا مگر اس کی بے ادبی سے تنگدل ہو گیا:

پوچھا کیوں آئے ہو؟

کہنے لگا: بس پرانی دوستی کے وسیلے سے آیا ہوں تا کہ دیدار کروں

منصور نے ایک ہزار درہم دیئے۔ وہ شخص درہم لے کر چلا گیا۔ اگلے سال پھر آیا، منصور کا ایک بیٹا مر گیا تھا وہ تعزیت کے لئے بیٹھا تھا۔ یہ شخص بھی لوگوں کے ساتھ داخل ہو گیا۔ سلام کیا اور دعا دی۔

منصور نے کہا: کیسے آنا ہوا؟

وہ شخص بولا: میں وہی شخص ہوں جو بچپن میں آپ کے ساتھ پڑھا کرتا تھا

منصور نے 500 درہم دیئے۔ وہ رقم لے کر چلا گیا۔

تیسرے سال پھر آیا۔ خلیفہ نے دریافت کیا: کیسے آئے؟ اس نے کہا میں وہی شخص ہوں جو ملک شام میں آپ کے ساتھ تھا۔

اس دفعہ سے آنے کا کوئی نہیں بہانہ ملا تو کہنے لگا۔ جب ہم اور آپ پڑھا کرتے تھے تو استاد صاحب سے دعائے حاجت یاد کی تھی۔ وہ میں بھول گیا ہوں، میں اس کی نقل لینے آیا ہوں۔

منصور اس کی بے ادبی سے بہت تنگ آچکا تھا۔

کہنے لگا۔اس دعاء کے نقل کرنے کی تکلیف نہ اٹھا۔میں تین سال سے اللہ سے دعا کر رہا ہوں کہ مجھے تیری دردسری سے بچا دے مگر قبول نہیں ہوئی۔اگر وہ دعا مستجاب ہوتی تو میں ضرور کبھی کا تجھ سے خلاصی پا جاتا۔

قوی اور بہادر:

رسول اللہ ﷺ کے سامنے ایک شخص کا ذکر کیا گیا کہ وہ بڑی قوی اور بہادر ہے۔

آپؐ نے فرمایا: کیسے؟

لوگوں نے عرض کیا: اس لئے کہ وہ ہر شخص پر غالب آجاتا ہے جس کے ساتھ کشتی لڑتا ہے۔

آپ ﷺ نے فرمایا قوی اور بہادر وہ ہے جو اپنے نفس کو مغلوب کرے نہ کہ وہ جو دوسروں کو پچھاڑ دے۔

ماں کا احترام:

روایت ہے کہ آنحضرتﷺ کی دایہ، جنہوں نے آپ کو بچپن میں دودھ پلایا تھا۔ دربارِ رسالت میں آئیں۔ آپ ان کی تعظیم کے لئے کھڑے ہو گئے اپنی چادر بچھائی اور فرمایا؟

اے مادر! آپ نے خوب کیا کہ تشریف لے آئیں جو کچھ آپ فرمائیں گی پوری کروں گا۔

انہوں نے اپنے قبیلے کے بارے میں سفارش کی آپﷺ نے منظور کی اور بہت انعام واکرام دے کر انہیں رخصت کیا، صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے جو دیکھا تو انہوں نے بھی انہیں بہت کچھ دیا۔

ماں باپ کی خدمت:

ایک شخص یمن سے ہجرت کر کے رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہوا تا کہ جہاد میں شرکت کرے۔

آپ نے دریافت فرمایا: تیرے ماں باپ ہیں؟

اس نے کہا: ہاں آپ نے فرمایا ان سے اجازت لے کر آؤ۔ اگر وہ اجازت نہ دیں تو ان کی خدمت کرنا۔ یہ تیرے لئے جہاد سے بہتر ہے۔

معاف کرنے والا:

خلیفہ ابو جعفر منصور نے ایک شخص کے قتل کرنے کا حکم دیا۔ مبارک بن فضل پاس بیٹھا تھا اس نے کہا:

امیر المومنین! اس کے قتل کرانے سے پہلے حدیث سن لیجئے۔ حضرت حسن بصری نے رسول اللہ سے روایت کی ہے کہ جب قیامت کا دن ہو گا تو پکارنے والا پکارے گا جس کسی نے اللہ پر احسان کیا ہو وہ اٹھے تو کوئی بھی نہ اٹھے گا۔ البتہ صرف وہ شخص

اٹھے گا جس نے لوگوں کو معاف کیا ہو۔

منصور نے کہا: اسے چھوڑ دیا جائے میں نے اس معاف کر دیا ہے۔

مثالی حکمران:

ایک رات عمر بن عبدالعزیز رعایا کے معاملات پر غور کر رہے تھے۔ چراغ جل رہا تھا۔غلام آیا اور گھریلو معاملات پر گفتگو کرنے لگا۔آپ نے فرمایا:

چراغ گل کر دے پھر بات کرنا، کیونکہ یہ تیل مسلمانوں کے بیت المال کا ہے۔انہی کے کاموں میں خرچ ہوسکتا ہے میرے اپنے ذاتی معاملہ پر خرچ نہیں ہو سکتا۔

میراث رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بازار میں گئے۔لوگوں سے کہا:

ارے تم یہاں بیٹھے ہو اور مسجد نبوی ﷺ میں میراث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تقسیم ہو رہی ہے۔

لوگ دوڑے دوڑے مسجد کی طرف گئے تو دیکھا وہاں مال وغیرہ کا نام ونشان نہیں تھا البتہ کچھ لوگ بیٹھے قرآن پڑھ رہے ہیں۔

لوگوں نے کہا:

آپ تو کہتے تھے میراث رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تقسیم ہو رہی ہے یہاں تو بس کچھ لوگ بیٹھے قرآن پڑھ رہے ہیں۔

آپ نے فرمایا: یہی تو میراث رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے

محبت کی وجہ:

ایک بزرگ اپنے ایک مرید پر بہت ہی مہربان تھے دوسرے مریدوں کو یہ بات ناگوار گزرتی کہ وہ اس سے اس قدر محبت کیوں کرتے ہیں۔

ایک دن بزرگ نے مریدوں کو اس کی وجہ بتانی چاہی اور ہر مرید کو ایک مرغی دی

کہ اسے ایسی جگہ ذبح کر کے لائے جہاں کوئی نہ دیکھتا ہو۔ ہر شخص اپنی مرغی ذبح کر لایا مگر وہ مرید جس سے وہ سب سے زیادہ محبت کرتے تھے مرغی بغیر ذبح کیے لے آیا۔ انہوں نے پوچھا:

تم کیوں ذبح کر کے نہیں لائے؟

وہ بولا: مجھے کوئی ایسی جگہ نہ ملی جہاں کوئی بھی دیکھتا ہوں اس لئے کہ اللہ تو ہر جگہ دیکھ رہا ہے۔

اس بزرگ نے مریدوں سے کہا، میں اس لئے اس سے زیادہ محبت کرتا ہوں کہ وہ ہر دم خدا کا دھیان رکھتا ہے۔

ن

نوشیرواں کاعدل:

نوشیرواں کے زمانے میں ایک شخص نے ایک شخص سے زمین خریدی تو اس میں خزانہ پایا۔فوراً مالک کے پاس گیااور اسے آگاہ کیا۔

وہ کہنے لگا: میں تو اسے بیچ چکا۔ مجھے کیا پتا اس میں کیا ہے۔وہ خزانہ آپ کا ہے آپ کومبارک ہو۔

خریدار بولا: میں اسے لینا نہیں چاہتا میں کسی کا مال نہیں لے سکتا

وہ دونوں نوشیرواں کے پاس یہ مقدمہ لے گئے۔وہ بہت خوش ہوا

بولا: کیاتمہاری کوئی اولاد ہے؟

ایک نے کہالڑکی ہے

دوسرا بولا: لڑکا ہے

نوشیرواں نے کہا: ان دونوں کی شادی کر دوتا کہ تم دونوں کی اولاد کووہ خزانہ مل جائے۔

ہر حال میں شکر:

ایک بزرگ کسی لڑکے کی عیادت کے لئے گئے۔

پوچھا کیسے ہو؟

لڑکے نے کہا: اچھا ہوں

دریافت کیا کل کیسی طبیعت رہی؟

اس نے کہا: اچھی رہی

پوچھنے لگے صبح کیا حالت تھی؟

کہا: اچھی تھی خدا کا شکر ہے

بزرگ نے کہا: میں تمہاری زبان سے یہی الفاظ سننا چاہتا تھا۔ بیٹا! انسان کو ہر حال میں خدا کا شکر کرنا چاہئے۔

☆☆☆

علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ

ا

ایثار:

حضرت نافع رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کی ہے کہ ایک دفعہ ابن عمر رحمۃ اللہ علیہ کو مچھلی کھانے کی خواہش ہوئی لیکن سارے شہر میں مچھلی کہیں سے نہ ملی۔ چند روز کے بعد مجھے مچھلی مل گئی اور میں نے شیخ کی خدمت میں جا کر پیش کی۔ یہ دیکھ کر آپ بہت خوش ہوئے اور فرمایا:

اسے پکا کر لے آؤ

جب مچھلی تیار ہو کر آپ کے سامنے لائی گئی تو ایک سائل نے آ کر صدا دی کہ کچھ عطا کیا جائے۔

آپ نے فرمایا: یہ مچھلی اسے دے دو

خادم نے عرض کیا: یا سیدی! آپ کئی روز سے مچھلی کی خواہش کر رہے تھے۔ اب جب وہ پک کر آپ کے سامنے آئی ہے تو سائل کو دے رہے ہیں۔ اس کو مچھلی کی بجائے کوئی اور چیز دے دیں۔

آپ نے فرمایا: یہ مچھلی اسے دے دو

خادم نے عرض کیا: یا سیدی! آپ کئی روز سے مچھلی کی خواہش کر رہے تھے۔ اب جب وہ پک کر آپ کے سامنے آئی ہے تو سائل کو دے رہے ہیں۔ اس کو مچھلی کی بجائے کوئی اور چیز دے دیں۔

آپ نے فرمایا: اے جوان اب مچھلی کا کھانا میرے لئے حرام ہے۔ اب میں نے اس کی خواہش دل سے نکال دی ہے کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ حدیث سنی ہے:

جس کے دل میں کسی چیز کی خواہش پیدا ہوا اور پھر اپنی خواہش پر قابو پالے اور وہ چیز ایثار کر کے کسی دوسرے کے حوالہ کر دے تو اس کی مغفرت ہو جاتی ہے۔

میں نے روایت میں دیکھا ہے کہ ایک دفعہ دس درویش ایک صحرا میں سفر پر روانہ ہوئے۔ آگے چل کر راستہ بھول گئے اور پیاس کا سخت غلبہ ہوا۔ ان کے پاس صرف ایک پیالہ بھر پانی تھا لیکن انہوں نے ایثار سے کام لیا اور ایک دوسرے کی خاطر کسی نے پانی نہ پیا اور سوائے ایک دروش کے باقی سب جاں بحق ہو گئے۔ وہ کہتے ہیں جب سب مر گئے تو پھر وہ پانی پی لیا اور صحیح وسلامت واپس آ گیا۔ کسی نے اس سے کہا کہ اگر آپ وہ پانی نہ پیتے تو کیا آپ کے لئے بہتر نہ تھا۔ تو انہوں نے جواب دیا کہ اے فلاں شریعت کا فتویٰ یہ ہے کہ اگر میں وہ پانی نہ پیتا اور مر جاتا تو یہ خودکشی ہوتی یہ سن کر اس آدمی نے کہا کہ پھر تو ان لوگوں نے نے بھی پانی نہ پی کر خودکشی کی ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ یہ خودکشی نہیں ہے۔ کیونکہ ان میں سے ہر ایک نے دوسرے کی خاطر پانی نہ پیا حتیٰ کہ سب فوت ہو گئے اور میں بچ گیا۔ اس لئے پانی کا پینا شرعاً واجب ہو گیا۔ اسی طرح امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ ہجرت کے وقت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بستر پر سوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ کے ہمراہ مکہ مکرمہ سے باہر نکل کر غار کے اندر چلے گئے کیونکہ اس رات کفار نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قتل کا منصوبہ بنایا ہوا تھا۔ چنانچہ حق تعالی نے حضرت جبرائیل علیہ السلام اور میکائیل علیہ السلام سے فرمایا کہ ہم نے تم دونوں کو بھائی بنایا ہوا ہے۔ تم میں سے ایک کی عمر دوسرے سے لمبی بنائی ہے۔ اب تم میں سے کون اپنی زندگی کو دوسرے پر قربان کرنے اور خود پہلے مرنے کو تیار ہے لیکن دونوں میں سے ہر ایک فرشتے نے زندگی کو پسند اور موت کو ناپسند کیا۔ اس پر حق سبحانہ وتعالی نے جبرائیل علیہ السلام اور میکائیل علیہ السلام سے فرمایا کہ تم میں تو کسی نے دوسرے کی خاطر ناقبول نہیں کیا۔ علی رضی اللہ تعالی عنہ کا شرف دیکھو کہ ہم نے بھی ان میں برادری قائم کی لیکن علی رضی اللہ تعالی عنہ نے اپنے بھائی کی خاطر موت قبول کر لی اور پیغمبر کے بستر پر سو گئے

اور اپنی جان بھائی پر قربان کرنے کو تیار ہو گئے۔ اب تم دونوں زمین پر جاؤ اور علی رضی اللہ تعالی عنہ کو دشمنوں سے محفوظ رکھو۔ یہ حکم ملتے ہی جبرائیل علیہ السلام اور میکائیل علیہ السلام حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ کے پاس پہنچ گئے۔ ایک آپ کے سرہانے کی طرف اور دوسرا پاؤں کی طرف بیٹھ گیا اور جبرائیل علیہ السلام نے کہا۔

اے علی ابن ابی طالب! تیری برابری کون کرسکتا ہے کیونکہ آج حق تعالی آپ کو ملائکہ سے افضل قرار دے رہا ہے اور آپ مزے سے سو رہے ہیں حتیٰ کہ یہ آیت آپ کی فضیلت میں نازل ہوئی

ترجمہ: (جن لوگوں نے اپنے آپ کو حق تعالی کی رضا کے لئے قربان کر دیا اللہ اپنے ان بندوں پر بے حد مہربان ہے)

ایک انصار خاتون کی حکایت:

انصار میں سے ایک خاتون کہتی ہیں:

جنگ احد کے دن میں پانی لے کر میدان جنگ میں گئی تا کہ پیاسوں کو پانی پلاؤں۔ میں نے دیکھا کہ ایک شدید زخمی صحابی پڑے پیاس پیاس پکار رہے ہیں اور قریب المرگ ہیں۔ انہوں نے اشارہ سے مجھ سے پانی طلب کیا۔ جب میں آگے بڑھی تو ایک اور زخمی نے آواز دی کہ پانی دو۔ اس پہلے صحابیؓ نے کہا کہ پانی اسے دے دو۔ جب اس کے پاس گئی تو تیسرے آدمی نے آوازی دی کہ پانی، دوسرے نے کہا اس کو دے دو۔ جب تیسرے کے پاس گئی تو ہر ایک نے ایثار سے کام لیا اور اپنے سے زیادہ حاجت مند کو ترجیح دی لیکن جب میں چھٹے آدمی کے پاس پہنچی تو وہ مر چکا تھا اس لئے میں نے چاہا دوسرے کو پانی پلا دیں غرضیکہ سب مر چکے اور پانی باقی تھا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

ترجمہ: ایثار سے کام لے کر اپنے نفس کو دوسروں کی خاطر روکتے ہیں حالانکہ خود حاجت مند ہوتے ہیں۔

ادب:

حجاج بن یوسف ثقفی سے منقول ہے کہ اس نے کوتوال (اپنے پہرہ دار) کو حکم کیا کہ رات میں شہر کا گشت کیا کرے اور عشاء کے بعد جس کو (پھرتا ہوا) پائے قتل کردے۔ پہرہ دار نے رات میں گشت کیا اور تین لڑکوں کو پایا جو جھومتے ڈولتے ہوئے جارہے تھے اور ان پر مے نوشی کے آثار نمایاں تھے۔ پہرہ دار نے ان کو گھیر لیا اور کہا:

تم کون ہو؟ جو تم نے امیر المومنین کے حکم کی خلاف ورزی کی

پس ان میں سے ایک لڑکے نے کہا میں اس شخص کا بیٹا ہوں۔ جس کے سامنے خادم و مخدوم سب ہی کی گردنیں جھک جاتی ہیں۔ لوگوں کی گردنیں اس کے پاس ذلت کے ساتھ آتی ہیں اور وہ ان سے مال بھی لیتا ہے اور خون بھی لیتا ہے۔

پہرہ دار اس کے قتل سے رک گیا (اور دل میں) کہا کہ شاید یہ امیر المومنین کے خاص لوگوں میں سے ہے دوسرے سے کہا:

تو کون ہے؟

اس نے کہا: میں اس شخص کا بیٹا ہوں جس کی ہانڈی کبھی آتش داں (چولہے) سے نہیں اترتی اور اگر کسی روز اتر بھی جاتی ہے تو پھر فوراً اسی کی طرف واپس جاتی ہے۔ تو لوگوں کو اس کی آگ کے پاس بھیڑ لگائے دیکھے گا کہ کوئی کھڑا ہے اور کوئی بیٹھا ہے۔

پہرہ دار نے اس سے بھی ہاتھ روک لیا اور دل میں یہ خیال کیا کہ شاید یہ عرب کے شرف خاندان کا بچہ ہے

تیسرے سے کہا: تو کون ہے؟

اس نے کہا: میں اس شخص کا بیٹا ہوں جو ہمت و جواں مردی سے صفوں میں گھس جاتا ہے اور ننگی تلوار سے صفوں کو سیدھی کر ڈالتا ہے اس کے پاؤں رکاب سے اس

وقت بھی جدا نہیں ہوتے جبکہ گھوڑے میدان کارزار میں پیٹھ دے بھاگتے ہیں۔

پہرہ دار اس سے بھی رک گیا اور یہ سمجھا کہ شاید یہ عرب کے کسی بہادر شخص کا لڑکا ہے۔ صبح ہونے پر پہرے دار نے ان کا قصہ حجاج کے گوش گذار کیا حجاج نے ان کو بلا کر ان کے متعلق تفتیش کی تو معلوم ہوا کہ پہلا لڑکا نائی کا ہے دوسرا حجام کا اور تیسرا لڑکا جولا ہے کا بیٹا ہے۔ حجاج کو ان کی فصاحت کلامی پر حیرت ہوئی کہ انہوں نے اپنے ذلیل پیشوں کو کتنے بہتر انداز میں بیان کیا ہے اور اپنے صحیح احوال کو کس خوبی اور دانشمندانہ طرز سے ظاہر کیا ہے بیشک ان کا یہ طرز بیان قابل داد ہے حجاج نے ہم نشینوں سے کہا:

اپنی اولاد کو ادب کی تعلیم دو اس واسطے کہ اگر ان کے کلام میں فصاحت نہ ہوتی تو بخدا میں ان کی گردن مار دیتا۔

ایک عقلمند بڑھیا:

ابوجعفر صمیری بیان کرتے ہیں کہ ہمارے شہر میں ایک بہت نیک بڑھیا رہتی تھی جو بکثرت روزے رکھتی تھی اور بہت نماز پڑھتی رہتی تھی۔ اس کا ایک بیٹا تھا جو صراف تھا وہ شراب اور کھیل میں منہمک رہتا تھا۔ دن میں تو وہ دوکان میں مصروف رہتا اور شام کو گھر آ کر درہم و دیناروں کی تھیلی اپنی والدہ کے پاس رکھوا دیتا اور چلا جاتا، اور رات بھر شراب خانوں میں رہتا۔ ایک چور نے اس کی تھیلی اڑانے کی ٹھان لی اور اس کے پیچھے پیچھے چلتا رہا۔ اس شخص نے تھیلی ماں کے سپرد کر کے اپنی راہ لی اور ماں گھر میں تنہا رہ گئی اس مکان میں ایک ایسا کمرہ تھا جس کی دیواریں مضبوط اور دروازہ لوہے کا تھا۔ وہ اپنی قیمتی اشیاء اس کمرے میں رکھتی تھی اور تھیلی بھی، چنانچہ تھیلی اس نے اسی کمرے کے دروازے کے پیچھے رکھ دی اور وہیں بیٹھ گئی اور اپنے سامنے افطار کا سامان رکھ لیا۔ چور نے سوچا کہ اب وہ اس کو تالا لگائے گی اور سو جائے گی تو میں دروازہ الگ کر کے تھیلی لے لوں گا۔ جب وہ روزہ افطار کر چکی تو

نماز پڑھنے کو کھڑی ہوگئی اور نماز لمبی ہوگئی اور آدھی رات گزر گئی اور چور حیران ہوگیا اور ڈرنے لگا کہ صبح نہ ہو جائے۔ اب وہ گھر میں پھرا وہاں اس کو ایک نئی لنگی مل گئی اور کچھ خوشبو تو اس نے وہ لنگی باندھی اور خوشبو کو سا لگایا اور سیڑھی سے اترنا شروع کیا اور بہت موٹی آواز نکالنا شروع کی تا کہ بڑھیا گھبرا جائے لیکن بڑھیا دلیر تھی سمجھ گئی کہ یہ چور ہے تو بڑھیا نے کانپتی ہوئی آواز بنا کر پوچھا۔ یہ کون ہے؟ تو چور نے جواب دیا کہ میں جبرئیل ہوں رب العالمین کا بھیجا ہوا آیا ہوں اس نے مجھے تیرے بیٹے کے پاس بھیجا ہے وہ فاسق اور شرابی ہے تا کہ میں اسے نصیحت کروں اور اس کے ساتھ ایسا معاملہ کروں جس سے وہ اپنے گناہوں سے باز آ جائے تو بڑھیا نے یہ ظاہر کیا کہ گھبراہٹ سے اس پر غشی طاری ہوگئی ہے اس نے یہ کہنا شروع کیا کہ اے جبرئیل علیہ السلام! میں تجھ سے درخواست کرتی ہوں کہ اس کے ساتھ نرمی کرنا کیونکہ وہ میرا اکلوتا بیٹا ہے۔ تو چور نے کہا میں اس کے قتل کرنے کو نہیں بھیجا گیا ہوں۔ بڑھیا نے پوچھا پھر کس لئے بھیجے گئے ہو۔ اس نے کہا اس لئے کہ اس کی تھیلی لے لوں اور اس کے دل کو رنج پہناؤں۔ پھر جب وہ توبہ کر لے تو تھیلی اسے واپس کر دوں۔ بڑھیا نے کہا اچھا جبرئیل علیہ السلام اپنا کام کرو اور جو کچھ تجھے حکم دیا گیا ہے اس کی تعمیل کر۔ تو اس نے کہا تو کمرے کے دروازے سے ہٹ جا۔ وہ ہٹ گئی اور اس نے دروازہ کھول دیا اور اندر داخل ہوگیا تا کہ تھیلی اور قیمتی سامان لے جائے اور ان کی گٹھڑی بنانے میں مشغول ہوگیا تو بڑھیا نے آہستہ آہستہ جا کر دروازہ بند کر لیا۔ زنجیر کو کنڈے میں ڈال دیا اور تالا لگا کر اسے مقفل بھی کر دیا۔ اب تو چور کو موت نظر آنے لگی اور باہر نکلنے کے لئے کوئی حیلہ سوچنے لگا مگر کوئی صورت نظر نہ آئی پھر بولا، اے بڑھیا! دروازہ کھول تا کہ باہر نکلوں کیونکہ تمہارا بیٹا نصیحت قبول کر چکا ہے تو بڑھیا نے کہا اے جبرئیل علیہ السلام! مجھے ڈر ہے کہ میں کواڑ کھولوں تو تیرے نور کے ملاحظہ سے میری بینائی نہ جاتی رہے تو اس نے کہا میں اپنے نور کو بجھا دوں گا تا کہ

تیری آنکھیں ضائع نہ ہوں تو بڑھیا نے کہا۔ اے جبرئیل علیہ السلام تیرے لئے اس میں کیا مشکل ہے کہ تو چھت سے نکل جائے یا اپنے پر سے دیوار کو پھاڑ کر چلا جائے اور مجھے یہ تکلیف نہ دے کی میں نگاہ کو برباد کر ڈالوں۔ اب چور نے محسوس کیا کہ بڑھیا دلیر ہے اب اس نے نرمی اور خوشامد شروع کی اور توبہ کرنے لگا تو بڑھیا نے کہا۔ یہ باتیں چھوڑ اب نکلنے کی کوئی ترکیب نہیں۔ جب تک دن نہ ہو جائے اور نماز پڑھنے کھڑی ہوگئی اور وہ اس سے سوال کرتا رہا۔ یہاں تک کہ سورج نکل آیا اور اس کا بیٹا بھی واپس آ گیا۔ ماں نے سارا واقعہ بیٹے کو سنایا۔ وہ پولیس کو بلا لایا انہوں نے دروازہ کھول کر چور کو باندھ لیا۔

ایک عقلمند لڑکی:

ایک شخص شن نامی عرب کے بڑے دانشمندوں میں سے تھا اس نے قسم کھائی تھی کہ میں سفر میں ہی اپنا وقت گزرتا رہوں گا جب تک مجھے کوئی عورت اپنی جیسی ملے اور اس سے نکاح کرلوں مطلب یہ کہ جب تک میں کسی عقلمند عورت سے نکاح نہ کرلوں گا اس وقت تک میں سفر میں ہی رہوں گا۔

ایک مرتبہ وہ سفر میں تھا کہ اس کی ملاقات ایسے شخص سے ہوئی جو اسی بستی میں جا رہا تھا۔ جہاں پہنچنے اک شن نے ارادہ کیا تھا۔ تو یہ اس کا ساتھی ہو گیا جب یہ دونوں روانہ ہوئے تو اس سے شن نے کہا تم مجھے اٹھا کر لے چلو گے یا میں تمہیں اٹھاؤں تو اس کے ساتھی نے کہا۔ جاہل آدمی ایک سوار دوسرے سوار کو کیسے اٹھا سکتا ہے؟ پھر دونوں چل رہے تھے تو انہوں نے ایک کھیت کو دیکھا جو پکا ہوا کھڑا تھا۔ تو شن نے کہا کیا تم کو اس بات کی خبر ہے کہ یہ کھیت کھایا جا چکا یا نہیں؟ اس کہا اے جاہل! کیا تو دیکھتا نہیں کہ یہ کھڑا ہے پھر دونوں کا گزر ایک جنازہ پر ہوا تو شن نے کہا۔ تمہیں خبر ہے صاحب جنازہ زندہ ہے یا مردہ؟ اس نے کہا میں نے تجھ سے زیادہ جاہل کوئی نہیں دیکھا کیا تیرا یہ خیال ہے کہ لوگ زندہ ہی دفن کرنے جا رہے ہیں۔ پھر

وہ شخص شن کو اپنے گھر پر لے گیا اور اس شخص کی ایک بیٹی تھی جس کا نام طبقہ تھا۔ اس شخص نے اپنی بیٹی کو شن کا سارا قصہ سنا کر کہا۔ اے میرے باپ وہ تو بڑا دانا آدمی ہے اس کا یہ قول کہ مجھے اٹھاؤ گے یا میں تمہیں اٹھاؤں گا؟ اس خیال سے تھا کہ تم مجھے کوئی بات سناؤ گے یا میں تمہیں سناؤں تا کہ تم اپنا راستہ تفریح کے ساتھ پورا کر لیں۔ اور اس کا یہ کہنا کہ یہ کھیت کھایا چکا یا نہیں اس کا مقصد یہ دریافت کرنا تھا کہ کھیت والوں نے اسے فروخت کر کے اس کی قیمت خرچ کر لی یا نہیں؟ اور میت کے بارے میں اس کا پوچھنا کہ یہ زندہ ہے یا مردہ؟ اس سے اس کا مقصد یہ تھا کہ آیا اس نے اپنے پیچھے کوئی ایسا چھوڑا بھی ہے جو اس کے نام کو زندہ رکھ سکے یا نہیں؟

یہ شخص اپنی بیٹی سے یہ باتیں سن کر شن کے پاس آیا اور اپنی بیٹی کی باتیں اس کو سنائیں کرشن نے اسی سے نکاح کا پیغام دیا اور اس کے ساتھ اس کا نکاح ہو گیا۔

ایک بدکار عورت:

ایک بدکار عورت سے کسی سادہ لوح شخص کا نکاح ہو گیا۔ وہ عورت چھ ماہ سے پہلے ہی امید سے تھی۔ چنانچہ نکاح کے بعد تین مہینے گزرنے پائے تو بچہ پیدا ہو گیا۔ سادہ لوح شوہر بڑا خوش ہوا کہ اللہ نے بڑی اچھی بیوی دی جس کے باعث مجھ پر اللہ نے بڑی جلدی کرم فرما دیا اور مجھے فٹافٹ باپ بنا دیا۔ بازار میں نکلا تو لوگ مذاق کرنے لگے وہ بہت گھبرایا کہ لوگ مبارکباد کی جگہ مذاق کرنے لگے ہیں۔ وہ لوگوں سے پوچھنے لگا کہ تمہارے مذاق کی وجہ کیا ہے؟ سب نے کہا بھلے آدمی! بچہ تو خالص حرامی ہے تم خواہ مخواہ اس کے ابا بن رہے ہو۔ اس نے پوچھا کہ بچہ حرامی کیسے ہو گیا؟ لوگوں نے بتایا اس لئے کہ وہ تین مہینے کے بعد ہی پیدا ہو گیا ہے۔ اگر تمہارا ہوتا تو پورے نو ماہ کے بعد ہوتا۔ وہ سادہ لوح لوگوں کی یہ بات سن کر غصہ میں گھر آیا اور اپنی بیوی سے کہنے لگا کہ تم نے یہ کیا غضب کیا کہ کچھ ماہ پہلے ہی بچہ جن دیا۔ بچہ تو پورے نو ماہ کے بعد پیدا ہوتا ہے لوگوں میں تم نے میری ناک کاٹ ڈالی۔ چالاک

عورت بولی ۔آپ بھی بڑے بھولے ہیں خواہ مخواہ لوگوں کی باتوں میں آ گئے ہیں میں نے پورے نو ماہ کے بعد ہی بچہ جنا ہے ۔یقین نہ آئے تو حساب کرلیں بتائیے آپ کو مجھ سے نکاح کئے ہوئے کتنا عرصہ گزرا؟ اس نے کہا تین ماہ بولی ! اور مجھے آپ سے نکاح کئے ہوئے کتنا عرصہ گزرا؟ وہ شخص بولا تین ماہ بولی اور بچہ کتنے ماہ کے بعد پیدا ہوا ۔بولا تین ماہ کے بعد کہنے لگی: تو تین ماہ کے آپ کے تین میرے اور تین بچے کے پورے نو ماہ تو ہو گئے پھر اعتراض کیسا؟ سادہ لوح شوہر مطمئن ہو گیا اور کہنے لگا بالکل ٹھیک ہے لوگوں کا کیا ہے؟ وہ جل کر ایسا کہہ رہے ہیں ۔
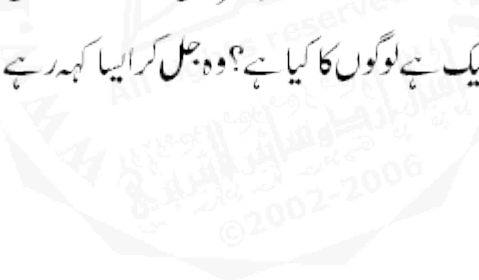
ب

بادشاہ کا کھانا:

ایک دفعہ حضرت احمد حزب نیشا پوری رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں کچھ امراء روساء سلام کی خاطر حاضر ہوئے۔ جب وہ سب حضرت شیخ کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے تو آپ کا لڑکا شراب کے نشے میں مست گاتا ہوا ان کے پاس سے گزر گیا اور کسی کی پروا نہ کی۔ یہ دیکھ کر سب کو تعجب ہوا۔ ان کو تعجب کی حالت میں دیکھ کر حضرت شیخ نے فرمایا کہ وہ معذور ہے وجہ یہ ہے کہ ایک دفعہ ہمارے ہمسایہ نے ہمارے پاس کچھ کھانا بھیجا اور میں نے اور میری بیوی نے وہ کھانا کھالیا اسی رات جب ہم بستر ہوئے اور نیند کا اس قدر غلبہ ہوا کہ ہم دونوں اپنے معمول بھول گئے۔ جب صبح کے وقت ہم نے پشیمان ہو کر ہمسایہ سے دریافت کیا کہ وہ کھانا کہاں سے آیا تھا تو اس نے جواب دیا کہ کل بادشاہ کے ہاں کوئی شادی کی تقریب تھی وہ کھانا وہاں سے آیا تھا۔

بکری کے روپ میں بھیڑیا:

عمدۃ القرہ مجلس میں ایک شخص ہٹا کٹا چاق و چوبند تندرست و توانا بڑے دھڑلے کے ساتھ سرخ پگڑی باندھے ہوئے آیا اس کے گلے میں موٹے موٹے دانوں والی مالا تھی اور ہاتھ میں لوہے کی پھلیوں سے جڑی ہوئی بہت موٹی لاٹھی تھی اس نے نہ اجازت طلب کی نہ سلام کیا اور لا الہ الا اللہ اللہ اکبر داخل ہو گیا۔ اس کو دیکھتے ہی میرے دل میں یہ بات آئی کہ یہ شخص پکار مکار، دھوکے باز اور جھوٹا ہے پس حاضرین میں سے صرف میں نے سامنے آ کر کہا: کون صاحب ہیں؟ اس نے کہا فلاں شخص ہوں میں نے کہا، آپ کا کیا شغل ہے؟ اس نے کہا متوکلین میں سے ہوں، میں نے کہاں آپ کا گزارہ کیسے ہوتا ہے؟ اس نے کہا سخی لوگوں کے ذریعے سے پس میں اس کو (پینترے بازی سے) ڈھیل دیتا رہا یہاں تک کہ وہ کھل گیا اور

اس نے مجھ سے بلا شرمائے صفائی کے ساتھ کھلم کھلا کہنا شروع کیا کہ میں چھ سال تک جائے نماز کے پیچھے سے خرچ کرتا رہا۔ کم سے کم جو مقدار میں ہر صبح پاتا تھا وہ بیس قرش ہوتی تھی۔ آہستہ آہستہ یہ راز فاش ہو گا اور احباب اس رزق غیبی کی وجہ سے مجھ سے حسد کرنے لگے یہاں تک کہ روزی بند ہو گئی۔ ورنہ میں تو بڑے عابد و زاہد اور پارسا لوگوں میں سے تھا۔ میں نے کہا تعجب کا مقام ہے آپ اپنے خدا کی عبادت بھی کریں اور اس کا شکر بھی ادا کریں پھر بھی وہ اپنا رزق اور وظیفہ تجھ سے بند کر دیں حالانکہ اس نے وعدہ کیا ہے کہ اگر تم میری نعمتوں کا شکر ادا کرو گے تو میں تم کو اور زیادہ دوں گا بخدا تو بڑا جھوٹا (معلوم ہوتا) ہے پس اس پر جھپ چڑھ گئی اور جواب نہ دے سکا اس کے بعد دوران گفتگو میں اس کی اور بہت سی باتیں آشکارا ہوئیں معلوم ہوا کہ وہ اپنا شہر اپنے بیوی بچے چھوڑے ہوئے ہے اور والدین کا نافرمان بھی ہے گاؤں گاؤں گھومتا پھرتا ہے عورتوں کے پاس آتا جاتا ہے ان کے پاس بیٹھتا اٹھتا ہے اس کے علاوہ لوگوں نے اس کی اور بہت سی برائیاں اور عیوب ذکر کیے۔ پس میں نے لوگوں پر کمائی اور دستکاری کی فضیلت کو واضح کیا اور بتایا کہ اللہ کے نبی حضرت داؤد علیہ السلام اپنے کام کاج اور اپنی کمائی سے کھاتے تھے حضرت عمرؓ، ہر شخص کی تعظیم و تکریم کرتے تھے مگر جب آپ کو معلوم ہوتا تھا کہ اس کا کوئی کام نہیں ہے تو اس کو غیرت دلاتے اور نظروں کو گرا دیتے تھے۔ میں نے یہ بھی کہا اگر آسمان سے سونا برستا اور زمین چاندی اگلتی تو نظام عالم بگڑ جاتا۔ آبائیں خراب ہو جاتیں اور (اگر بالفرض اس میں کوئی خوبی ہوتی تو) انبیاء علیہم السلام اور اولیاء اللہ اس غنیمت کو زیادہ حق دار تھے پس لوگوں نے حق بات کو تسلیم کیا اور باطل کو ٹھکرا دیا اور وہ دجال رسوا ہو کر وہاں سے گیا اور کسی نے اس کا نشان بھی نہ پایا۔

بہادری:

قبیلہ بنی حنفیہ میں ایک شخص حجدر بن مالک نامی بڑا ہی بہادر و دلیر تھا اور حجاج

کے ایک عامل پر لوٹ مار کئے ہوئے تھا۔ حجاج نے یمامہ میں اپنے عامل کے پاس (ایک خط) لکھا جس میں اس کو جحدر بن مالک کے ساتھ دل لگی کرنے پر ڈانٹ ڈپٹ اور اس کو گرفتار کرنے کی تاکید کی تھی۔ جب عامل کے پاس حجاج کا خط پہنچا تو اس نے قبیلۂ بنی یربوع کے نوجوانوں میں اعلان کرا دیا کہ جو شخص جحدر کو قتل کرے گا یا گرفتار کر کے لائے گا اس کو بہت کچھ انعام دیا جائے گا۔ پس نوجوان (اس کی تلاش) میں نکل پڑے یہاں تک کہ اس کے قریب پہنچ گئے اور کسی آدمی کے ذریعے کہلایا کہ ہم لوگ آپ کی صحبت خاص سے بہرہ اندوز اور گردش ایام سے آپ کی پناہ چاہتے ہیں۔ جحدہ نے ان پر اعتماد کر لیا اور ان کی طرف سے مطمئن ہو گیا۔ جب انہوں نے جحدر کو غافل پایا تو ایک روز اس کو رسی سے باندھ کر عامل کے پاس لا کھڑا کیا۔ عامل نے جحدہ کو نوجوانوں کی معیت میں حجاج کے پاس چلتا کر دیا۔ جب اس کو حجاج کے پاس لایا گیا۔ تو حجاج نے کہا؟ کون ہے؟ اس نے کہا جحدر بن مالک حجاج نے کہا لوٹ مار کے وہ قصے جو تجھ سے صادر ہوئے ہیں ان پر تجھے کس چیز نے آمادہ کیا؟ اس نے کہا دل کی بیباکی، بادشاہ کی ستم ظرفی اور زمانہ کی سختی نے۔ حجاج نے کہا یہ حالات کسی حد تک پہنچ گئے جن حالات نے تجھے اتنا نڈر کر دیا۔ اس نے کہا امیر المومنین مجھے آزمائے تو ایک صلاح معین اور بہادر شہسوار پائے اس واسطے کہ میری کبھی شہسوار سے مڈبھیڑ نہیں ہوئی مگر یہ کہ میں نے آپ کو اس پر غالب پایا ہے۔ حجاج نے کہا ہم تجھے شکار کے خون ریز شیر ببر کے سامنے ڈالتے ہیں اگر اس نے تجھے ختم کر دیا تو تیرے بارے قتل سے ہمیں کفایت ہو گی اور اگر تو نے شیر کو مار ڈالا تو ہم تجھے رہا کر دیں گے۔ اس نے کہا اللہ امیر المومنین کا بھلا کرے بڑی عنایت ہو گی۔ حجاج نے کہا شیر کے ساتھ لڑنے کے لئے یونہی نہیں چھوڑیں گے بلکہ لوہے کی بیڑی میں جکڑ کر چھوڑیں گے۔ چنانچہ حجاج بن یوسف نے بیڑی ڈالنے کا حکم کر دیا پس اس کا دایاں ہاتھ گردن سے باندھ کر قید خانہ میں بھیج دیا گیا۔ پھر حجاج نے ایک

خونخوار شیر لانے کا حکم دیا۔ شیر لایا گیا جو گاڑی میں جتا ہوا تھا اور اس کو تین روز تک بھوکا رکھنے کے بعد حجدر پر چھوڑا گیا جب کہ اس کا دایاں ہاتھ گردن سے بندھا ہوا تھا۔ حجدر کو ایک تلوار دیدی گئی۔ حجاج اور اس کے ہم نشین سب تماشہ گاہ میں پہنچ گئے شیر کو دیکھ کر حجدرہ اشعار پڑھنے لگا (ماتن نے ان اشعار کو صعوبت فہم کی وجہ سے ذکر نہیں کیا) جب شیر نے حجدر کو دیکھا تو بہت زور سے دھاڑا اور انگڑائی لے کر اس کی طرف لپکا اور جب ایک نیزہ کا فاصلہ رہ گیا تو شیر نے پوری طاقت کے ساتھ چھلانگ ماری۔ حجدر نے فوراً تلوار اٹھائی اور ایسا زوردار حملہ کیا کہ تلوار کی نوک اس کے جبڑوں میں پیوست ہوگئی اور شیر اس طرح گر پڑا جیسے کسی خیمہ کو ہوا نے اکھاڑ پھینکا ہو۔ ادھر حجدر بھی بیڑی کی سختی اور شیر کی چھلانگ کی شدت سے کمر کے بل گر پڑا۔ پس حجاج بن یوسف نے اور تمام تماش بینو نے چاروں طرف سے نعرہ تکبیر بلند کیا اور حجدر بن مالک کو اعزاز و اکرام کے ساتھ بہت کچھ انعام دیا۔

پ

پناہ خوار کی حفاظت:

سعید بن مسلم نے بیان کیا ہے کہ خلیفہ مہدی نے اہل کوفہ میں سے ایک شخص کے خون کی نذر مان لی تھی جو ہمیشہ اس کی سلطنت کے بگاڑ میں کوشاں رہتا تھا اور اس شخص کے لئے جو اس کا سراغ لگائے یا اس کو لے کر آئے ایک لاکھ درہم کا وعدہ کر لیا۔ سعید بن مسلم کا بیان ہے کہ وہ شخص ایک عرصہ تک روپوش رہا اس کے بعد مدینۃ السلام (بغداد) میں ظاہر ہوا مگر وہ ظاہر ہو کر بھی غائب کی طرح تھا کہ ہر وقت خوفزدہ اور منتظر حوادث رہتا تھا۔ اور روز مدینۃ السلام کے کسی کوچہ میں جا رہا تھا کہ ایک کوفی نے دیکھ کر پہچان لیا اور اس کا گریبان پکڑنے کے لئے ہاتھ بڑھایا اور کہا یہ امیر المومنین کو مطلوب ہے اس نے اس کو کھینچ کا موقعہ دے دیا اور اس نے اپنے سامنے موت دیکھ لی۔ اسی حالت میں پیچھے سے کھروں کی آواز سنائی دی اس نے جو اس کی طرف مڑ کر دیکھا تو وہ معن بن زائدہ تھا اس شخص نے کہا ابو الولید! مجھے پناہ دے، اللہ تجھے پناہ دے گا، معن بن زائدہ ٹھہر گیا اور جو شخص اس سے الجھ رہا تھا اس سے کہا کیا ارادہ ہے؟ اس نے کہا یہ امیر المومنین کا مطلوب ہے جس کے خون کی وہ نذر کیے ہوئے ہے اور اس کا پتہ بتلانے والے کے لئے ایک لاکھ درہم کا وعدہ کیا ہے۔ معن بن زائدہ نے غلام سے کہا کہ سوار سے اتر کر ہمارے اس بھائی کو سوار کر لے، کوفی شور مچا کر کہنے لگا لوگو یا دیکھو یہ معن بن زائدہ میرے درمیان اور امیر المومنین کے مطلوب کے درمیان حائل ہو رہا ہے، معن نے کہا ہاں تو جا کر خلیفہ سے کہہ دے کہ وہ میرے پاس ہے کوفی امیر المومنے کے دروازہ پر گیا اور دربان سے کہہ کر مہدی کے پاس آیا اور واقعہ کی اطلاع دی مہدی نے اس کو تو قید کر لیا اور معن کے پاس ایک اور شخص کو بھیج دیا تا کہ وہ اس کو مہدی کے پاس لے آئے۔ معن کے پاس مہدی کے قاصد اس وقت پہنچے جب وہ اپنے کپڑے پہن چکا تھا اور سواری بھی

قریب لائی جا چکی تھی ۔ معن نے اپنے گھر والوں کو بلا کر کہا کہ جب تک تم میں پلک جھپکنے والی آنکھ موجود ہے اس وقت تک اس کے پاس کوئی شخص بھٹکنے نہ پائے پھر سوار ہو کر مہدی کے پاس لے آیا۔ اور سلام کیا مہدی نے کوئی جواب نہ دیا بلکہ عتاب آمیز لہجہ میں کہا معن! تو ہمارے مقابلے میں مجرم کو پناہ دیتا ہے معن نے کہا: ہاں اے امیر المومنین! مہدی نے کہا اچھا! ہاں بھی (کہتے ہو) مہدی کا غصہ اور بڑھ گیا معن نے کہا تمہاری اطاعت وخوشنودی کی خاطر یمن میں ایک دن کے اندر پندرہ ہزار آدمیوں کو قتل کیا ہے اور میرے تو اس قسم کے بہت سے واقعات گذر چکے ہیں جن میں میری آزمائش اور حسن عمل وخوبی بے نیازی ظاہر ہو چکی تو کیا میں تمہارے نزدیک اس کا بھی اہل نہیں کہ تم میری وجہ سے ایک شخص کو معاف کر دو جو میری پناہ میں آنا چاہتا ہے ۔ مہدی کچھ دیر سر جھکائے بیٹھا رہا اس کے بعد سر اٹھایا تو اس کا غصہ فرو ہو چکا تھا۔ مہدی نے کہا اچھا جا جس کو تو نے پناہ دی اس کو میں نے بھی پناہ دی معن نے کہا امیر المومنین اگر آپ مناسب سمجھیں تو اس کو کچھ دے دیجئے کیونکہ آپ کا عطا کرنا گویا اس کو زندہ اور غنی کر دینا ہے مہدی نے کہا ہم اس کے لئے پانچ ہزار درہم کا حکم کرتے ہیں معن نے کہا امیر المومنین خلفاء کی بخشش رعیت کی خطاؤں کے برابر ہوتی ہیں اس شخص کا جرم عظیم ہے لہذا اس کو عطیہ بھی زیادہ دینا چاہئے ۔ مہدی نے کہا ہم اس کے لئے ایک لاکھ کا حکم کر دیا۔ معن نے کہا امیر المومنین (دعا خیر میں) جلدی کیجئے پھر معن واپس ہو گیا اور اس شخص کو مال مل گیا۔ معن نے اس شخص کو بلا کر کہا کہ اپنا صلہ لے کر گھر والوں کے پاس جا اور آئندہ کبھی خلفا کی مخالفت نہ کرنا۔

ج

جتنا پہلے دیا تھا اتنا ہی اور دے دیا:

ایک دیہاتی نے داؤد بن مہلب کے پاس آ کر کہا: میں نے آپ کی تعریف میں چند شعر کہے ہیں براہ کرم ان کو سن لیجیے داؤد نے کہا ذرا ٹھہر جاؤ (جلدی مت کر یہ کہہ کر) گھر میں گیا اور تلوار لگا باہر آیا اور کہا اب سنا اگر تو نے عمدہ اشعار کہے تب تو ہم تجھے ضرور کچھ نہ کچھ دیں گے ورنہ قتل کر دیں گے۔ دیہاتی نے شعر پڑھنا شروع کیا۔ میں داؤد کی ذات گرامی اور اس کی داد و دہش کی وجہ سے ہر اندیشناک مصیبت اور سختی و تنگدستی سے مطمئن ہو گیا۔ پس میں داؤد کی وجہ سے بے آرامی کا اندیشہ نہیں رکھتا کیونکہ میں نے اپنی کمر اس سے مضبوط کر لی داؤد کی حکمت و دانائی لقمان جیسی ہے اور صورت یوسف جیسی اور حکم لقمان جیسا اور انصاف ابو بکر جیسا۔ وہ ایسا جوان ہے کہ مال اس کے ہاتھ کی سخاوت سے ایسا گھبرایا ہے جیسے شب قدر سے شیطان۔

داؤد نے کہ ہم نے تیرے لیے مال کا فیصلہ کر دیا اب اگر تو چاہے تو تیری حیثیت کے لحاظ سے (دیا جائے) اور اگر تو چاہے تو میں اپنی حیثیت کے۔ اس نے کہا: نہیں بلکہ میرے مرتبہ کے لحاظ سے پس داؤد نے اس کو پچاس ہزار درہم دے دیئے دوستوں نے دیہاتی سے کہا کہ تو نے امیر المومنین کی حیثیت کے مطابق کیوں نہیں چاہا؟ اس نے کہا: امیر المومنین کی حیثیت کے لحاث سے تو اس کا کل مال بھی پورا نہیں اترتا (کیونکہ امیر المومنین کا رتبہ اس سے فزوں تر ہے) داؤد نے کہا تو مذکورہ بالا اشعار کی بہ نسبت اس جملہ میں شاعر تر ہے چنانچہ داؤد نے جتنا پہلے دیا تھا اتنا ہی اور دے دیا۔

د

دوستی:

ایک دفعہ ایک درویش دریا میں غوطے کھا رہا تھا۔ یہ دیکھ کر ایک دوست نے پکار کر کہا کہ بھائی کیا آپ نجات پسند کرتے ہیں۔ اس نے کہا نہیں جب دوست نے کہا کہ کیا غرق ہونا پسند کرتے ہیں تو اس نے کہا نہیں۔ دوست نے کہا عجیب آدمی ہے نہ نجات چاہتا ہے نہ غرق ہونا پسند کرتا ہے۔ اس نے جواب دیا کہ مجھے نہ نجات کی خواہش ہے نہ غرق ہونے کی۔ میری خواہش وہی ہے جو دوست (حق تعالی) کی خواہش ہے۔ مشائخ کا کہنا ہے کہ دوستی حق میں کم ترین درجہ اپنے اختیار (ارادہ) کی نفی ہے حق تعالی کے اختیار ازلی ہے جس کی نفی نا ممکن ہے اس لئے بہتر یہ ہے کہ عارضی اختیار کو خاک میں ملا کر حق تعالی کے ازلی اختیار کو ترجیح دی جائے۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کوہ طور پر دیدار حق تعالی کی خواہش کا اظہار کیا تو گویا انہوں نے اپنے اختیار (مرضی) کے مطابق کام کیا اور کہا کہ رب ارنی (مجھے دیدار کرا) حق تعالی سے جواب ملا کہ لن ترنی (تو نہیں دیکھ سکتا) عرض کیا کہ یاالٰہی دیدار حق ہے۔ اس سے آپ کس وجہ سے منع فرما رہے ہیں۔ فرمان ہوا کہ بیشک دیدار حق ہے لیکن دوستی (عشق) میں اختیار (ارادہ) باطل ہے یہ مضمون بہت طویل ہے۔ میرا مطلب یہ ہے کہ تجھے معلوم ہو جائے کہ ان اصطلاحات سے مشائخ عظام کی کیا مراد ہے اسی طرح اصطلاحات جمع وتفرقہ، فنا و بقا، غیبت وحضور کا ذکر بھی صوفیہ کے مذاہب کے باب مین پہلے ہو چکا ہے جہاں صحو و سکر کا بھی بیان ہو چکا ہے واللہ اعلم

ایک دفعہ حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ غلبہ حال کی حالت میں حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں آئے تو حضرت شیخ کو غمگین پایا۔ جب آپ سے دریافت کیا کہ یا شیخ یہ کیا حال ہے؟ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ من طلب وجد (جس نے طلب کیا وہ غمگین ہوا) اس پر شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا لا بل

من وجد طلب (نہیں بلکہ جو غمگین ہوا اس نے پایا)

ر

راہ حق:

میں نے شیخ احمد حماد سرخسی رحمۃ اللہ سے پوچھا کہ آپ کی توبہ کی ابتداء کس طرح ہوئی تو انہوں نے جواب دیا کہ ایک دفعہ میں اونٹوں سمیت صحرا نشین ہو گیا اور کافی مدت تک وہاں مقیم رہا۔ میں اکثر اوقات فاقوں میں بسر کرتا تھا اور اپنا کھانا دوسروں کو دے دیتا تھا۔ یہ بات مجھے بہت پسند تھی کیونکہ حق تعالی نے فرمایا ہے کہ (ایسے مردان خدا بھی ہیں جو نفس کشی کر کے اپنا حصہ دوسروں کو دے دیتے ہیں حالانکہ خود حاجت مند ہوتے ہیں) غرضیکہ مجھے صوفیاء کرام کے مجاہدات سے محبت تھی۔ ایک دن کیا دیکھتا ہوں کہ ایک بھوکا شیر آیا اور میرے اونٹ کو مار کر ایک ٹیلے پر چڑھ گیا اور دھاڑنے لگا۔ اس کی آواز سن کر جنگلی جانور جمع ہو گئے۔ یہ دیکھ کر شیر نیچے اتر آیا اور اونٹ کے ٹکڑے کر کے پھر ٹیلے پر جا کر بیٹھ گیا اور تمام جنگلی جانوروں مثلاً گیدڑ، لومڑی، بھیڑیا وغیرہ نے پیٹ بھر کر گوشت کھایا۔ جب سب جانور شیر ہو گئے تو شیر ٹیلے سے اتر کر نیچے آیا، اور گوشت کھانے ہی والا تھا کہ ایک لنگڑی لومڑ نمودار ہوئی۔ اسے دیکھ کر شیر پیچھے ہٹ گیا اور ٹیلے پر جا بیٹھا۔ جب لومڑی نے پیٹ بھر کر گوشت کھا لیا تو شر نے نیچے اتر کر گوشت کھانا شروع کر دیا۔ میں دور کھڑا یہ نظارہ دیکھتا رہا۔ جب شیر پیٹ بھر کر کھا چکا تو میری طرف دیکھ کر زبان حال سے کہنے لگا اے احمد لقمہ خیرات کرنا تو کتوں کا کام ہے۔ مردان خدا وہ ہیں جو دوسروں کے لئے اپنی زندگی نثار کر دیتے ہیں۔ اس کے بعد میرے دل میں دنیا کی محبت سرد پڑ گئی اور توبہ کر کے راہ حق میں مشغول ہو گیا۔

س

سجدۂ شکر:

بنی اسرائیل میں اے عابد تھا جو چار سو سال سے عبادت الٰہی میں مشغول تھا۔ ایک دن اس نے مناجات میں کہا کہ یا خدا! اگر تو پہاڑوں کو پیدا نہ کرتا تو تیرے بندگان کے لئے زمین کا سفر آسان ہو جاتا۔ اس زمانے کے پیغمبر اسلام کو فرمان الٰہی موصول ہوا کہ اسے کہہ دو کہ تمہیں ہمار خلق میں دخل دینے کا کیا حق پہنچتا ہے۔ اب جبکہ تم نے دخل اندازی کی ہے ہم نے تمہارا نام نیک بختوں کے دفتر سے خارج کر کے بدبختوں کے دفتر میں درج کر دیا ہے۔

یہ سن کر وہ عابد بہت خوش ہوا اور سجدہ شکر بجالائے۔

پیغمبر علیہ السلام نے کہا: اے نادان بدبختی پر سجدہ شکر ادا کرنے کیا کیا معنی؟

اس نے کہا: میں نے بدبختی پر شکر ادا نہیں کیا بلکہ اس بات پر شکر ادا کیا ہے کہ میرا نام حق تعالیٰ عزوجل کے کسی دفتر میں تو موجود ہے۔ اے پیغمبر خدا اب میری طرف سے یہ عرض کریں کہ جب آپ مجھے دوزخ میں ڈالیں تو میرا جسم اس قدر بڑا کر دیں کہ ساری دوزخ کو گھیر کر لے تا کہ تیرے سب بندے دوزخ سے بچ کر جنت میں جا سکیں۔ فرمان ہوا کہ میرے بندے کو کہہ دو کہ تیرے اس امتحان کا مقصد یہ نہ تھا کہ تیری ذلت کی جائے گی بلکہ اصل مقصد یہ تھا کہ خلق خدا پر تیرا شرف ظاہر ہو جائے۔ اب اس کا مطلب یہ ہے کہ قیامت میں تم جن کی شفاعت کرو گے اور بہشت میں جائیں گے۔

ش

شرافت النفس:

معن بن زائدہ سے مروی ہے اس نے کہا: جب میں نے منصور کے (خوف) سے روپوش ہو کر بھاگنے کا ارادہ کیا تو میں باب حرب سے نکلا جب کہ کئی دن تک دھوپ میں ٹھہرنے کی وجہ سے میرا ڈاڑھی اور رخسار پژمردہ ہو چکے تھے۔ میں نے اون کا ایک موٹا سا جبہ پہنا اور اونٹ پر سور ہو کر نکلا تا کہ جنگل کی طرف چلا جاؤں۔ پس ایک حبشی نے جو تلوار نکیل پکڑ کر اونٹ کو بٹھایا اور مجھے پکڑ لیا میں نے کہا تیرا کیا مقصد ہے؟ اس نے کہا تو امیر المومنین کا مطلوب ہے میں نے کہا میں کون ہوں جو مجھے امیر المومنین طلب کرے اس نے کہا معن بن زائدہ میں نے کہا میاں اللہ سے ڈرو کہاں میں اور کہاں معن بن زائدہ اس نے کہا ان باتوں کو چھوڑ میں تجھے اچھی طرح سے جانتا ہوں، میں نے کہا اگر یہی بات ہے تو میرے ساتھ یہ جوہر ہے جس کی قیمت اس مقدار سے دوگنی ہوگی جس کا منصور نے میرے لانے والے کے لئے وعدہ کیا ہے یہ لے لے اور میرا خون مت بہا، اس نے کہا لائیں میں نے دیدیا، اس نے تھوڑی دیر جوہر کی دیکھ بھال کر کے کہا تو نے اس کی قیمت کے متعلق تو صحیح کہا ہے مگر میں اس کو اس وقت تک قبول نہیں کر سکتا جب تک کہ میں تجھ سے ایک بات دریافت نہ کرلوں اگر تو نے سچ سچ بتلا دیا تو میں تجھ کو چھوڑ دوں گا۔ میں نے کہا کہیے اس نے کہا کہ لوگ تجھے بڑا سخی کہتے ہیں تو کیا تو نے کبھی اپنا کل مال بھی ہبہ کیا ہے؟ میں نے کہا نہیں، اس نے کہا آدھا، میں نے کہا نہیں! اس نے کہا تہائی میں نے کہا نہیں، ہاں تک کہ اس نے دسویں حصے کو دریافت کیا تو مجھے شرم آئی میں نے کہا شاید اتنا تو کیا ہوگا اس نے کہا یہ تو کوئی بڑی سخاوت نہیں ہے، بخدا میں ایک سادہ پا شخص ہوں اور ابو جعفر کے ہاں میرا وظیفہ بیس درہم ہے اور اس جوہر کی قیمت ایک ہزار فی ہے جو میں تجھے تیری ذات اور تیری مشہور جودوسخا کی وجہ سے ہبہ کر رہا ہوں تا کہ

تجھے یہ معلوم ہو جائے کہ دنیا میں تجھ سے بھی زیادہ سخی موجود ہیں اور تو خود بینی میں مبتلا نہ ہو بلکہ آئندہ رہ اچھے فعل کو حقیر جانے اور شرافت و بزرگی حاصل کرنے سے باز نہ رہے۔ اس کے بعد اس نے وہ ہار میری طرف پھینک دیا اور اونٹ کی نکیل چھوڑ کر واپس ہو گیا۔ میں نے کہا بخدا تو نے مجھے رسوا کر دیا۔ تو نے یہ جو کچھ کیا ہے اس کے مقابلہ میں میرے نزدیک اپنے خون کا بہایا جانا زیادہ آسان ہے۔ بس میں نے جو کچھ دیا ہے اس کو لے لے مجھے اس کی کوئی ضرورت نہیں (یہ سن کر) وہ ہنس پڑا اور کہنے لگا تو مجھے جھٹلانا چاہتا ہے بخدا میں ہرگز نہیں لے سکتا اور میں اپنے احسان کا بدلہ لیتا ہوں یہ کہہ کر چلا گیا۔ جب میں بے خوف ہو گیا تو میں نے اس کو بہت تلاش کیا اور اس کے لانے والے کو منہ مانگا مال دینے کا وعدہ کیا مگر اس کا پتہ نہ چلا گویا زمین نگل گئی۔

ع

عطیہ خداوندی:

حضرت سہل بن عبداللہ تشری رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق روایت ہے کہ جب ان کے ہاں بیٹا پیدا ہوا تو جب بھی وہ بچہ ماں سے کھانا طلب کرتا تو وہ کہتی کہ خدا سے طلب کرو چنانچہ وہ لڑکا محراب میں جا کر سجدہ کرتا اور کھانے کی دعا کرتا۔ اس کے ساتھ اس کی ماں چپکے سے اس کے پاس اس طرح کھانا رکھ دیتی تھی کہ اس کو خبر نہ ہوتی تھی۔ اس سے لڑکے کے دل میں یہ یقین پختہ ہو گیا جو کھانا اسے ملتا ہے خداوند تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے۔ ایک دن جب وہ لڑکا مدرسے سے واپس آیا تو ماں موجود نہ تھی۔ اس نے محراب میں جا کر سجدہ کیا اور کھانے کے لئے دعا مانگی تو کھانا مل گیا جب اس کی ماں واپس آئی تو بیٹے سے پوچھا کہ کھانا کہاں سے آیا اس نے کہا جہاں سے روزانہ آتا ہے۔

اسی طرح جب حضرت زکریا علیہ السلام حضرت بی بی مریم علیہا السلام کے پاس تشریف لے جاتے تو گرمی کے موسم میں سردی کے پھل اور سردی کے موسم میں گرمی کے پھل پڑے ہوئے دیکھتے تھے۔ جب اس کی وجہ دریافت فرماتے وہ یہ جواب دیتی تھی یہ اللہ تعالیٰ کا عطیہ ہیں۔

لیکن بزرگوں کی ان روایات کا مطلب یہ نہیں ہونا چاہیے کہ درویش خداوند تعالیٰ سے دنیا طلب کرے، یا حرام کی خواہش کرے یا عیش وعشرت طلب کرے کیونکہ درویش دل کی خرابی کی وجہ سے تباہ ہوتا ہے جیسا کہ ایک دنیا دار آدمی مال و دولت کی تباہی سے تباہ ہوتا ہے۔ لیکن جہاں ایک امیر آدمی اپنے نقصان کا ازالہ کر سکتا ہے درویش کا نقصان اس قسم کا ہے کہ اس کا ازالہ نہیں کیا جا سکتا اور اس زمانے میں درویشوں کے مزاج کے مطابق ایسی بیوی کا ملنا تقریباً ممکن ہو گیا ہے جو ضرورت سے زیادہ طلب نہ کرتی ہو یا فضول چیزوں سے پرہیز کرے یہی وجہ ہے

کہ بعض حضرات نے تجرد کو پسند کیا اور اپنی پشت پر زیادہ بوجھ نہ ڈالا جیسا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے۔

آخری زمانے میں بہترین شخص وہ ہوگا جس کا بوجھ کم ہوگا جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا گیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کم بوجھ سے کیا مراد ہے فرمایا کہ جس کے اہل وعیال نہ ہوں۔

نیز آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بھی فرمایا:

تیز چلو کیونکہ بے اہل وعیال تم سے سبقت لے گئے۔

م

موازنہ:

ایک روز مقاتل بن سلیمان نے علمی نخوت میں آ کر کہا از عرش تا فرش جو چاہو مجھ سے پوچھو ایک شخص نے کہا ہم آپ سے آسمانی باتیں نہیں پوچھتے ہم تو صرف وہ چیز معلوم کرتے ہیں جو آپ کے ساتھ زمین میں ہے۔ بتلائیے اصحاب کہف کا کتا کس رنگ کا تھا؟ پس اس کو دم بخود کر دیا یعنی وہ لا جواب ہو گیا اور ساری نخوت خاک میں مل گئی!

جب حافظ ابن قتیبہ کی تصانیف مشہور ہو گئیں اور ایک ماہر فنون عالم ہونے کی نظروں سے دیکھے جانے لگے تو ایک روز ایک منبر پر تشریف لائے جبکہ مجلس (عوام و خاص سے بھری ہوئی تھی حافظ موصوف اپنے ہمسروں پر ہم عصر علماء پر فائق ہونے کے ساتھ ساتھ شاہ وقت کی جانب سے صاحب فضل و جاہ بھی تھے آپ نے کہا جو چاہو پوچھ لو مجلس سے ایک بوڑھا اٹھ کر بولا: فرمائیے فتیل اور قطمیر کے کیا معنی ہیں؟ حافظ موصوف سے جواب نہ بن پڑا خاموش کر دیئے گئے شرمندہ ہو کر منبر سے اترے اور اپنا سا منہ لئے گھر کو چلے گئے اور جب ان دونوں لفظوں میں غور کیا تو اپنے آپ کو لوگوں سے کہیں زیادہ جان کار پایا (یہ رسوائی اور شرمندگی) خود بینی اور نخوست کی شامت تھی۔

ایک مرتبہ حافظ قتادہ نے کہا میں نے کبھی کوئی بات نہیں سنی جس کو محفوظ نہ کر لیا ہو اور کوئی بات محفوظ نہیں کی جس کو بھول گیا ہوں اس کے بعد خادم سے کہا میرے جوتے تو لا خادم نے کہا جوتے تو آپ کے پاؤں میں ہیں پس اللہ تعالیٰ نے (اس بڑے بول کی وجہ سے) ان کو بھی رسوا کر دیا۔ شہر میں شریش میں ایک پرہیز گار اور متدین شخص تھا جو ابو حامد کے زمانے میں حج کے لئے گیا اور آپ کے ساتھ رہا ایک روز ساتھیوں میں سے ایک شخص کی صبح کی نماز فوت ہو گئی تو اس نے اس کو ملامت کی

جب دوسرا روز ہوا تو خود اس نے نماز صبح کی صرف ایک رکعت پائی نماز کے بعد اس شخص نے (جس کو اس نے ملامت کی تھی) ملاقات کی اور کہا یہ جو کچھ ہوا ہے اس وقت ہے جبکہ تو نے صرف رہنمائی کے طور پر کہا تھا اور اگر (خود بینی نخوت ریا کاری وغیرہ میں سے) کسی اور طریقے سے کہتا تو تیری دوسری رکعت بھی فوت ہو جاتی۔

منہ بولے بھائی:

ایک مرتبہ عجمی شاعر جو غسانی کے نام سے مشہور ہے احمد بن مروان کے پاس آیا۔ احمد بن مروان کی عادت تھی کہ جب غسانی اس کے پاس آتا تو اعزاز و اکرام کے ساتھ اس کی میزبانی کرتا اور تین روز سے قبل کبھی نہ بلاتا۔ حسن اتفاق شاعر نے اپنی قدرت کلامی پر اعتماد کرتے ہوئے کوئی شعر پہلے سے تیار نہیں کیا تھا جس سے وہ اس کی تعریف کر سکے تین روز تک قیام کیا مگر شعر کی آمد نہیں ہوئی (جب مجبور ہو گیا) تو اس نے ابن اسد کے اشعار کا ایک قصیدہ سنا ڈالا اور اس میں نام کے علاوہ کوئی تغیر نہیں کیا۔ امیر کو غصہ آ گیا اس نے کہا یہ عجمی ہم ہی سے ٹھٹھا کرتا ہے۔ فورا! ایک چست و چالاک غلام کو ابن اسد کے پاس لکھ دیا کہ میں تو اس قصیدہ کو جانتا بھی نہیں صرف آپ ہی کے خط میں دیکھا ہے۔ جب ابن مروان جواب پر مطلع ہوا تو اس نے چغل خور کو سرزنش کی اور کہا تو مجھے بادشاہوں کے درمیان رسوا کرنا چاہتا ہے؟ اس کے بعد غسانی کو انعام دیا اور اعزاز و اکرام کیا غسانی اپنے شہر میں لوٹ آیا اس (قصہ) پر کچھ زیادہ مدت نہیں گزری تھی کہ میافارقین والے متفق ہو گئے اور ابن اسد کو دعوت دی کہ ہم آپ کو اپنا سردار بنانا چاہتے ہیں اور سلطان ملک شاہ کے لئے اور ابن مروان کے نام کو ساقط کرنے کے لئے خطبہ قائم کیا گیا۔ اور ابن اسد نے ان کی اس بات کو قبول کر لیا۔ ادھر ابن مروان فوج جمع کر کے میافارقین پر پہنچ گیا۔ مگر میافارقین کے معاملہ نے اس کو عاجز کر دیا۔ اس لئے اس نے نظام الملک اور ملک شاہ کے پاس قاصد بھیج کر مدد طلب کی انہوں نے غسانی شاعر کی معیت میں امداد کا

فوجی دستہ روانہ کردیا۔ غسانی شاعر پہلے ہی ملک شاہ کے پاس آیا ہوا تھا۔ انہوں نے میافارقین والوں پر زوردار حملہ کیا اور زبردستی قابض ہو گئے ابن اسد کو گرفتار کر کے ابن مروان کے پاس لایا گیا۔ ابن مروان نے قتل کا حکم کردیا۔ غسانی شاعر نے اٹھ کر بے لوث سفارش کی اور بڑی جانفشانی اور مشقت کے ساتھ کفالت کر کے اس کو نجات دلائی اس کے بعد ابن اسد اور غسانی کی تنہائی میں ملاقات ہوئی۔ غسانی نے کہا، مجھے پہچانتا ہے؟ ابن اسد نے کہا، نہیں صرف اتنا جانتا ہوں کہ تو کوئی آسمانی فرشتہ ہے اللہ نے تیرے ذریعہ میری جان بچا کر احسان عظیم فرمایا ہے غسانی نے کہا میں وہی شخص ہوں جس نے (کسی ضرورت سے) تیرے قصیدے کے متعلق نہیں سنا کہ اس کا انکار کیا گیا ہو پھر بھی اس نے صاحب قصیدہ کو نفع پہنچایا ہو۔ اللہ آپ کو جزائے خیر دے۔ اس کے بعد غسانی جہاں سے آیا وہیں واپس ہو گیا۔

ن

نیکی:

نیشاپور کے ایک تاجر نے اپنی کنیز شیخ ابو عثمان حیری کو بطور امانت سپرد کی۔ ایک روز شیخ کی اس پر نظر پڑ گئی تو (بتقاضائے بشریت) اس سے محبت ہو گئی اور اس پر فریفتہ ہو گئے۔ ابو عثمان نے اپنے شیخ ابو حفص حداد کے پاس اپنا حال لکھا تو ابو حفص نے ان کو رے کی طرف سفر کرنے اور شیخ یوسف کی صحبت اختیار کرنے کا حکم کیا۔ شیخ ابو عثمان رے پہنچے اور شیخ یوسف کا مکان دریافت کیا لوگوں نے ملامت کرتے ہوئے کہا آپ جیسا متقی آدمی ایک بد بخت فاسق و فاجر شخص کا مکان دریافت کرے تعجب کی بات ہے۔ یہ سن کر شیخ عثمان نیشاپور واپس آ گئے اور شیخ ابو حفص سے پورا قصہ بیان کیا۔ شیخ نے پھر رے جانے اور شیخ یوسف سے ملاقات کرنے کا حکم دیا۔ شیخ ابو عثمان نے دوبارہ رے کا سفر کیا اور شیخ یوسف کا مکان دریافت کیا اور لوگوں کی ملامت اور شیخ یوسف کی برائی کی کوئی پرواہ نہیں کی۔ آپ کو بتایا گیا کہ وہ شرابیوں کے محلے میں رہتا ہے۔ آپ ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سلام کیا شیخ نے سلام کا جواب دیا اور تعظیم کی۔ شیخ کے پاس ایک طرف نہایت خوبصورت لڑکا دوسری طرف شیشی تھی جو بعینہ شراب جیسی چیز سے بھری ہوئی تھی ابو عثمان نے شیخ یوسف سے کہا آپ کا مکان اس محلّہ میں کیوں ہے؟ شیخ یوسف نے کہا ایک ظالم نے ہمارے سب محلے والوں کے مکانوں کو خرید کر شراب خانہ بنا دیا اور میرے مکان کے خریدنے کی اس کو ضرورت نہیں ہوئی شیخ ابو عثمان نے کہا یہ لڑکا کون ہے؟ اور شراب کا کیا مطلب؟ آپ نے کہا لڑکا تو میرا حقیقی بیٹا ہے رہی شیشی سو (اس میں) سرکہ ہے شیخ ابو عثمان نے کہا آپ نے خود کو مظنہ تہمت کیوں بنا رکھا ہے۔ آپ نے کہا تاکہ لوگ میرے متعلق یہ خیال نہ کریں کہ میں قابل اعتماد اور امین ہوں یہاں تک کہ وہ اپنی کنیز مجھے سپرد کر دیں اور میں ان کی محبت میں مبتلا ہو جاؤں۔

مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ

۱

ایاز کا حجرہ:

سلطان محمود غزنوی کے محبوب وزیر ایاز نے اپنی پرانی پوستین اور جوتے ایک حجرے میں لٹکا رکھے تھے۔ وہ روزانہ اس حجرے میں اکیلا جاتا اور اپنے آپ کو مخاطب کر کے کہتا کہ ایاز قدر خود بشناس تو وہی ہے جس کے بدن پر کبھی یہ پوستین ہوتی تھی اور پاؤں میں یہ جوتے اپنے موجودہ مرتبے پر نازاں ہو کر اپنی اصل کو نہ بھول جانا۔

حاسدوں نے بادشاہ سے جا کر کہا کہ ایاز نے ایک خاص حجرہ بنا ہے۔ اس میں اس نے چاندی سونا چھپا کر رکھا ہے۔ وہ اس کا دروازہ ہمیشہ مقفل رکھتا ہے اور کسی دوسرے کو اس کے اندر جانے کی اجازت نہیں دیتا۔

بادشاہ نے کہا مجھے اس غلام پر حیرت ہے۔ بھلا ہم سے کیا بات پوشیدہ رہ سکتی ہے؟ پھر اس نے ایک امیر کو حکم دیا کہ آج آدھی رات کو تم اس حجرے میں زبردست داخل ہو جاؤ اور جو چیز وہاں پاؤ اس کو لوٹ لو۔ پھر حقیقت حال کو سر دربار بیان کرو۔ مجھے یہ بات ہرگز پسند نہیں کہ میں ایاز پر اس قدر لطف و کرم کروں اور وہ مجھ سے سونا چاندی چھپا کر رکھے۔ ایسے گندم نما جو فروش کا پردہ ضرور چاک کرنا چاہئے۔

بادشاہ نے یہ حکم دے تو دیا لیکن دل میں وہ ایاز کی پاک بازی پر پورا یقین رکھتا تھا اور اس کو حیلہ بازیوں اور مکر و فریب سے پاک سمجھتا تھا۔ آدمی رات کے وقت وہ امیر دوسرے تیس امیروں کو ہمراہ لے کر ایاز کے حجرے کے دروازے پر پہنچا اور اس کا قفل توڑ کر اندر گھس گیا۔ سب کے دل میں ایاز کی چھپائی ہوئی دولت لوٹنے کا خیال چٹکیاں لے رہا تھا، لیکن ان کی حیرت اور مایوسی کی انتہا نہ رہی جب انہوں نے دیکھا کہ حجرے میں ایک پرانی پوستین اور ٹوٹے ہوئے جوتوں کے سوا کچھ نہ تھا۔ اب انہوں نے سوچا کہ ہو نہ ہو سارا سونا چاندی ایاز نے زمین میں گاڑ رکھا ہو۔

چنانچہ وہ لوہے کی نوکدار سلاخیں لائے اور حجرے کا کونہ کونہ کھود مارا لیکن ان کے ہاتھ کچھ نہ آیا۔ پھر انہوں نے حجرے کی ایک ایک دیوار کھرچ ڈالی لیکن وہاں سے بھی کچھ نہ ملا۔ اب تو وہ سخت شرمندہ ہوئے اور مایوسی میں اپنے ہاتھ اور ہونٹ کاٹنے لگے۔ ان کو اب اس بات کی فکر تھی کہ بادشاہ کو جا کر کیا بتائیں گے۔ جب کوئی بہانہ نہ سوجھا تو سروں پر دوہتڑ پارتے ہوئے اور منہ لٹکاتے ہوئے بادشاہ کی خدمت میں واپس آئے۔ بادشاہ نے پوچھا تم نے یہ کیا حال بنا رکھا ہے اور وہ مال و دولت کہاں ہے جو تم ایاز کے حجرے سے لوٹ کر لائے ہو۔

ان بدبختوں کے پاس بھلا کیا جواب تھا۔ سب کے سب روتے ہوئے بادشاہ کے قدموں میں گر پڑے اور عرض کی کہ اے شاہ جہاں اگر ہمارے سر کاٹ لیں تو روا ہے۔ اگر بخش دیں تو آپ کا کمال احسان ہے۔ ہم فی الواقع خطا کار ہیں اور اب صرف آپ کی خطا پوشی پر تکیہ ہے۔ بادشاہ نے فرمایا تمہارا معاملہ ایاز کے سپرد ہے۔ کیونکہ تم نے اس پر ناحق تہمت لگائی اور اس کی عزت و آبرو برباد کرنے کی کوشش کی۔ پھر بادشاہ نے ایازت سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ اے نیک بخت تو اس امتحان میں سرخرو نکلا۔ اب تو ہی ان حاسدوں کے مقدمے کا فیصلہ کر۔

ایاز نے عرض کی کہ اے بادشاہ حکمرانی تجھی کو زیبا ہے۔ آفتاب کے سامنے ستاروں کی کیا حقیقت ہے۔ زہرہ، عطارد یا شہاب ثاقب کی کیا مجال کہ آفتاب کے سامنے آئیں۔

بادشاہ نے فرمایا کہ اے ایاز یہ بتا کہ تجھ کو ان پرانے جوتوں اور پوستین سے اس قدر محبت کیوں ہے کہ تو نے ان کو حجرے میں لٹکا کر اس کا دروازہ پیچ در پیچ قفل سے بند کر دیا۔ آخر یہ پوستین کس یوسف کی قمیض ہے اور یہ جوتے کس آصف (حضرت سلیمان علیہ السلام کے وزیر کا نام) کی یادگار ہیں۔ ان کا بھید سب کے سامنے کھول دے تا کہ تمہارے ان حاسدوں پر بھی اصل حقیقت منکشف ہو جائے۔

ایاز نے عرض کی کہ اے شاہ ذی جاہ! میرا وجود مرتبہ آپ ہی کے لطف و کرم کا مرہون منت ہے ورنہ میں تو حقیقت میں ایک مسکین اور بے نوا آدمی ہوں اور یہی پوستین اور جوتے پہننے کے لائق ہوں۔ یہ میری غریبی کے دنوں کی یادگار ہیں۔ ان کی حفاظت کرنے سے میری غرض یہ ہے کہ اپنے بلند منصب اور شان پر مغرور ہو کر کہیں اپنی حقیقت کو نہ بھول جاؤں۔ فی الحقیقت میں ان کی حفاظت نہیں کرتا بلکہ اپنی اصلی ذات کی حفاظت کرتا ہوں۔

ایاز کی فراست:

ایک دن سلطان محمود غزنویؒ دربار میں آیا۔ تمام امراء و وزراء شاہ کے حضور میں کھڑے ہو گئے۔ سلطان نے اپنی جیب سے ایک چمکتا ہوا ہیرا نکالا اور اس کو وزیر اعظم کی ہتھیلی پر رکھ کر پوچھا کہ بھلا اس ہیرے کی قیمت کیا ہو گی۔ وزیر اعظم نے عرض کی قیمت تو سونے سے بھرے ہوئے سو تھیلوں کے برابر ہو گی۔

سلطان نے فرمایا کہ اس کو توڑ ڈال

وزیر اعظم نے دست بستہ عرض کی حضور میں اس کو کیسے توڑ سکتا ہوں۔ میں تو آپ کے خزانے اور مال کا خیر خواہ ہوں۔ ایسے بیش بہا ہیرے کو توڑ کر خزانہ شاہی کو کیسے نقصان پہنچاؤں۔

سلطان نے اس کو شاباش دی اور خلعت سے سرفراز فرما کر وہ ہیرا اس سے واپس لے لیا۔ سلطان تھوڑی دیر درباریوں سے ادھر کی باتوں میں مصروف رہا۔ پھر اس نے وہ ہیرا ایک پیشکار کی ہتھیلی پر رکھا اور پوچھا کہ اگر کوئی اس کے خریدنے کا خواہشمند ہو تو اس کی کیا قیمت لگائے گا۔ پیش کار نے عرض کی کہ یہ ہیرا خریدنے کے لئے آدھی سلطنت بھی دے ڈالی جائے تو کم ہے

سلطان نے فرمایا اچھا اس کو توڑ ڈال

پیش کار نے کانوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا کہ حضور ایسے در بے بہا کو توڑنا

میرے بس کی بات نہیں۔ قیمت سے قطع نظر حضور ذرا اس کی چمک دمک تو ملاحظہ فرمائیں کہ دن کی روشنی بھی ماند ہو رہی ہے۔ میں اس کو توڑ کر شاہی خزانے کی بد خواہی کیوں کروں۔

سلطان نے اس کو بھی خلعت اور انعام مرحمت فرمایا اور اس کی عقلمندی کی تعریف کی۔ پھر سلطان نے یہ ہیرا کئی دوسرے امیروں کو دکھایا۔ پہلے ان کو اس کی قیمت لگانے کا حکم دیا اور پھر اس کا توڑنے کا حکم دیا۔ ہر ایک نے وزیر اعظم اور شاہی پیشکار کے الفاظ دہرائے اور اس کے توڑنے سے معذرت چاہی۔

سلطان نے ہر ایک کے جواب پر خوشنودی کا اظہار فرمایا اور سب کو خلعت اور انعام و اکرام سے نوازا آخر میں اس نے یہ ہیرا ایاز کو دیا اور اس سے پوچھا کہ اس کی قیمت لگاؤ۔ ایاز نے عرض کہ کہ اس کی قیمت میرے اندازے سے بڑھ کر ہے۔

سلطان نے عرض کیا کہ اچھا اس کو توڑ دے

ایاز نے فوراً اپنی آستین سے ایک پتھر نکالا اور اس ہیرے کو چورا چورا کر دیا۔ دوسرے سب امیر چلا اٹھے کہ ہائیں ہائیں تو نے یہ کیا غضب کیا کہ ایسے قیمتی موتی کو توڑ ڈالا۔

ایاز نے کہا اے سرداران نامور! سلطانی حکم کی قیمت زیادہ ہے یا اس موتی کی۔ خدا کے لئے سچ کہنا کہ تمہارے نزدیک سلطان کے حکم کی وقعت زیادہ تھی یا اس ہیرے کی لوگو! تمہاری نظر موتی پر تھی بادشاہ کے حکم پر نہ تھی۔ تم نے شیطان کو اپنا مرشد بنا لیا ہے اور سیدھا راستہ ترک کر دیا ہے۔ میں تو سلطان سے نظر ہٹاتا ہی نہیں اور میں مشرکوں کی طرح پتھر کی پوجا نہیں کرتا۔ بھلا اس سے بڑھ کر کیا بدبختی ہو سکتی ہے کہ ایک پتھر کو شاہی حکم پر ترجیح دی جائے۔ ایاز کی باتیں سن کر ان امیروں پر گھڑوں میں پانی پڑ گیا اور وہ سر جھکا کر اپنی بھول کا عذر کرنے لگے۔ سلطان نے اب اپنے تیور بدلے اور جلاد کو حکم دیا کہ ان کمینوں کے سر اڑا دے۔ یہ ہرگز میرے

دربار کے قابل نہیں ہیں۔ کیونکہ انہوں نے ایک پتھر کے مقابلے میں میرے حکم کو توڑا۔ اس وقت نیک دل ایاز اپنی جگہ سے آگے بڑھا اور سلطان کے تخت کو بوسہ دے کر عرض کی کہ اے شاہ ذی جاہ! ان لوگوں سے غفلت میں بھول ہوگئی۔ تیرے لطف وکرم اور عفو کی فروانی کو دیکھ کر ان لوگوں کو گستاخی کی جرات ہوئی۔ ان کو اب اپنی خطا کا احساس ہوگیا ہے اور وہ اپنے کیے پر سخت پشیمان ہیں۔ اے شاہ ذی وقار! ان کی جان بخش دے۔ تیری ناراضی ان کے لئے سو موتوں سے بدتر ہے۔ سلطان نے ایاز کی درخواست قبول فرمالی اور ان سب کو معاف کر دیا۔

استاد اور شاگرد:

ایک مکتب کا استاد شاگردوں پر بہت سختی کرتا تھا۔ تمام لڑکے اس کی سختی سے تنگ آ گئے اور انہوں نے باہم مشورہ کیا کہ کوئی ایسی تدبیر کی جائے کہ استاد کے ظلم سے چند دن کے لئے نجات مل جائے۔ یہ کبھی بیمار بھی تو نہیں ہوتا کہ ہم سے کچھ دور رہی رہے اور ہم سکھ کا سانس لیں۔ وہ تو ایک چٹان کی طرح اپنی جگہ پر قائم ہے اور زمانے کے سرد وگرم کا اس پر کچھ اثر ہی نہیں ہوتا۔

ایک ہوشیار لڑکے نے کہا کہ جب استاد آئے گا تو میں اس سے کہوں گا کہ آپ کا رنگ کیوں اڑا ہوا ہے؟ خدانخواستہ طبیعت خراب تو نہیں۔ استاد کو میرے کہنے کا کچھ خیال ہوگا۔ اس کے بعد تم لوگ بھی باری باری مضطرب سے ہو کر اس کا حال پوچھنا۔ جب تمیں لڑکے یکے بعد دیگرے اس کے بارے میں تشویش کا ظاہر کریں گے تو اس کو یقین ہو جائے گا کہ وہ فی الواقع بیمار ہے۔

سب لڑکوں نے اس کی تجویز پر آفرین کہی اور ہر ایک نے اس پر عمل کرنے اور اس کو ظاہر نہ کرنے پر قسم کھائی

دوسرے دن مکتب کھلا تو تجویز کے مطابق وہ لڑکا استاد کے پاس گیا۔ جھک کر سلام کیا اور چہرے پر گھبراہٹ کے آثار پیدا کر کے کہا۔ حضرت خیر تو ہے آپ کا چہرہ

کیوں زرد ہے۔ نصیب دشمناں مزاج ناساز تو نہیں ہے۔

استاد نے کہا میں تو اچھا بھلا ہوں تو یوں ہی بک بک کر رہا ہے جا اپنی جگہ پر بیٹھ اور اپنا کام کر۔

لڑکا چپکے سے اپنی جگہ پر جا کر بیٹھ گیا تاہم استاد کے دل میں وہم کا کچھ غبار آ ہی گیا۔ پھر دوسرے لڑکے نے اس سے اسی طرح آ کر کہا تو اس کا وہم اور بڑھ گیا۔ جب یکے بعد دیگرے کچھ اور لوگوں نے بھی یہی بات دہرائی تو اس کو یقین ہو گیا کہ وہ فی الحقیقت بیمار ہے۔ اسی وقت کمبل اوڑھ کر لڑکھڑاتے قدموں کے ساتھ گھر پہنچا اور بیوی پر خفا ہونے لگا تو اپنے بناؤ سنگھار میں مشغول رہتی ہے اور میرا ذرا خیال نہیں رکھتی تو دیکھتی نہیں کہ میرا چہرہ زرد ہے اور لرزہ بخار چڑھا ہوا ہے۔ آخر تو نے مجھے مکتب جانے سے کیوں نہ روکا۔ بیوی نے کہا آپ تو بھلے چنگے ہیں۔ آئینہ لے کر اپنی صورت دیکھ لیجئے آپ یونہی بیماری کے وہم میں مبتلا ہو گئے ہیں لیکن استاد نے اس کو جھڑک کر کہا کہ جا اور باتیں نہ بنا۔ جلدی سے میرا بستر بچھا دے۔ استاد صاحب بستر پر لیٹے تو ان کے شاگرد بھی آ پہنچے اور ان کی چارپائی کے گرد بیٹھ کر زور زور سے سبق پڑھنے لگے۔ اتنے میں ایک نے کہا ارے بھائی کہیں ہماری آواز سے حضرت کو تکلیف نہ ہوتی ہو۔ استاد نے کہا تم سچ کہتے ہو میرے سر میں درد بڑھ گیا ہے۔ جاؤ چھٹی کرو۔ لڑکے دل ہی دل میں ہنستے ہوئے گھروں کو سدھارے۔ ان کی ماؤں نے پوچھا کہ یہ تم مکتب سے بے وقت کیوں آ گئے۔ انہوں نے کہا کہ ہمارے استاد صاحب بیمار ہو گئے ہیں۔ دوسرے دن بہت سے شاگردوں کی مائیں استاد کی بیمار پرسی کے لئے اس کے گھر گئیں۔ دیکھا تو استاد صاحب کسی پرانے مریض کی طرح ہائے وائے کر رہے ہیں۔ انہوں نے کہا حضرت آپ تو کل بھلے چنگے تھے یہ یکا یک آپ کو کیا ہو گیا۔ استاد نے کہا کہ مجھ کو اپنے کام کی دھن میں اس سخت بیماری کی خبر نہ تھی جو اندر ہی اندر اپنا کام کر رہی تھی۔ کل ان بچوں نے مجھ کو اس

سے آگاہ کیا تو پتہ چلا۔ یہ سن کر سب عورتیں لاحول پڑھتی ہوئی اپنے گھروں کو سدھاریں کہ ایسی بیماری کا علاج کسی کے پاس نہیں۔

ایک غریب سقے کا گدھا:

ایک غریب سقے کے پاس ایک گدھا تھا۔ بوجھ ڈھونڈتے ڈھوڈتے اس بیماری کی کمر دہری ہوگئی تھی۔ اس کی پیٹھ دس جگہ سے زخمی تھی۔ جوتو اس کے نصیب میں کہاں تھے۔ سوکھی گھاس بھی مشکل سے میسر ہوتی اور پھر ہروقت لوہے کی تیخ سے کچو کے کھاکر اس کے جوڑ بھی زخمی ہو گئے تھے۔ ایک سلوتری اس سقے کا دوست تھا اس کو گدھے کی حالت دیکھ کر بڑا رحم آیا اور اس سقے سے کہا کہ میاں تمہارا گدھا اس قدر کمزور اور خستہ حال کیوں ہے۔ سقے نے کہا کہ بھائی میں سخت مفلس اور محتاج ہوں اس لئے بے زبان کے لئے دانہ مہیا نہیں کرسکتا۔

سلوتری نے کہا کہ اس کو چند دن کے لئے میرے سپرد کر دو۔ میں اس کو شاہی اصطبل میں رکھوں گا اور وہاں خوب موٹا تازہ ہو جائے گا۔

سقے نے اپنا گدھا سلوتری کے حوالے کر دیا اور اس نے اسے شاہی اصطبل میں لے جا کر باندھ دیا۔ گدھے نے دیکھا کہ وہاں نہایت موٹے تازے خوبصورت عربی گھوڑے بندھے ہیں اور ان پر زرق برق ساز و سامان پڑا ہے۔ ان کے صاف ستھرے تھانوں پر پانی چھڑکا ہوا تھا اور ان کو اپنے وقت پر عمدہ گھاس اور دانہ ملتا ہے۔ ان گھوڑوں کو باقاعدہ مالش اور کھریرہ کیا جاتا تھا۔ گدھے نے ان گھوڑوں کے جو یہ رنگ ڈھنگ دیکھے تو سر اٹھا کر خدا سے فریاد کی الٰہی اگرچہ میں گدھا ہوں لیکن کیا تیری مخلوق نہیں ہوں۔ آخر کس جرم کی پاداش میں تو نے مجھے اس عذاب میں مبتلا کر رکھا ہے۔ میرا جسم زخموں سے چور ہے اور ساری ساری رات میں درد اور بھوک کی وجہ سے تڑپتا رہتا ہوں۔ دوسری طرف یہ گھوڑے دن رات عیش کرتے ہیں۔ گدھا اس طرح آہ زاری کر رہا تھا کہ یکایک طبل جنگ بجا اور سپاہی ان

گھوڑوں پر بیٹھ کر میدان جنگ میں پہنچ گئے۔دشمن کے تیروں نے ان گھوڑوں کے جسم چھلنی کر دیئے اور جب وہ خون میں نہائے ہوئے میدنا جنگ سے واپس آئے تو کھڑے نہ ہو سکتے تھے اور گر پڑتے تھے۔نعلبند ان کے گرد قطار در قطار کھڑے ہو گئے۔اوران کے پاؤں کو مضبوط رسیوں سے جکڑ دیا۔پھر وہ ان کے جسموں کو چیر چیر کر تیروں کے پھل نکالنے لگے اور زخم صاف کرنے لگے۔گدھے نے جب ان کا یہ حال دیکھا تو کانپ اٹھا اور بارگاہ الٰہی میں عرض کی کہ خدایا مجھ کو اپنی غریبی ہی منظور ہے۔میں ایسے سازو سامان اور کھانے دانے سے باز آیا جس سے ایسے موذی زخم کھانے پڑیں۔

ب

بڑ ہانکنے والا:

ایک شخص اپنے وطن سے عراق کی جانب گیا کچھ مدت بعد وہاں سے اس حال میں واپس آ گیا کہ لباس بوسیدہ، چہرے پر فاقوں کے نشان، برا حال یاروں نے پوچھا سناؤ، سفر میں کیا گزری؟ کہنے لگا، سفر بہت مبارک رہا بے شک دوستوں یاروں سے تو کچھ عرصہ دوری رہی لیکن خلیفہ وقت کی عنایتوں اور کرم فرمائیوں نے دل باغ باغ کر دیا۔ اللہ اسے سلامت رکھے اس نے مجھے دس بہترین خلعت عطا فرمائے۔ غرض اس شخص نے خلیفہ بغداد کی اس قدر مدح وتوصیف کی کہ بیان سے باہر، دوستوں نے کیا کہ یار، کیوں جھوٹ بولتا ہے جس بوسیدہ اور ذلیل حالت میں تو واپس آیا ہے وہی تیرے اس بیان کی قلعی کھول دینے کے لئے بہت ہے ذرا آئینہ میں اپنا حلیہ تو دیکھ خلیفہ کی مدح سرائی جو تو کر رہا ہے وہ یا چرائی ہوئی ہے یا کسی نے تجھے سکھائی ہے بے شک تیری زبان مکڑی کی طرح خلیفہ کی تعریف کا جال بن رہی ہے لیکن تیری ظاہری حالت اور ہاتھ پاؤں اور بوسیدہ کپڑے اس کی شکایت کر رہے ہیں تو کہتا ہے خلیفہ نے تجھے دس خلعت عطا کیے تھے کیا ان خلعتوں میں نئی جوتیاں اور نئے کپڑے شامل نہ تھے؟ اس شخص نے جواب دیا کہ یارو، خلیفہ نے تو اپنی داروپیشی میں کمی نہ آنے دی، لیکن میں نے وہ سارا مال غریبوں اور محتاجوں میں تقسیم کر دیا دنیا کی الفت میرے قلب میں نہیں اس لئے سب مال ومتاع راہ خدا میں لٹا دیا اور اس کے عوض درازی عمر حاصل کی۔

دوستوں نے کہا واہ! کیا بات ہے چلو خیر، مال محتاجوں میں بانٹ دیا اور اچھا کیا لیکن تیرے سینے سے دھواں جو اُبل رہا ہے یہ کیا ہے؟ اور تیرے چہرے پر روحانی اذیت کے ایسے آثار ہیں جیسے دل میں کانٹا چبھ جانے سے پیدا ہوتے ہیں اس کا سبب کیا ہے؟ تیرے ستے ہوئے چہرے پر صفائی اور پاک بازی کا نام ونشان نظر

نہیں آتا جو شخص قربانی اور ایثار کی راہ پر چلتا ہے اس کی سینکڑوں پوشیدہ اور کھلی علامتیں ہوتی ہیں۔ خدا کی راہ میں مال صرف ہو تو باطن میں سو سو طرح کی زندگیاں اس حال کی جانشین بن جاتی ہیں تو کہتا ہے کہ میں نے گل ضد کھایا ہے لیکن تیرے منہ سے لہسن کی بو کے بھبکے آ رہے ہیں خواہ مخواہ روغن کی نہ لے اور زیادہ بڑ مت ہانک، دل کی مثال ایک بڑی حویلی کی ہے اس حویلی کے ایسے ہمسائے بھی ہیں جو ظاہری آنکھوں سے دکھائی نہیں دیتے وہ ہمسائے درزوں سوراخوں اور دیواروں میں سے اس حویلی کے اندر کا سب حال دیکھتے رہتے ہیں ایسی درزوں اور سوراخوں سے جن کا تجھے وہم وگمان بھی نہیں ہو سکتا۔

بد آواز موذن:

ایک گاؤں کا موذن بہت بد آواز تھا۔ اس کی مکروہ آواز سے لوگوں کا سر چکرانے لگتا تھا اور بچے بچھونوں سے اچھل پڑتے تھے۔ آخر لوگوں نے تنگ آ کر چندہ جمع کیا اور موذن کے سامنے رکھ کر کہا کہ آپ یہ حقیر رقم قبول فرمائیے اور یہاں سے تشریف لے جائیے۔ ہم آپ کے لحن داؤدی سے بہت مستفیض ہوئے ہیں۔ اب دوسرے لوگوں کو اس کے فیض سے بہرہ ور کیجئے۔ موذن نے خوشی خوشی چندے کی پوٹلی بغل میں دبائی اور ایک قافلے میں شامل ہو گیا جو حج کو جا رہا تھا۔ راستے میں یہ قافلہ شب باشی کے لئے کافروں کی ایک بستی میں فروکش ہوا۔ موذن جو اپنی آواز کا عاشق تھا بڑے ذوق وشوق سے اذان دی۔ تھوڑی دیر کے بعد اہل قافلہ کیا دیکھتے ہیں کہ اسی بستی کا ایک کافر ہاتھ میں شمع لئے حلوے کا ایک طبق اور بیش قیمت کپڑوں کا ایک جوڑا سر پر اٹھائے آ رہا ہے۔ اس نے آتے ہی پوچھا کہ اے قافلے والو وہ موذن کہاں ہے جس کی آواز سے ہمیں حیات نو ملی ہے۔

لوگوں نے پوچھا کہ اس کی مکروہ آواز تمہیں کیسے پسند آئی ہے۔ اس نے کہا کہ میری ایک لڑکی ہے۔ چندے آفتاب چندے ماہتاب، اس کے سر میں تمہارے دین

اسلام کا سودا سا گیا تھا۔ہم لوگوں نے اس کو بہتیرا سمجھایا لیکن اس پر کسی بات کا اثر نہ ہوتا تھا۔آج جب اس مؤذن نے اذان دی تو اس نے پوچھا کہ یہ مکروہ آواز کیسی ہے۔میں نے اس سے پہلے ایسی بھیانک اور وحشت ناک آواز کبھی نہیں سنی۔اس کی بہن نے اسے بتایا کہ یہ اذان کی آواز ہے۔مسلمان نماز کی اطلاع اسی طریقے سے دیتے ہیں۔یہ سن کر اس کا رنگ زرد ہو گیا اور وہ اسلام سے متنفر ہو گئی۔اسی خوشی میں یہ تحفہ میں تمہارے مؤذن کے لئے لایا ہوں۔لوگوں نے اس کو مؤذن کا پتہ دیا تو وہ اس سے بغلگیر ہو کر دعائیں دینے لگا اور کہنے لگا کہ یہ ناچیز تحفہ قبول فرمایئے۔آپ میرے محسن میں اور آپ کے احسان کے بوجھ سے تمام عمر سبکدوش نہیں ہو سکتا۔اگر میں جاہ وحشت کا مالک ہوتا تو آپ کا منہ زرو جواہر سے بھر دیتا۔

بوڑھا مریض اور طبیب:

ایک بوڑھے آدمی نے طبیب سے کہا کہ مجھے دماغی تکلیف رہتی ہے۔طبیب نے کہا کہ آپ کے دماغ کی کمزوری بڑھاپے کے سبب سے ہے۔

اس نے کہا میری نظر دھندلا گئی ہے۔

طبیب نے کہا کہ میرے بزرگ اس کا سبب بھی ضعیف العمری ہے۔

بوڑھے نے کہا کہ میری کمر میں سخت درد رہتا ہے۔

طبیب نے کہا کہ یہ بھی آپ کی کبرسنی کے باعث ہے۔

بوڑھے نے کہا کہ غذا ہضم نہیں ہوتی

طبیب نے کہا کہ ضعف معدہ بھی بڑھاپے کی نشانی ہے

بوڑھے نے کہا کہ مجھے سانس لینے میں تکلیف ہوتی ہے۔

طبیب نے کہا ہاں جب بڑھاپا آتا ہے تو سو بیماریاں اپنے ساتھ لاتا ہے

سانس کا رکنا بھی بڑھاپے کے سبب سے ہے

بوڑھے نے کہا کہ میری قوت کم ہوگئی ہے

طبیب نے کہا یہ بے چارگی بھی بڑھاپے کی وجہ سے ہے

بوڑھے نے کہا کہ میرے لئے چلنا پھرنا سخت دشوار ہو گیا ہے۔ پاؤں گھسیٹ گھسیٹ کر چلتا ہوں۔

طبیب نے کہا اس بڑھاپے نے آپ کو گھر میں بٹھا دیا ہے

بوڑھے نے کہا میری کمر کمان کی طرح دہری ہو گئی ہے

طبیب نے جواب دیا یہ بھی عمر کی زیادتی کا نتیجہ ہے

آخر کار بوڑھے نے جھنجھلا کر کہا کہ اے احمق تو ایک ہی بات کو بار بار دہرا رہا ہے۔ کیا فن طب سے تو نے یہی سیکھا ہے؟ کیا تیری عقل میں یہ بات نہیں آتی کہ اللہ تعالیٰ نے ہر دکھ کا علاج بنایا ہے۔ تو احمق گدھا اپنی کم علمی کے باعث زمین پر ہی لوٹ پوٹ ہو رہا ہے۔

طبیب نے کہا اے محترم بزرگ تیرا یہ غصہ بھی بڑھاپے کے سبب سے ہے جب تیرے تمام قوائے بدنی کمزور ہو گئے تو صبر و تحمل کی طاقت بھی جاتی رہی۔ جو ایک ہی گھونٹ پی کر تے کر دے وہ دو گھونٹ کیسے بچا سکتا ہے۔ ہاں وہ بوڑھا جو حق کا متوالا ہے اس کے جسم میں پاک روح ہے۔ ایسا شخص بظاہر بوڑھا ہوتا ہے لیکن باطن میں جوان ہوتا ہے۔ ولی اور نبی ایسے ہی مردان بزرگ ہوتے ہیں۔

پ

پشیمانی کے آنسو:

روایت ہے کہ ایک دفعہ امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے محل کے ایک گوشہ میں استراحت فرما رہے تھے۔ چونکہ لوگوں کی ملاقاتوں سے تھک گئے تھے۔ اس لئے محل کا دروازہ اندر سے بند کر رکھا تھا۔ اچانک ایک شخص نے ان کو جھنجھوڑ کر جگا دیا۔ امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ادھر ادھر دیکھا تو ان کو کوئی شخص نظر نہ آیا۔ حیران تھے کہ محل کے دروازے تو بند ہیں آخر انہوں نے دروازے کے پیچھے ایک شخص کو کھڑا دیکھا جو پردے میں اپنا منہ چھپا رہا تھا۔ امیر معاویہؓ نے پوچھا ارے تو کون ہے۔ تیرا نام کیا ہے؟ اس نے کہا میرا نام ایک زمانہ جانتا ہے میں بد بخت ابلیس ہوں امیر معاویہؓ نے پوچھا سچ تو نے مجھے اس اہتمام سے کیوں جگایا۔ دیکھ غلط بیانی سے مت کام لینا۔

اس نے کہا کہ اے امیر نماز کا وقت تنگ ہوتا جا رہا ہے۔ میں نے آپ کو اس لئے جگایا ہے کہ آپ لپک کر مسجد میں جائیں اور نماز میں شامل ہو جائیں۔ آپ کو علم ہے کہ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عبادات کے ادا کرنے میں جلدی کرو قبل اس کے وقت نکل جائے۔

امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا نہیں نہیں! تیری یہ غرض ہرگز نہیں تھی کہ تو مجھ کو نیکی کی طرف راغب کرے۔ یہ تو وہ بات ہوئی کہ چور میرے گھر میں گھس آئے اور کہے کہ میں پہرہ دینے آیا ہوں۔ بھلا میں چور کی بات پر کیسے یقین کر سکتا ہوں۔ ارے تو چوروں کا چور ہے تو میرا خیر خواہ کب ہو سکتا ہے۔

ابلیس نے کہا کہ ہم کبھی فرشتوں میں شامل رہے ہیں اور اطاعت کے راستے کو دل و جان سے طے کر چکے ہیں۔ ہم اہل عرفان کے رازدار اور ساکنان عرش کے ساتھی تھے۔ بھلا پرانی یادیں ہمارے دل سے ہمیشہ کے لئے کیسے محو ہو سکتی ہیں۔ سفر

کرتے ہوئے کوئی خواہ کہیں چلا جائے وطن کی محبت اس کے دل سے کب جا سکتی ہے۔ ہم بھی کبھی خدا کے دریائے رحمت سے پانی پی چکے ہیں اور اس کی رضا کے باغ کی سیر کر چکے ہیں۔ کبھی ہم بھی اس کی درگاہ کے عاشق تھے اور وہ ہم کو اپنی رحمت اور لطف و کرم کا سزاوار جانتا تھا۔ اگر اس کے دریائے کرم نے مجھ پر عتاب کیا ہے تو اس کے کرم کے دروازے بالکل بند تو نہیں ہو گئے۔ میں تو اس عتاب اور بلا میں بھی اس کی یاد کے مزے لیتا ہوں۔

امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا یہ باتیں تو سچ ہیں لیکن تیرے حصے میں نہیں تو مجھ جیسے لاکھوں کو گمراہ کر چکا ہے اور نقب لگا کر خزانہ (قلب مومن) میں گھس جاتا ہے تو آگ اور تیری خاصیت جلانا ہے۔ تو مجھ کو اپنی چرب زبانی اور حیلہ سازی سے دھوکا نہ دے سکے گا۔ اے ملعون سچ بتا۔ مجھے جگانے سے تیری اصل غرض کیا تھی۔

ابلیس نے کہا آپ مجھ سے فطرتاً بدگمان ہیں۔ اسی لئے میری باتوں کا یقین نہیں کرتے۔ فی الحقیقت میری اصلی خصلت یہی ہے کہ میں نیک لوگوں کو نیکی کی طرف اور برے لوگوں کو برے کاموں کی طرف راغب کرتا ہوں۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اب غضبناک ہو کر کہا اے رہزن زیادہ حجت بازی نہ کر تو خواہ کوئی لبادہ اوڑھ لے مجھ کو فریب نہیں دے سکتا۔ اب کوئی اور بہانہ نہ تراش اور اپنی غرض بیان کر دے۔

ابلیس نے کہا بدگمان آدمی تو سچی بات کو سو دلیلوں کے باوجود تسلیم نہیں کرتا جو آدمی توہمات میں پھنسا ہو دلیل پیش کرنے سے اس کے توہمات بڑھ جاتے ہیں۔ میرا قصور صرف یہ ہے کہ ایک بدی کر بیٹھا اور دنیا میں بدنام ہو گیا۔ اب حالت یہ ہے کہ ہر شخص فعل کو بد تو خود کرتا ہے اور لعنت مجھ پر بھیجتا ہے۔ آخر سچ اور جھوٹ پرکھنے کے لئے آپ کے پاس کون سی کسوٹی ہے جو آپ بار بار مجھے جھوٹا قرار دے

رہے ہیں۔

امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ جھوٹ دلوں میں شک پیدا کرتا ہے اور سچ اطمینان بخشتا ہے۔ جس طرح پانی اور دلیل مل کر روشنی نہیں دیتے اسی طرح جھوٹی بات سے دل مطمئن نہیں ہوتا اس کے برعکس سچی بات سے دل کو آرام و سکون ملتا ہے اور وہ خود بخود اس کے قبول کرنے کی طرف مائل ہو جاتا ہے۔ میں نے اپنے اخلاق کو حرص وہوا سے پاک کر دیا ہے۔ اے ملعون کتے میرا جواب دے اور سچ کہہ دے کہ تو نے مجھے کیوں بیدار کیا۔ حالانکہ تو بیداری کا دشمن ہے اور چاہتا ہے انسان خواب غفلت میں مدہوش پڑا رہے۔ دیکھ میں نے اب تجھ کو چار کھونٹیوں سے باندھ دیا ہے جب تک سچی بات نہیں بتائے گا نہیں چھوڑوں گا۔

غرض امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ابلیس پر بہت تشدد کی اور اس کے تمام حیلوں بہانوں اور ملمع سازیوں کو رد کر دیا۔ آخر وہ مجبور ہو کر سچ اگلنے پر مجبور ہو گیا اور گڑ بڑا کر کہنے لگا کہ بیٹے صاحب میں نے آپ کو اس لئے بیدار کیا کہ آپ جا کر نماز با جماعت میں شامل ہو جائیں اور اسے سے فارغ ہو کر مطمئن ہو جائیں کہ فرض ادا کر دیا ہے۔ اگر آپ کی نماز کا وقت نکل جاتا ہے تو دنیا آپ کی نگاہوں میں تاریک ہو جاتی اور آپ شدید غم اور صدمہ سے رو رو کر نڈھال ہو جاتے۔ آپ کی یہ آہ وزاری، دل کا سوز و گداز اور درد و نیاز سو نمازوں کے ثواب سے بڑھ جاتا۔ بھلا مجھ کو یہ کب گوارہ تھا کہ آپ اس قدر ثواب حاصل کر لیں۔ آپ کو جگانے کا باعث میرا یہی جذبہ حسد ہے۔

امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا اب تو نے اصل بات بتائی۔ بظاہر تو مجھے بھلائی کی طرف بلا رہا تھا لیکن دراصل تو نہیں چاہتا تھا کہ میں خلوص اور درد کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے حضور گڑگڑاؤں اور اپنی آنکھوں سے ندامت اور پشیمانی کے آنسو

بہاؤں۔ کیونکہ اس آہ وفغان اور عرق انفعال کا حق تعالیٰ کے نزدیک بہت بڑا درجہ

ہے۔

ت

تقدیر و تدبیر:

ایک دیہاتی کے پاس گدھا تھا لیکن پالان نہیں تھا۔ بے چارہ ہمیشہ اسی فکر میں رہتا کہ کسی طرح پالان بن جائے۔ بڑی مدت کے بعد اس کی آرزو بر آئی اور اس نے پالان حاصل کرلیا لیکن اس وقت اس کا گدھا بھیڑیئے کا شکار بن گیا۔

تدبیر کند بندہ تقدیر زند خندہ

ٹ

ٹھٹھرا ہوا اژدہا:

ایک سپیرا پہاڑ پر سانپ پکڑنے گیا۔ شدید سردی کا موسم تھا اور پہاڑ پر برف باری ہو رہی تھی۔ اس کو سانپ ڈھونڈنے میں بڑی دقت پیش آئی لیکن

کوئی دوڑے یا آہستہ چلے ڈھونڈنے والا جو ڈھونڈتا ہے بالآخر پا لیتا ہے۔

اس نے ایک بہت بڑا مردہ اژدھا دیکھا۔ اس کو دیکھ کر دہشت آتی تھی۔ سپیرا تو بھولے بھالے لوگوں کو حیران کرنے کے لئے سانپ پکڑا کرتا تھا۔ اب سانپ ہاتھ نہ آیا تو اس مردہ اژدہا کو غنیمت سمجھا اور اس کو اٹھا کر شہر بغداد میں لے آیا تاکہ لوگوں کو دکھا کر پیسے حاصل کرے۔ یہ اژدہا کیا تھا کسی محل کا ستون تھا۔ سپیرا اس کو بغداد کی گلیوں میں کھینچتا پھرتا تھا اور یہ ہانک لگاتا جاتا تھا۔ میں نے اپنی جان کی بازیابی لگا کر اس خوفناک اژدہے کا شکار کیا ہے۔ اس سپیرے کی دانست میں تو وہ اژدہا مردہ تھا لیکن فی الحقیقت وہ زندہ تھا اور سردی اور برف باری کی وجہ سے ٹھٹھرا ہوا تھا۔ سارے بغداد میں آناً فاناً یہ خبر پھیل گئی کہ سپیرا ایک عجیب وغریب اژدہا شکار کر کے لایا ہے۔

لاکھوں آدمی یہ اژدہا دیکھنے کے لئے سپیرے کے گرد جمع ہو گئے۔ تاہم سپیرا منتظر رہا کہ اور لوگ جمع ہو جائیں تو اژدہا دکھائے تاکہ اس کو زیادہ سے زیادہ پیسے وصول ہو جائیں۔ غرض تماش بین لوگوں کا اس قدر اژدہام ہوا کہ تل دھرنے کو جگہ نہ رہی۔ جب سپیرا اپنی ڈگڈگی بجاتا تھا تو لوگوں کا اشتیاق اور بھی بڑھ جاتا تھا۔ اژدہا ایک تو ٹھٹھرا ہوا تھا دوسرے سپیرے نے اس پر کئی ٹاٹ اور کپڑے لپیٹ رکھے تھے لیکن جب ملک عراق کا گرم آفتاب چمکا اور اژدہا کافی دیر تک دھوپ میں پڑا رہا تو اس کی گرمی سے اس کو ہوش آ گیا اور وہ زمین پر رینگنے لگا لوگوں نے (بظاہر) مردہ اژدہے کو زندہ ہوتے دیکھا تو ان میں بھگدڑ مچ گئی اور ہزاروں لوگ ایک دوسرے

کے پاؤں کے نیچے آ کر کچلے گئے ۔سپیرا بھی خوف سے تھر تھر کانپنے لگا۔دل میں سوچتا تھا کہ یہ میں پہاڑ سا کیا اٹھا لایا۔اس بھیڑیے کو میں نے اندھی بھیڑ بن کا جگا دیا اور اپنا خون آپ کر لیا۔اتنے میں اژدہا پوری طرح ہوشیار ہو گیا اس نے خوفناک پھنکار ماری اور سپیرے کو ہڑپ کر گیا۔

نفس بھی ایک اژدہا ہے جس فقر و زہد اور ذکر و عبادت (کی برف) سے ٹھٹھر جاتا ہے اور اللہ تعالی سے غفلت اور دنیا پرستی کی راحت سے وہ حرکت میں آ جاتا ہے۔

(نفس کے) اژدہے کو ہجر کی برف میں رکھ، اس کو سورج کے سامنے نہ لا

ج

جان کا صدقہ، مال:

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس ایک نوجوان آیا اور درخواست کی کہ اے اللہ کے نبی! میں نے سنا ہے کہ آپ تمام مویشی وطیور کی بولیاں جانتے ہیں، اور جب یہ جانور آپس میں باتیں کرتے ہیں تو آپ ان کی باتوں کا مطلب خوب سمجھتے ہیں آپ یہ فن مجھے بھی سکھا دیجئے تاکہ میں جانوروں کی بولیاں سن کر خدا کی معرفت حاصل کر سکوں، کیونکہ بنی آدم کی زبانیں تو کھانے پینے اور فریب و دغا کے دھندے ہی میں لگی رہتی ہیں ممکن ہے حیوانات اپنے پیٹ بھرنے کے لئے کچھ اور تدبیروں پر عمل کرتے ہوں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے نور بصارت سے اس نوجوان کے ذہن میں چھپی ہوئی اصل بات دیکھ لی اور اس سے کہا اس خیال خام سے باز رہ، اس میں بے شمار خطرے پنہاں ہیں جانوروں کی بولیاں سیکھ کر خدا کی معرفت حاصل نہیں ہوتی اس لئے خدا ہی سے رجوع کر

موسیٰ کلیم اللہ نے اس جوان کو بہت سمجھایا بجھایا، لیکن جس قدر آپ اسے روکتے اور سمجھاتے اسی قدر وہ ضد کرتا جاتا انسان کی فطرت ہے کہ اسے جس بات سے منع کیا جائے، وہ وہی بات کرتا ہے اس نے بے حد خوشامد سے کہا

''اے پیغمبر خدا، مجھے اس بات سے محروم کرنا آپ کے لطف وکرم اور مہر ومحبت سے بعید ہے آپ کو حق تعالیٰ نے بڑی صفات سے نوازا اور نور بصیرت بخشا ہے کسی شے کی حقیقت آپ سے پوشیدہ نہیں اگر آپ نے مجھے جانوروں کی بولیوں کے فن سے آگاہ نہ کیا تو میرا دل ہمیشہ کے لئے ٹوٹ جائے گا اور میری مایوسی کی کوئی انتہا نہ ہوگی۔

تب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بارگاہ خداوندی میں عرض کیا یاالٰہی! تو بے نیاز

ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس نوجوان کی عقل وخرد کو شیطان مردود نے اپنا کھلونا بنالیا ہے تو ہی بتا، میں کیا کروں؟ اگر اسے جانوروں کی بولیاں سکھا دوں تو یہ بات اس کے حق میں نیک نہ ہوگی اور اگر نہ سکھاؤں تو اس کا دل صدمے سے چور ہوتا ہے۔

حق تعالیٰ نے حکم دیا اے موسیٰ (علیہ السلام) تم اس نوجوان کی خواہش پوری کرو کیونکہ ہماری سنت ہے ہم کسی کی دعا رد نہیں کرتے۔

یہ حکم پانے کے باوجود حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سوچا ایک بار پھر اس نوجوان کو اس خیال سے باز رہنے کی کوشش کروں چنانچہ آپ نے اسے نہایت شیریں اور نرم لہجے میں سمجھایا کہ خدا نے اجازت تو فرمادی ہے اور اب تیری مراد خود بخود پوری ہو جائے گی لیکن تیرے حق میں بہتر ہے کہ یہ خیال ذہن سے نکال دے اور خدا سے ڈر، کیونکہ یہ پٹی شیطان نے تجھے پڑھائی ہے مجھے یقین ہے کہ تو سینکڑوں آفتوں میں پھنس جائے گا اور آخر میں سوائے ندامت و پشیمانی کے کچھ ہاتھ نہ آئے گا۔

اس بات نے اس نوجوان پر صرف اتنا اثر کیا کہ وہ کہنے لگا بہت بہتر میں تمام جانوروں کی بولی سیکھنے کے خیال سے درگزر کرتا ہوں لیکن کم از کم دو جانوروں کی بولیاں تو ضرور ہی سکھا دیجئے ایک اس کتے کی بولی جو میرے مکان کے دروازے پر پہرا دیتا ہے اور دوسرا اس مرغ کی بولی جو میرے گھر میں پلا ہوا ہے پس میرے لئے ان دو جانوروں کی بولی ہی سمجھ لینا بہت ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اچھا، جا آج سے ان دونوں حیوانوں کی بولی کا فن میں نے خدا کے حکم سے تجھے عطا کیا۔

وہ نوجوان خوش خوش گھر آ گیا اور اگلے روز اپنے پالتو جانوروں کی باتیں سننے کے لئے دروازے کے قریب کھڑا ہو گیا تھوڑی دیر بعد گھر میں کام کرنے والی خادمہ کے ہاتھ میں ایک کپڑا لئے دروازے پر آئی اس میں رات کا بچا کھچا روٹی کا ایک ٹکرا تھا وہ خادمہ نے پھینک دیا اسی وقت مرغ پھڑ پھڑاتا ہوا آیا اور وہ ٹکڑا اٹھا کر اپنی

چونچ میں دبالیا پہرا دینے والے کتے نے یہ دیکھ کر مرغ سے کہا یار تو بڑا لالچی ہے دانہ دنکا بھی چگ کر اپنا پیٹ بھر سکتا ہے باسی روٹی کا یہ ٹکڑا ہمارے حصے کا تھا وہ بھی تو نے اچک لیا۔

مرغ نے کتے کا شکوہ سنا تو جواب میں کہا بھائی اس باسی روٹی کا رنج نہ کر ذرا صبر سے کام لے خدا نے تیرے لئے بہترین نعمت مقرر کی ہے کل ہمارے مالک کا چہیتا گھوڑا مرنے والا ہے اس کا گوشت خوب پیٹ بھر کر کھانا یوں خدا تجھے بے کوشش اور بے مشقت رزق عطا کرے گا۔

اس نوجوان نے مرغ کی یہ بات سنتے ہی تھان پر سے گھوڑا کھولا، بازار میں لے جا کر اس کے دام کھرے کیے اور خوشی خوشی گھر واپس آیا اگلے روز صبح پھر خادمہ نے دستر خوان جھاڑا تو روٹی کا ٹکڑا سرزمین پر گرا مرغ پھر اچک کر لے گیا اور کتا منہ دیکھتا رہ گیا۔ آخر اس نے مرغ سے کہا اے تو بڑا چالاک اور فریبی ہے تو نے کل کہا تھا کہ آقا کا گھوڑا مر جائے گا اور مجھے خوب پیٹ بھر کر گوشت کھانے کو ملے گا اب بتا گھوڑا کہاں مرا؟ آقا نے تو اسے لے جا کر بازار میں بیچ ڈالا۔ معلوم ہوتا ہے تو ازلی جھوٹا ہے سچائی تیرے مقدر میں نہیں۔

مرغ جھوٹا نہیں بڑا باخبر تھا اس نے جواب دیا یار تو خواہ مخواہ تاؤ کھاتا ہے گھوڑا تو مرنے ہی والا تھا یہاں نہ مرا دوسری جگہ جا کر مر گیا ہمارا آقا گھوڑا بیچ کر نقصان سے تو بچ گیا اور بظاہر اپنا نقصان دوسرے کی گردن پر ڈال دیا، لیکن فکر نہ کر کل انشاءاللہ اس کا اونٹ مر جائے گا پھر تیری پانچوں گھی میں ہوں گی۔

نوجوان لپکا ہوا گیا اور اونٹ کے بھی بازار میں لے جا کر دام وصول کر لئے جانور کے مرنے کے صدمے اور رقم کے نقصان سے چھٹکارا پایا دل میں خوش تھا کہ ان جانوروں کی بولیاں سیکھ کر فائدے ہی میں رہا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے خواہ مخواہ ڈرایا تھا کہ ہزاروں آفتوں میں پھنس جائے گا ابھی تک تو کوئی آفت آئی نہیں۔

تیرے دن کتے نے مرغ سے کہا اے او زمانے بھر کے کذاب کب تک کاٹھ کی ہانڈی آگ پر چڑھائے جائے گا تو بڑا ہی فریبی نکلا، آخر جھوٹ بولنے میں مزا کیا آتا ہے؟ مرغ نے کتے کی یہ جھاڑ سن کر کہا یار میں جھوٹ نہیں بولتا مالک نے اونٹ کو بھی لے جا کر بیچ ڈالا اور پیسے جیب میں رکھے اب وہ اونٹ جس بدنصیب نے خریدا تھا اس کے گھر جا کر مر گیا ہے بہر حال تو غم نہ کر کل ہمارے آقا کا غلام مرے گا، موت نے اسے تا کام ہے غلام کے مرنے کے بعد آقا فقیروں کو روٹیاں اور گوشت بانٹنے کا اہتمام کرے گا پھر تیرے مزے ہی مزے ہیں لے اب خوش ہو جا۔

مرغ کی بات سنتے ہی نوجوان نے غلام کو بھی ایک شخص کے ہاتھ اچھی قیمت پر بیچ دیا اور نقصان سے بچ کر جی میں بہت خوش ہوا اس نے دل میں کہا، خدا کا شکر ہے کہ اس نے مجھے تین حادثوں سے بال بال بچالیا، اگر کتے اور مرغ کی بولیاں مجھے نہ آتیں تو بڑا بھاری نقصان اٹھانا پڑتا۔

چوتھے دن کتے نے لال پیلی آنکھیں نکال کر مرغ سے کہا او جھوٹوں کے بادشاہ، تو نے یہ بھی نہ سوچا کہ تیری یہ دروغ گوئی کب تک چلے گی تو کہتا تھا کہ غلام مرے گا اور اس کے مرنے پر ہمارا آقا فقیروں میں گوشت اور روٹیاں بانٹے گا غلام کہاں مرا؟

مرغ نے جواب دیا بخدا میں نے سچ کہا تھا آقا اگر اس غلام کو نہ بیچتا تو وہ اس مکان میں مرتا بہر حال جس نے اسے خریدا وہ اب نصیبے کو رو رہا ہوگا کیونکہ غلام اس کے گھر جاتے ہی اگلے روز مر گیا اور بے چارے خریدار کی رقم برباد ہوئی لیکن تو اب خوش ہو کہ خود ہمارے آقا کی باری آگئی ہے کل یہ یقیناً مر جائے گا اب دیکھتا ہوں کہ وہ اپنے آپ کو موت کے فرشتے سے کیوں بچائے گا کاش! وہ بے وقوف اتنا سمجھتا کہ ایک نقصان سینکڑوں نقصانوں کا صدقہ ہوتا ہے یاد رکھ کہ جسم و مال کا

زیاں، جان کا صدقہ ہے دنیاوی معاملات میں انسان بعض اوقات زر و مال خرچ کر کے اپنی جان بچا لیتا ہے لیکن افسوس کہ قدرت الٰہی کے رازوں سے جاہل ہے کہ یہاں اپنا مال بچانے کی کوشش کرتا ہے، اور نہیں جانتا کہ وہی مال اگر اپنی ذات پر سے صدقہ کرے تو نقصان، فائدہ بن جائے، خیر اب تو قصہ ہی تمام ہوا چاہتا ہے آج ہمارا آقا سوئے عدم روزانہ ہو جائے گا پھر اس کے والی وارث گائے ذبح کریں گے اور دیگیں چڑھیں گی، فقیروں اور محتاجوں کا ہجوم ہوگا، روٹیوں کے ٹکڑے اور ہڈیاں بوٹیاں اس کثرت سے تجھے کھانے کو ملیں گی کہ جی بھر جائے گا ہاں گھوڑا، اونٹ اور غلام کی موت ہمارے بے وقوف اور مغرور آقا کی جان کا بدلہ تھا مال کے نقصان اور اس کے رنج و عالم سے تو محفوظ رہا، لیکن اپنی جان گنوائی،

آقا نے مرغ کی زبانی اپنے مرنے کی خبر وحشت اثر سنی تو پیروں تلے کی زمین نکل گئی ہاتھ پیروں میں دم نہ رہا گرتا پڑتا، بدحواس، بدحال حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور ساری داستان سنا کر فریاد کی کہ اے خدا کے سچے نبی مجھے ملک الموت کے پنجے سے بچایئے۔

اس نوجوان نے پھر منت ساجت شروع کی اور اس قدر رویا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس پر رحم آیا ارشاد ہوا اب تیر کمان سے نکل چکا اور چھوٹا ہوا تیر کبھی واپس نہیں آتا قضا نے تیرا گھر تاک لیا ہے اور اسے ٹالنا میرے بس میں نہیں ہاں بارگاہ الٰہ میں تیرے لئے یہ درخواست پیش کرتا ہوں کہ جب تیری روح بدن کا ساتھ چھوڑے تو ایمان کی دولت تجھے نصیب ہو وہی زندہ ہے جو ایمان سلامت لے جائے۔

ابھی پیغمبر خدا کی بات پوری بھی نہ ہوئی کہ نوجوان کا جی متلانے لگا، دل گھبرایا، ہاتھ پاؤں سنسنانے لگے یا یک خون کی ایک قے ہوئی وہ قے ہیضہ کی نہ تھی موت کی تھی، اسی وقت چار آدمی اسے کندھوں پر لاد کر گھر لے گئے مکان پر پہنچتے اس پر تشنج

طاری ہو گیا زبان بند ہوئی آنکھوں کی پتلیاں پھر گئیں کانوں کی لویں مڑ گیں آخر کار اس نے ایک ہچکی لی اور اپنی جان، جان آفریں کو سونپ دی، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے خبر سنی تو درگاہ الٰہی میں دعا کی اے باری تعالی اسے ایمان کی دولت نصیب فرما، اپنی شان الوہیت کے صدقے میں اسے بخش دے ہر چند اس نے گستاخی اور ضد کی لیکن وہ نادان تھا اس پر رحم فرما خدائے بزرگ و برتر نے اپنے پیغمبر کی دعا قبول فرمائی اور اس نوجوان کو بخش دیا۔

جبر واختیار:

کسی چور کو شاہی پیادے پکڑ کر کوتوال کے پاس لائے اور بتایا کہ اس شخص کو ہم نے عین چوری کے موقع پر گرفتار کیا ہے کوتوال نے چور سے پوچھا تو نے چوری کی ہے؟ اس نے جواب دیا ہاں لیکن میں نے جو کچھ کیا، خدا کے حکم سے کیا تو جانتا ہے کہ کائنات کا ذرہ بھی خدا کے حکم سے باہر نہیں ہے۔

یہ سن کر کوتوال نے پیادوں سے کہا اسے درخت سے الٹا لٹکا دو اور اتنا مارو کہ کھایا پیا سب بھول جائے یہ سن کر چور نے گڑگڑانا اور رونا شروع کر دیا، کوتوال نے کہا اب کیوں روتا ہے؟ مے یہ کام بھی خدا کے حکم سے ہی کر رہا ہوں

اس واقعہ پر ایک واقعہ یوں ہے کہ ایک شخص بغیر اجازت کسی کے باغ میں گھس گیا اور درخت پر چڑھ کر پھل توڑنے لگا اتنے میں باغ کا مالک ادھر آنکلا اور اس شخص کو پھل توڑتے دیکھ کر بولا ارے او بے حیا! یہ کیا حرکت ہے؟

پھل توڑنے والے نے جواب دیا اگر اللہ کے باغ سے اللہ کا بندہ اللہ کی پیدا کی ہوئی کھجور توڑ کر کھائے تو اس میں بے حیائی کی کون سے بات ہے! خدائے بے نیاز کی بے زوال نعمتوں پر سانپ بن کر بیٹھنے والا تو کون ہے؟

یہ سن کر باغ کے مالک نے اپنے غلام سے کہا ذرا مضبوط سی رسی اور کوڑا لے آ تا کہ میں اس اللہ کے بندے کو جواب دوں

غلام دوڑا دوڑا گیا اور دونوں چیزیں حاضر کر دیں باغ کے مالک نے پھل چور کو اسی درخت سے باندھ کر پیٹھ پر کوڑے برسانے شروع کیے چور نے فریاد کی:

ارے بھائی، کچھ تو خدا کا خوف کر کیا مجھے مار ڈالے گا؟ اس نے جواب دیا چیخو مت اللہ کی پیدا کی ہوئی لکڑی سے اللہ کا ایک بندہ، اللہ کے دوسرے بندے کو مار رہا ہے یہ کوڑا بھی حق ہے اور میں بھی اللہ ہی کے حکم کا پابند ہوں آخر اس چور نے اپنے عقیدے سے توبہ کی اور اقرار کیا بے شک انسان کو قوت اختیار حاصل ہے۔

جب چڑیاں چگ گئی کھیت:

ایک قافلے کا چوکیدار رات کو سو گیا اور چور اہل قافلہ کا تمام مال و اسباب لوٹ کر چلے گئے۔ جب دن چڑھا تو اہل قافلہ نے دیکھا کہ اونٹ، گھوڑے اور دوسرا مال اسباب سب غائب ہے اور چوکیدار کبھی آہ فغاں کرتا تھا اور کبھی آنکھیں نکال کر چابک ہوا میں چلاتا تھا۔ لوگوں نے پوچھا کہ کیوں بھائی ہمارا مال و اسباب کدھر گیا۔ اس نے کہا کہ چور منہ پر نقاب ڈال کر آئے اور بڑی تیزی سے سب مال و اسباب سمیٹ کر چل دیئے۔

لوگوں نے کہا کہ ارے مٹی کے مادھو تو اس وقت کیا کر رہا تھا؟

اس نے کہا کہ میں ایک تھا اور وہ بہت سے تھے۔ پھر وہ سب مسلح تھے اور بڑے خونخوار اور چست تھے۔

لوگوں نے کہا کہ اگر تو اکیلا ان سے نہیں نپٹ سکتا تو قافلے والوں کو پکار کر اپنی مدد کے لئے کیوں نہ بلایا؟

چوکیدار نے کہا وہ مجھ کو چھریاں اور تلواریں دکھاتے تھے کہ آواز نکالی تو جان سے ہاتھ دھو بیٹھے گا۔ میں ان کے ڈر سے مہر بلب ہو گیا تھا اب اس وقت کو یاد کر کے آہ و فغاں کر رہا ہوں اور یہ چابک بھی ان ظالموں کو اپنے سامنے تصور کر کے چلا رہا ہوں تا کہ دل کی بھڑاس کچھ تو نکلے۔

جب تمام عمر رسوا کرنے والا شیطان لوٹ کر لے گیا تو پھر اعوذ اور فاتحہ پڑھنے میں کیا مزا ہے۔ اگر چہ اب یہ بے مزا ہے لیکن یکسر غفلت میں مبتلا ہو جانا اس سے کہیں زیادہ بے مزا ہے کسی نے سچ کہا ہے کہ

پھر کیا پچھتائے ہوت
جب چڑیاں چگ گئیں کھیت
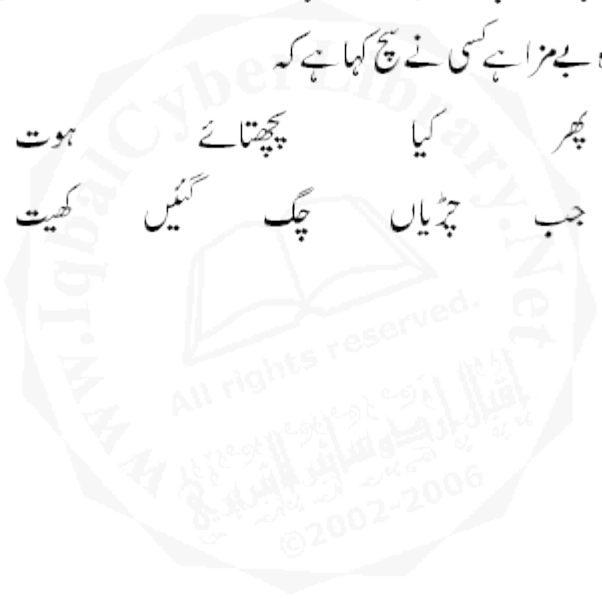
چ

چوری اور جھوٹ کا چولی دامن کا ساتھ ہے:

ایک شخص کی بیوی بڑی چٹوی چالباز اور چور تھی ۔شوہر جو کچھ گھر میں لاتا وہ سب اڑا دیتی اور شوہر بے چارہ دل میں کڑھتا رہتا۔ایک دن اس نے بڑی محنت وکوشش سے ایک مہمان کے لئے گوشت لا کر گھر میں رکھا اور خود کسی کام کے لئے باہر چلا گیا۔اس کی غیر حاضری میں عورت سارے گوشت کے کباب بنا کر چٹ کر گئی۔ شوہر گھر آیا تو اس نے بیوی سے کہا کہ جلد سے بھنا ہوا گوشت لے آ تا کہ مہمان کو کھانا کھلایا جائے ۔عورت نے نہایت بے حیائی سے جواب دیا کہ گوشت تو سب کا سب بلی کھا گئی بہتر یہی ہے کہ اور گوشت لے آ۔

شوہر نے کہا کہ ذرا ترازو تو لا تا کہ میں بلی کا وزن کروں۔ جب اس نے بلی کا تولا تو وہ تقریباً چار سیر کی نکلی ۔شوہر نے برافروختہ ہو کر کہا اے حرافہ گوشت تو چار سیر سے بھی زیادہ تھا اور بلی کا وزن بمشکل چار سیر۔اب اگر یہ بلی ہے تو گوشت کدھر گیا اور اگر یہ گوشت ہے تو بلی کدھر گئی۔

ح

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور چرواہا:

حضرت موسیٰ علیہ السلام ایک دن جنگل میں سے گزر رہے تھے کہ انہوں نے ایک چرواہے کی آواز سنی وہ بلند آواز سے کہہ رہا تھا اے میرے جان سے پیارے خدا! تو کہاں ہے آ میں تجھے دھوؤں نئے کپڑے سی کر تجھے پہناؤں تیرے موزے پھٹ گئے ہوں تو وہ بھی سیوں تجھے تازہ تازہ دودھ پلایا کروں اور اگر بیمار ہو جائے تو تیرے رشتے داروں سے بڑھ چڑھ کر تیری تیمارداری کروں، تجھے دوا پلاؤں ہاتھ پیروں کی مالش کروں اور جب تیرے آرام کا وقت ہو تو تیرا بستر خواب جھاڑ پونچھ کر صاف کروں اگر مجھے معلوم ہو کہ تیرا گھر کہاں ہے تو بلا ناغہ صبح شام گھی اور دودھ تیرے واسطے لے آیا کروں، پنیر، روغنی روٹیاں اور خوشبودار دہی کی لسی، یہ سب چیزیں لاؤں غرض میرا کام ہر طرح تجھے خوش رکھنا اور تیری خدمت کرنا ہو، میری ساری بکریاں تجھ پر قربان ہوں اب تو آجا، تیرے فراق میں میری بے قراری حد سے بڑھ گئی ہے وہ چرواہا دنیا مافیہا سے بے خبر ایسی ہی باتیں کر رہا تھا حضرت موسیٰ علیہ السلام اس کے قریب گئے اور کہنے لگے ارے احمق، تو یہ باتیں کس سے کر رہا ہے؟

چرواہے نے جواب دیا اس سے کر رہا ہوں جس نے مجھے اور تجھے پیدا کیا اور یہ زمین آسمان بنائے یہ سن کر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے غضب ناک ہو کر کہا اے بد بخت! تو اس بے ہودہ بکواس سے کہیں کا نہ رہا بجائے مومن ہونے کے کافر ہو گیا خبردار آئندہ ایسی لایعنی اور فضول بکواس منہ سے نہ نکالو اپنے حلق میں روئی ٹھونس لے تیرے اس کفر کی بدبو ساری دنیا میں پھیل گئی۔ ارے بے وقوف! یہ دودھ لسی اور روغنی روٹیاں ہم مخلوق کے لئے ہیں کپڑوں کے محتاج ہم ہیں، حق تعالیٰ ان حاجتوں سے بے نیاز ہے اگر تو نے اپنی زبان بند نہ کی تو یاد رکھ غیرت حق آتش بن کر کائنات

کو جلا ڈالے گی خدا ایسی خدمتوں سے بے پرواہ ہے وہ نہ بیمار پڑتا ہے نہ اسے تیمار داری کی ضرورت ہے نہ اس کا کوئی رشتے دار ہے دودھ تو وہ پیئے جس کا بدن اور عمر بڑھنے والی ہو اور ضعف محسوس کرتا ہو اور موزے وہ پہنے جو پاؤں کا محتاج ہو حق تعالیٰ ان باتوں سے بری ہے توبہ کر اور اس سے ڈر۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے غیظ و غضب میں بھرے ہوئے یہ الفاظ سن کر چرواہے کے اوسان خطا ہو گئے خوف سے تھر تھر کانپنے لگا چہرہ زرد پڑ گیا بولا:

اے خدا کے جلیل القدر نبی تو نے ایسی بات کہی کہ میرا منہ ہمیشہ کے لئے بند ہو گیا اور مارے ندامت کے میری جان ہلاکت میں پڑ گئی یہ کہتے ہی چرواہے نے آہ سرد کھینچی اپنا گریبان تار تار کیا اور دیوانوں کی طرح سر پر خاک اڑاتا غائب ہو گیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ہم کلام ہونے کے لئے کوہ طور پر گئے تو خدا نے ان سے فرمایا اے موسی (علیہ السلام) تو نے ہمارے بندے کو ہم سے جدا کیوں کیا؟ تو دنیا میں فصل (جدائی) کے لیے آیا ہے یا وصل (ملاپ کے لئے؟ خبردار! اس کام میں احتیاط رکھ اور جہاں تک تجھ سے ہو سکے فراق کی حد میں قدم مت دھر ہم نے اپنی مخلوق میں سے ہر شخص کی فطرت الگ بنائی ہے اور ہر فرد کو دوسروں سے جدا عقل بخشی ہے جو بات ایک کے حق میں اچھی ہے، وہ دوسرے کے لئے بری ہے اور جو ایک کے حق میں تریاق کا اثر رکھتی ہے وہی دوسرے کے لئے زہر کا حکم رکھتی ہے، ایک کے حق میں نور، دوسرے کے حق میں نار، ایک کے لئے گلاب کا پھول، دوسرے کے لئے کانٹا، ہماری ذات پاکی و ناپاکی سے بری ہے اور اے موسیٰ یہ مخلوق ہم نے اس لئے پیدا نہیں فرمائی کہ اس سے ہماری ذات کو کوئی فائدہ پہنچتا ہے اسے پیدا کرنے کا مقصود صرف یہ ہے کہ اس پر ہم اپنے کمالات کی بارش برسائیں جو شخص جس زبان میں ہماری حمد و ثنا کرتا ہے اس سے ہماری ذات میں کچھ کمی بیشی واقع نہیں ہوتی بلکہ جو موتی اس کے منہ نکلتے ہیں، اس سے مداح کرنے والا خود ہی پاک

صاف ہوتا ہے، ہم کسی کے قول اور ظاہر پر نگاہ نہیں کرتے ہم تو باطن اور حال کو دیکھتے ہیں اے موسیٰ خردمندوں کے آداب اور ہیں دل جلوں اور جان ہاروں کے آداب اور

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب خدا کا یہ عتاب آمیز خطاب سنا تو سخت پشیمان ہوئے اور بارگاہ الٰہی میں نہایت ندامت اور شرم ساری سے عفو کی درخواست کی پھر اسی اضطراب اور بے چینی کی حالت میں اس چرواہے کو ڈھونڈنے جنگل میں گئے اس کے قدموں کے نشان دیکھتے دیکھتے اس قدر چلے کہ پیروں میں چھالے پڑ گئے، صحرا اور بیابان کی خاک چھان ماری لیکن چرواہے کا کہیں پتا نہ پایا کہتے ہیں دیوانوں کا نقش پا مغرور کے نقش پا سے الگ ہوتا ہے اسی لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی تلاش جاری رکھی۔ جہاں تک کہ آپ اسے پا لینے میں کامیاب ہوئے۔

چرواہے نے انہیں دیکھ کر کہا اے موسیٰ علیہ السلام! اب مجھ سے کیا خطا ہوئی کہ یہاں بھی آن پہنچا

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا اے چرواہے میں تجھے مبارک باد دینے آیا ہوں تجھے حق تعالیٰ نے اپنا بندہ فرمایا اور اجازت عطا کی کہ جو تیرے جی میں آئے بلا تکلف کہا کر تجھے کسی ادب آداب اور قاعدے ضابطے کی ضرورت نہیں تیرا کفر اصل دین ہے اور دین نور ایمان تجھے سب کچھ معاف ہے بلکہ تیرے صدقے میں تمام دنیا کی حفاظت ہوتی ہے۔

چرواہے نے آنکھوں میں آنسو بھر کر کہا اے پیغمبر خدا اب ان باتوں کے قابل ہی کہاں رہا ہوں جو کچھ ہوں؟ میرے دل کا تو خون ہو چکا اور اب میری منزل سدرۃ المنتہیٰ سے بھی آگے ہیں جب سے اب تک ہزاروں لاکھوں برس کی راہ طے کر چکا ہوں تو نے میرے اسپ تازی کو ایسی مہمیز لگائی کہ ایک ہی جست میں ہفت آسمان

سے بھی آگے نکل گیا میرا حال بیان کے قابل نہیں اور کچھ میں کہہ رہا ہوں اسے بھی میرا احوال مت جان

اے شخص تو جو حق تعالیٰ کی حمد و ثناء بیان کرتا ہے کیا سمجھتا ہے کہ تیرا حال اس چہرواہے سے کچھ مختلف ہے؟ نہیں تو اس سے ہرگز بہتر نہیں ہے تو ابتدا سے انتہا تک ناقص اور تیرا حال وقال بھی ناقص، یہ محض اس پروردگار رحمٰن و رحیم کا کرم ہے کہ وہ تیرے ناقص اور گندے تحفے قبول فرماتا ہے۔

حضرت ابراہیم بن ادھم کا ترک سلطنت:

حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ فقر اختیار کرنے سے پہلے ایک عظیم سلطنت کے فرمانبردار تھے۔ایک دن وہ اپنی خواب گاہ میں سو رہے تھے کہ یکا یک چھت پر کھٹ کھٹ اور ہائے ہو کی آواز سنی۔وہ بیدار ہو کر سوچنے لگے کہ شاہی محل کے چاروں طرف پہرہ ہے یہ کس کی مجال ہے کہ چھت پر اس طرح کھٹ کھٹ کر رہا ہے۔ایک کھڑکی سے آواز دی کہ کون ہے آدمی ہے یا پری۔

یکا یک انہوں نے دیکھا کہ چھت پر سے کچھ عجیب و غریب قسم کے لوگ نیچے جھانک رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ ہم بڑی دیر سے تلاش کر رہے ہیں

ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ نے پوچھا تم کو کس کی تلاش ہے

وہ بولے ہم اپنا اونٹ ڈھونڈ رہے ہیں

حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ارے اونٹ کا چھت پر کیا کام؟

وہ کہنے لگے اگر اونٹ چھت پر نہیں چڑھ سکتا تو اس شان و شوکت کے ساتھ تخت پر بیٹھ کر خدا کو کیسے ڈھونڈ سکتا ہے؟

حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ پر اس بات کا ایسا اثر ہوا کہ انہوں نے تاج و تخت پر لات ماردی اور ہمیشہ کے لئے راہ فقر اختیار کر لی۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حکمت:

ایک عورت حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کی اے باب علم میرا شیر خوار بچہ چوڑے منہ والے پرنالے پر چڑھ گیا ہے۔ اگر اس کو اپنے حال پر چھوڑتی ہوں تو ڈر ہے کہ کہیں پرنالے کے اندر نہ جا گرے اور اگر ڈراتی ہوں تو اس کا اس نفع نقصان سمجھنے کا شعور نہیں ہے۔ میں نے اس کو بار بار دودھ بھی دکھایا ہے لیکن وہ میری طرف رخ ہی نہیں کرتا۔ خدا کے لئے میری مشکل حل کیجئے۔ کہیں میں اپنے لخت جگر سے ہاتھ نہ دھو بیٹھوں۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اس کے کسی ہم عمر بچے کو چھت پر لے جاؤ تا کہ وہ اپنے ہم جنس کو دیکھ کر اس کی طرف آ جائے۔ عورت نے ایسا ہی کیا۔ بچے نے جب اپنے ہم جنس کو چھت پر کھڑا دیکھا تو خوشی سے قلقاریاں مارتا ہوا گھٹنا گھٹتا اس کی طرف چلا گیا اور اس طرح خطرے سے محفوظ ہو گیا۔

انبیاء بھی اس لئے آدمیوں کی جنس سے ہیں کہ ان کی ہم جنس مخلوق جہنم میں گرنے سے بچ جائے کیونکہ جنس کو جنس کی کشش ہوتی ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے جو فرمایا کہ میں تمہاری ہی طرح کا انسان ہوں تو اس کی حکمت یہی ہے کہ لوگ اپنی جنس کی طرف رجوع کریں اور گمراہ نہ ہونے پائیں۔

حسد کا منہ کالا:

سلطان محمود غزنوی ایاز کو بے حد محبوب رکھتا تھا اور اس کو تیس امیروں کے برابر وظیفہ دیتا تھا۔ یہ امیر ایاز پر سلطان کے اس قدر التفات سے سخت جلتے تھے۔ ان کا حسد یہاں تک بڑھا کہ اپنے آقا سلطان محمود کے خلاف بھی چہ میگوئیاں کرنے لگے کہ اس نے ناحق ایاز کا درجہ اتنا بڑھا رکھا ہے۔ سلطان کے کانوں میں ان باتوں کی بھنک پڑی تو وہ ایک دن تیس سربرآوردہ امیروں کو ساتھ لے کر شکار کے لئے جنگل کی طرف روانہ ہوا۔ تھوڑی دور گئے تھے کہ کچھ فاصلے پر ایک قافلہ آتا دیکھا۔ سلطان نے ایک امیر کو بھیجا کہ اہل قافلہ سے پوچھو کہ وہ کہاں سے آ رہے ہیں۔ وہ امیر دوڑا

گیا اور تھوڑی دیر بعد واپس آکر کہا کہ یہ لوگ شہر رے سے آرہے ہیں۔ سلطان نے پوچھا کہ کہاں جا رہے ہیں امیر کو اس کا علم نہیں تھا۔ کوئی جواب نہ دیا۔ سلطان نے ایک دوسرے امیر کو بھیجا کہ ان سے پوچھو کہ کہاں جائیں گے۔ وہ گیا اور واپس آکر کہا یہ لوگ یمن جا رہے ہیں سلطان نے پوچھا کہ ان کے پاس کیا سامان ہے وہ امیر بھی چپ رہ گیا۔ اب سلطان نے تیسرے امیر کو حکم دیا کہ جاؤ اور دریافت کرو کہ ان کے پاس کیا سامان ہے۔ اس امیر نے واپس آکر کہا کہ ان کے پاس ہر جنس ہے البتہ رے کے پیالے دوسری چیزوں سے زیادہ ہیں۔ سلطان نے پوچھا کہ یہ لوگ رے سے کب چلے تھے۔ امیر کے پاس اس کا کوئی جواب نہ تھا۔ سلطان نے چوتھے امیر کو اشارہ کیا کہ ان سے پوچھ کر آؤ کہ وہ رے سے کب روانہ ہوئے۔ اس نے واپس آکر بتایا کہ ساتویں رجب کو یہ قافلہ رے سے روانہ ہوا۔ سلطان نے پوچھا کہ شہر رے میں ان چیزوں کا کیا بھاؤ ہے۔ وہ امیر بھی سلطان کے سوال کا جواب دینے سے عاجز رہا۔ سلطان نے پھر پانچویں، چھٹے، ساتویں حتیٰ کہ تیسوں امیروں کو اسی طرح بھیجا اور وہ سب ناقص العقل ثابت ہوئے۔ ان میں سے کسی کو اتنی توفیق نہ ہوئی کہ مکمل معلومات فراہم کر کے واپس آتا۔ ہر ایک نے صرف ایک بات دریافت کی اور واپس آگیا۔ سلطان نے اب ان پر ایک معنی خیز نظر ڈالی اور کہا کہ میں تم سے پہلے ایاز کا امتحان لے چکا ہوں۔ میں نے اس سے یہ دریافت کرنے کے لئے بھیجا کہ قافلہ کہاں سے آیا۔ وہ گیا اور قافلے نے اس کا تسلی بخش جواب دیا۔ یہ معلومات تم تیس آدمیوں نے تیس پھیروں میں فراہم کیں۔ اب بتاؤ اکیلا ایاز تیس آدمیوں کا وظیفہ پانے کا مستحق ہے یا نہیں؟ امیر شرمندہ ہو گئے اور کہا کہ ایاز کی فراست اور قابلیت خدا کی دین ہے۔

خ

خدا کے پاک بندوں پر اپنا قیاس نہ کرو:

ایک بنئے کے پاس طرح طرح کی بولیاں بولنے والا سبز رنگ کا خوبصورت طوطا تھا۔وہ طوطا مالک کی غیر حاضری میں دکان کی نگہبانی کر رہا تھا کہ یکا یک ایک بلی چوہے کے پیچھے دوڑی۔ طاطا خوفزدہ ہو کر ایک طرف بھاگا۔وہاں روغن بادام کی چند بوتلیں پڑی ہوئی تھی وہ سب لڑھک گئیں۔اور روغن بادام زمین پر بہہ گیا۔بنیا گھر سے لوٹا اور روغن کو زمین پر بہتے دیکھا تو اس کے تن بدن میں آگ لگی اور غصے سے طوطے کے سر پر اس زور سے ہاتھ مارا کہ وہ بیچارہ گنجا ہو گیا۔چونکہ طوطے کو بے قصور سزا ملی تھی وہ بے امان گیا اور بول چال ترک کر دی۔اس کی خاموشی سے بنیا بہت پشیمان ہوا۔بہتیرے جتن کیے لیکن طوطے کی مہر سکوت نہ ٹوٹی۔اس طرح کافی مدت گزر گئی۔ایک دن وہ دکان میں طوطے کی خاموشی کے غم میں غلطان بیٹھا تھا کہ ایک منڈے ہوئے سر والا درویش دکان کے سامنے سے گزرا طوطے نے جونہی اس کو دیکھا زور سے پکار اٹھا ارے گنجے شاید تو نے بھی تیل کی بوتل لنڈھائی جو تجھے بھی گنجا ہونا پڑا۔ جو لوگ وہاں موجود تھے وہ طوطے کی بات سن کر بے اختیار ہنس دیئے کہ اس طوطے نے درویش کو بھی اپنے جیسا سمجھا

(اللہ کے پاک بندوں کو اپنے جیسا مت سمجھو۔اگر چہ لکھنے میں شیر اور شیر کو ایک ہی طرح لکھا جاتا ہے لیکن ان میں جو فرق ہے وہ ظاہر ہے)

خیال کا ہلال:

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالی عنہ کے عہد خلافت میں ایک دفعہ لوگ رمضان المبارک کا چاند دیکھ رہے تھے۔یکبار گی ایک شخص نے چلا کہ کہا کہ اے عمر دیکھو چاند وہ سامنے نظر آ رہا ہے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالی عنہ نے آسمان پر بہتری نظر دوڑائی لیکن ان کو

چاند نظر نہ آیا اور نہ اس شخص کے سوا دوسرا آدمی چاند دیکھنے میں کامیاب ہوا۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس شخص سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ بھائی میری نظر کافی تیز ہے لیکن مجھ کو تو چاند کہیں نظر نہیں آیا۔ تم ذرا ہاتھ تر کر کے آنکھوں اور بھنوؤں پر پھیرو اور پھر آسمان پر نظر دوڑاؤ۔

اس شخص نے آپ کے ارشاد کی تکمیل کی تو پھر اس کو چاند نظر نہ آیا۔ کہنے لگا، امیر المومنین اب تو چاند غائب ہو گیا ہے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ یہ تیرے خیال کا ہلال تھا۔ واقعہ یہ تھا کہ تیرے ابرو کا ایک بال ٹیڑھا ہو کر تیری آنکھوں کے سامنے آ گیا تو نے اس کو چاند سمجھ لیا۔

اگر آیک ٹیڑھا بال آسمان کا پردہ بن سکتا ہے تو جب تیرے سارے حواس (اجزائے فطرت) ٹیڑھے ہو جائے پھر کیا ہو گا؟

خونخوار ڈاکو اور قیدی:

ایک دفعہ قوم غز کے خونخوار ڈاکوؤں نے ایک گاؤں پر چھاپہ مارا اور وہاں کے دو سر برآوردہ آدمیوں کو اپنا قیدی بنا لیا۔ پھر انہوں نے ان دونوں میں سے ایک کے ہاتھ پاؤں باندھ دیئے اور ان کو ذبح کرنے کا ارادہ کیا تو وہ بڑی لجاجت سے بولا اے بلند رتبہ بادشاہ ہو! تم مجھے کیوں تلوار کے گھاٹ اتار رہے ہو۔ آخر میں نے کیا گناہ کیا ہے۔ جو تم میرے خون کے پیاسے ہو گئے ہو۔ میں تو ایک مسکین درویش ہوں اور مجھ کو قتل کر کے تم کو کوئی دنیاوی فائدہ بھی حاصل نہیں ہو سکتا۔

ڈاکوؤں نے کہا تمہیں ذبح کرنے سے ہمارا مقصد یہ ہے کہ تمہارا دوسرا ساتھی خوفزدہ ہو جائے اور اپنے مال و زر کا پتہ بتا دے۔

وہ کہنے لگا کہ میرا ساتھی تو مجھ سے بھی زیادہ مفلس ہے

ڈاکوؤں نے کہا تم جھوٹ کہتے ہو۔ اس نے محض لوگوں کی آنکھوں میں دھول

جھونکنے کے لئے یہ حال بنا رکھا ہے ورنہ حقیقت میں وہ مالدار ہے۔

اس نے کہا جب تمہارے اس ارادے کی بنیاد وہم پر ہے تو اس معاملہ میں میرا ساتھی اور میں دونوں برابر ہیں اور میرے بارے میں بھی آپ کو ایسا ہی وہم ہونا چاہئے تو پھر سرکار آپ پہلے میرے ساتھی ہی کو کیوں قتل نہیں کر دیتے کہ میں اس کے انجام سے ڈر کر اپنی دولت کا پتہ بتا دوں۔

حاصل کلام یہ کہ ہم کو حق تالی کا شکر ادا کرنا چاہئے کہ اس نے ہم کو زمانہ آخر میں سب امتوں کے بعد پیدا کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا کرم دیکھو اس نے پہلی امتوں کے نا فرمانوں کو ہم سے پہلے ہلاک کیا تا کہ ہم ان کے انجام سے عبرت حاصل ہو۔ اگر معاملہ اس کے برعکس ہوتا یعنی دوسری قوموں کی عبرت کے لئے ہم کو ہلاک کیا جاتا تو ہماری کس قدر بدبختی تھی۔

د

دوست کا تحفہ:

ایک دفعہ حضرت یوسف علیہ االسلام کا ایک پرانا دوست دور دراز کے کسی علاقے سے انکی ملاقات کو آیا۔حضرت یوسف علیہ االسلام اسے دیکھ کر بہت خوش ہوئے ۔چونکہ دونوں گہرے دوست تھے۔اس لئے بے تکلفی اور محبت کے گاؤ تکیے پر ٹیک لگا کر بیٹھے۔دوست نے یوسف علیہ االسلام سے ان کے بھائیوں کے ظلم اور حسد کا حال پوچھا تو آپ نے جواب دیا:

وہ قصہ اصل میں زنجیر آہنی (آزمائش) تھا اور میں شیر نر ظاہر ہے کہ زنجیر آہنی میں جکڑے جانے کے باوجود شیر،شیر ہی رہتا ہے،گیدڑ نہیں بن جاتا اور اس کی کوئی بے عزتی نہیں ہوتی اگر شیر نر کی گردن میں طوق آہنی پڑا ہوا ہو تب بھی وہ بادشاہ ہی ہوتا ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کی زبان سے یہ بات سن کر دوست نے آفرین کہی، پھر پوچھا اچھا یہ بتاؤ کہ تم پر کنعان کے کنویں اور مصر کے قید خانے میں کیا گزری؟

حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا وہی گزری جو چاند گرہن اور زوال کی راتوں میں چاند پر گزرتی ہے۔خیر یہ باتیں تو ہوتی رہیں گی یہ بتا کہ تو میرے لئے کیا تحفہ لایا! کیا تو نے سنا نہیں کہ دوستوں کے گھر خالی ہاتھ آنا ایسا ہی ہے جیسے پن چکی پر بے گیہوں کے چلے جانا،حضرت یوسف علیہ االسلام کی زبان سے یہ بات سنی تو دوست مذاق سے گردن جھکا کر کچھ سوچنے لگا اور کوئی جواب نہ دیا،جب انہوں نے دوبارہ پوچھا تو رونکھا سا ہو کر کہنے لگا

ارے بھائی، کیا کہوں بہت شرمندہ ہوں تمہارے لائق کوئی تحفہ نہ لا سکا بہت سوچا مگر کوئی چیز نظر میں ایسی نہ جچی جو تمہارے قابل ہو بھلا میری کیا مجال کہ گوہر کے ایک چھوٹے سے دانے کو جواہر کی اتنی بڑی کان میں لاتا،یا ایک حقیر قطرے کو

بحر بے کراں تک پہنچا اگر اپنا دل جگر بھی تیرے لئے بطور تحفہ لاتا تو اس حق سے عہدہ برآہ ہوسکتا تھا، تیرا حسن وہ حسن بے مثال ہے جس نے مجھ عاجز کر دیا اس لئے یہی سوجھی کہ قلب نور کی مانند ایک آئینہ تیرے لئے لاؤں تا کہ تو اپنی پیاری صورت اس میں دیکھے اور پھر مجھے یاد کرے۔

یہ کہہ کر اس نے آئینہ نکال کر حضرت یوسف علیہ الاسلام کی خدمت میں پیش کیا کیونکہ کہتے ہیں کہ حسینوں کے آگے جب آئینہ آتا ہے تو پھر وہ اسی میں محو ہو جاتے ہیں اور اپنا تماشا آپ کرتے ہیں۔

دلدل کا گدھا:

حضرت شعیب علیہ السلام کے زمانے کا ذکر ہے، ایک شخص اعلانیہ کہا کرتا تھا کہ اللہ نے میرے بے شمار عیوب دیکھے ہیں، لیکن اپنے رحم وکرم کے باعث وہ مجھ پر گرفت نہیں کرتا، اس شخص کا یہ قول بظاہر تواقع پر مبنی تھا، لیکن اصل میں تھا تکبر سے بھرپور خدا نے حضرت شعیب علیہ السلام کے ذریعے اس کو انتباہ کیا کہ:

اے بے وقوف! تو صراط مستقیم سے بھٹک کر کہیں کا کہیں جا نکلا ہے اور خوشی سے کہتا ہے کہ میں تیرے گناہوں کی پکڑ نہیں کرتا، حالانکہ تو اس حقیقت سے بے خبر ہے کہ میں ہر آن تیری اس قدر گرفت کرتا رہتا ہوں کہ گویا تو سر سے پیر تک آگ کی زنجیروں میں جکڑا ہوا ہے تیری مثال اس سیاہ دیگ کی سی ہے جس پر اسی کا رنگ چڑھتا رہتا ہے اور اس رنگ نے تری روح کی پیشانی بے نور کر دی ہے تیرے قلب پر زنگ کی اتنی تہیں چڑھ گئی ہیں کہ تجھے خدا کے بھید دکھائی نہیں دیتے دیکھ! اگر کوئی لوہار زنگی حبشی ہو تو دھواں ویسا ہی ہوتا ہے جیسا لوہار کا چہرہ اور اگر کوئی رومی اس پیشے میں داخل ہو تو دھوئیں سے اس کا چہرا چتکبرا ہو جاتا ہے ایسا شخص گناہ کے گھناؤنے اثر سے واقف ہو جاتا ہے اور گڑگڑا کر توبہ کرنے لگتا ہے لیکن جو بدنصیب گناہ میں آلودہ ہو اور اس پر اصرار کرے تو اس کی عقل پر خاک پڑ جاتی ہے اسے کبھی توبہ کی

توفیق نہیں ہوتی، یہاں تک کہ اسے گناہ کے کاموں ہی میں لذت ملنے لگتی ہے پس وہ شخص گمراہ اور بے دین ہوا پھر اس میں حیا اور ندامت کا احساس ہی باقی نہیں رہتا۔

حضرت شعیب علیہ السلام نے خدا کی بارگاہ میں عرض کیا کہ یا الٰہی! یہ شخص مجھے جھٹلا رہا ہے اور تیری گرفت کا کھلا ثبوت چاہتا ہے خدا نے جواب دیا:

اے شعیب! میں ستار العیوب ہوں لوگوں کے عیب ظاہر نہیں کرتا اس شخص کے سب گناہ بیان نہ کروں گا البتہ اس کی گرفت کی ایک واضح علامت بتاتا ہوں وہ علامت یہ ہے کہ یہ بدنصیب روزے بھی رکھتا ہے اور نماز بھی پڑھتا ہے زکوۃ بھی نکالتا ہے اور دعائیں بھی کرتا ہے اس طرح کی بہت سی عبادتیں اور نیک عمل بھی دکھاوے کے لئے کرتا ہے لیکن اس کی روح کو ان عبادتوں اور نیکیوں سے ذرہ برابر بھی لذت نہیں ملتی، ظاہر میں اس کی عبادت اور نیکیاں خشوع وخضوع سے لبریز ہیں لیکن باطن میں پاک نہیں اس کی مثال ایسی ہے جیسے درخت میں اخروٹ لگے ہوں گے مگر ان میں مغز نہ ہو، عبادت اور نیکیوں کا پھل پانے کے لئے ذوق درکار ہے اور پھل میں مغز، تاکہ اس سے درخت پیدا ہو، جس طرح بغیر گودے کا بیج درخت نہیں بن سکتا اسی طرح بے جان صورت محض خیال ہوتی ہے۔

جب حضرت شعیب علیہ السلام نے یہ نکتے اس شخص پر واضح کیے تو وہ ہکا بکا رہ گیا اور کچھ جواب نہ دے سکا، اس کا حال اس گدھے کا سا تھا جو دلدل میں بری طرح پھنس گیا اور ہاتھ پاؤں مارنے کے باوجود اس سے نکلنے کا راستہ نہ پاتا ہو۔

درویش اور لکڑہارا:

ایک درویش کو اللہ تعالٰی نے فکر معاش سے بے نیاز کر دیا تھا۔ ایک دن اس نے ایک لکڑہارے کو دیکھا کہ سر پر لکڑیوں کا گٹھا اٹھائے لڑکھڑاتا ہوا آ رہا تھا درویش کو اس پر بڑا رحم آیا۔ اس نے دل میں سوچا کہ میری جیب میں کچھ سکے ہیں۔ کیوں نہ اس کو دے دوں کہ اس کے دو تین دن آرام سے کٹ جائیں۔

درویش کے دل میں یہ خیال گزر رہی تھا کہ لکڑ ہارے کی پیشانی پر بل پڑ گئے اور وہ ہیبت ناک شیر کی طرح اس کی طرف بڑھا۔ درویش کے جسم پر اس کی ہیبت سے لرزہ طاری ہو گیا۔ لکڑ ہارے نے لکڑیوں کا گٹھا اس کے سامنے دے مارا۔ درویش کی نظر اس پر پڑی تو دیکھا کہ سب لکڑیاں سونے کی بن گئی ہیں۔ درویش یہ دیکھ کر سکتے میں آ گیا لکڑ ہارے نے یہ کہہ کر میرا رازق خدا ہے تو نہیں، وہ گٹھا پھر سر پر رکھ لیا اور شہر کی طرف چل دیا۔

اب جو درویش نے دیکھا تو سونا پھر لکڑیوں میں تبدیل ہو گیا تھا۔

دعا کا معیار:

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک صحابی سخت بیمار ہو گئے اور شدت ضعف و نقاہت کی وجہ سے اٹھنے بیٹھنے سے بھی معذور ہو گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خبر ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کی بیمار پرسی کے لئے تشریف لے گئے۔ انہوں نے جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا تو فرط مسرت سے اٹھ کر بیٹھ گئے اور عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے ماں باپ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر قربان یہ کتنا مبارک مرض ہے کہ اس کی بدولت میرے غریب خانے کو صبح سویرے شاہ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پائے اقدس چومنے کی سعادت حاصل ہوئی اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ احسان اور شکر ہے کہ اس نے مجھ کو اس بڑھاپے میں ایسی بیماری میں مبتلا کیا کہ میرے آقا مولا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دریائے رحمت جوش میں آ گیا۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تو نے کوئی نامناسب دعا مانگی جو بارگاہ الٰہی میں قبول ہو گئی۔ ذرا یاد کر تو نے کیا دعا مانگی تھی۔ صحابی نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دعا تو میں نے ضرور مانگی تھی لیکن اس وقت وہ میرے ذہن سے اتر گئی ہے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دعا فرمائیں کہ مجھے یاد آ جائے۔

سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے حق میں دست دعا پھیلا دیئے۔ معاً ان کو وہ دعا یاد آ گئی اور انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھ کو اپنی دعا یاد آ گئی ہے۔ میں نے بارگاہ الٰہی میں عرض کی تھی کہ الٰہی میرے گناہوں کا جو عذاب تو نے مجھے آخرت میں دینا ہے وہ اسی دنیائے آب وگل میں دے دے یہ دعا میں نے بار بار مانگی۔ یہاں تک بیمار ہو گیا۔ یہ بیماری اس قدر بڑھی کہ میں سوکھ کر کانٹا ہو گیا اور عبادت و ذکر الٰہی کرنے سے بھی معذور ہو گیا اور برے بھلے اپنے بیگانے سب فراموش ہو گئے۔ اگر آپ کا روئے اقدس نہ دیکھتا تو بس میرا کام تمام ہو چکا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لطف وکرم اور غم خوار نے مجھ کو دوبارہ زندہ کر دیا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، خبردار ایسی دعا پھر کبھی نہ کرنا، انسان تو ایک کمزور چیونٹی کی مانند ہے اس میں یہ طاقت کہاں کہ آزمائش کا اتنا بڑا پہاڑ اٹھا سکے۔

صحابیؓ نے عرض کی کہ اے شاہ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میری ہزار بار توبہ ہے کہ آئندہ کبھی ایسی بات زبان پر لاؤں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اب آئندہ کے لئے میری رہنمائی فرمائیں۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تو حق تعالیٰ سے ہمیشہ یہ دعا مانگا کر کہ اے خدا مجھ کو دنیا اور آخرت میں نیکی عطا فرما اور میرے راستے کی مشکلوں کو آسان کر دے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی آزمائش سے پناہ مانگی چاہئے۔

س

سلطان محمود غزنویؒ اور چوروں کی جماعت:

سلطان محمود غزنوی ایک دن اپنے معلوم کے مطابق رات کو بھیس بدل کر گشت کر رہا تھا گشت کرتے کرتے اس کو چوروں کی ایک جماعت ملی۔ انہوں نے سلطان سے پوچھا کہ تم کون ہو؟

سلطان نے کہا میں بھی تمہارا ہی ایک ہم پیشہ ہوں۔ اس پر ایک چور نے کہا کہ ہم پیشہ دوستو ذرا اپنا اپنا فن تو بتاؤ۔ ہر شخص بتائے کہ اس کو کس بات میں کمال حاصل ہے۔ ان میں سے ایک بولا کہ میرے کانوں میں عجیب خوبی ہے۔ جب ان میں کتے کی بھونکنے کی آواز آتی ہے میں فوراً سمجھ جاتا ہوں کیا وہ کیا کہتا ہے۔

دوسرے نے کہا کہ میری آنکھوں میں یہ خاصیت ہے کہ میں جب کسی کو رات کے اندھیرے میں دیکھ لیتا ہوں تو دن کے وقت اس کو بغیر کسی وقت کے پہچان لیتا ہوں۔

تیسرے نے کہا کہ میرے بازوؤں میں یہ طاقت ہے کہ وہ بغیر کسی ہتھیار کی مدد کے نقب لگا سکتے ہیں۔

چوتھے نے کہا کہ میری ناک میں یہ خاصیت ہے کہ میں کسی جگہ کی مٹی سونگھ کر بتا سکتا ہوں کہ کس جگہ خزانہ گڑا ہے اور اس کی مقدار کیا ہے

پانچویں نے کہا کہ میرے پنجے میں اتنی قوت ہے کہ خواہ کتنے ہی بلند محل پر کمند پھینکوں وہ اس کے کنگرے کو پکڑ لیتی ہے۔

پانچوں چور اپنا اپنا کمال بیان کر چکے تو وہ سلطان سے مخاطب ہوئے اور کہنے لگے کہ تو بھی اپنا کمال بیان کر

سلطان نے کہا کہ میری داڑھی میں یہ خاصیت ہے کہ وہ مجرموں کو قید سے رہا کرا دیتی ہے۔ یوں سمجھو کہ جب ان کو قتل کے لئے جلادوں کے سپرد کیا جاتا ہے اس

وقت اگر میں داڑھی ہلادوں تو وہ سب رہا ہو جاتے ہیں۔

چوروں نے یہ سن کر نعرہ لگایا کہ ترا کمال سب سے فائق ہے۔ اس لئے تو ہی ہمارا سردار ہے۔ ہمیں اب کسی مصیبت کا خوف نہیں۔ کیونکہ تیرا وجود ہماری رہائی کا ضامن ہے۔

اس کے بعد سب مل کر باہر نکلے اور قصر شاہی کے قرب پہنچے۔ اتنے میں دائیں طرف سے ایک کتا بھونکا۔ پہلے چور نے کہا کہ یہ کتا کہتا ہے کہ کوئی بادشاہ تمہارے قریب ہے۔ دوسرے چور نے مٹی سونگھ کر کہا کہ اس کے آس پاس شاہی خزانہ ہے۔ تیسرے چور نے محل پر کمند پھینکی اور سب اس کے سہارے دوسری طرف اتر گئے۔ اب نقب زن کی باری تھی۔ اس نے نہایت پھرتی سے نقب لگائی اور سب کو خزانے کے اندر پہنچا دیا۔ سب نے اپنی اپنی ہمت کے مطابق زر و جواہر اٹھا لئے اور اپنی جائے پناہ میں جا کر بیٹھ گئے۔ سلطان موقع پا کر وہاں سے کھسک گیا اور دوسرے دن سپاہیوں کو اس جائے پناہ کا پتہ دے کر چوروں کی گرفتاری کا حکم دیا۔ سپاہی دوڑے گئے اور سب چوروں کو آناً فاناً گرفتار کر کے لے آئے۔ جب ان کو سلطان کے سامنے پیش کیا گیا تو خوف سے ان کے چہرے زرد تھے اور جسم کانپ رہے تھے۔ جو چور رات کو دیکھے آدمی کو دن کے وقت پہچان لیتا تھا اس کی نظر جونہی سلطان کے چہرے پر پڑی اس نے ہاتھ باندھ کر عرض کی کہ اے ہمارے رات کے ساتھی اب وقت آ گیا ہے کہ آپ اپنے فن کا مظاہرہ کریں۔ ہم سب تو اپنا اپنا کمال دکھا چکے لیکن ہم میں سے کسی کا کمال ہمارے کام نہ آیا۔ ہاں شاید میرا کمال کچھ کام دے جائے کہ جس کی آنکھ نے اس شاہ ذیجاہ کو پہچان لیا ہے جو اپنی ریش مبارک ہلا کر مصیبت زدوں کو رہا کرا سکتا ہے۔

سلطان کو اس کی باتیں سن کر رحم آ گیا اور اس نے اپنی گردن ہلا کر حکم دیا کہ ان کو رہا کر دیا جائے۔

بدنام لوگوں سے ہمیشہ ننگ و عار نہیں کرنی چاہئے بلکہ ہوشمندی کے ساتھ ان کے بھیدوں کو معلوم کرنا چاہئے۔

سلطان محمود اور اس کا ہندو غلام:

سلطان محمود غزنوی کو ہندوستان پر اپنے ایک حملے کے دوران میں جو مال غنیمت ہاتھ آیا اس میں ایک ہندو نوجوان بھی تھا۔ اس کی شرافت اور ذہانت کو دیکھ کر سلطان نے اس کو اپنا منہ بولا بیٹا بنالیا اور بے حد اعزاز و اکرام سے نوازا۔ یہاں تک کہ ایک دن اس کو تخت شاہی پر اپنے پہلو میں بٹھالیا۔ اس وقت وہ نوجوان پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ سلطان نے پوچھا یہ رونے کا کون سا موقع ہے اس وقت تو تجھ کو خوش ہونا چاہئے کہ تو تخت شاہی پر بیٹھا ہے اور تمام وزیر و امیر اور شاہی لشکر تیرے سامنے دست بستہ کھڑا ہے۔

نوجوان نے عرض کہ کہ رونا اس لئے ہے کہ اپنے وطن میں میری ماں جب ناراض ہوتی تھی تو یہ کہہ کر مجھ کو ڈرایا کرتی تھی کہ خدا کرے تو محمود کے ہاتھوں میں گرفتار ہو جائے۔ اس وقت میرا باپ میری ماں کو جھڑکتا تھا کہ تو کس قدر بے رحم اور سنگدل ہے کہ اپنے لخت جگر کو ایسی بد دعا دیتی ہے۔ محمود کے ہاتھ میں گرفتار ہونے سے بڑھ کر محمود کا نام سن کر میرے جسم پر کپکپی طاری ہو جاتی تھی۔ اے سلطان اب میں اس بات پر روتا ہون کہ کاش میرے ماں باپ یہاں ہوتے اور اپنی آنکھوں سے دیکھتے کہ سلطان نے میرے ساتھ کیا سلوک کیا ہے اور ان کی بدگمانی کس قدر ناجائز تھی۔

اے تنگ نظر فقر ہی وہ محمود ہے جس سے تیری طبع نامراد تجھ کو ڈراتی رہتی ہے۔ اگر تو محمود کے لطف و کرم سے آگاہ ہو جائے تو ہمیشہ یہ دعا کرے کہ حق تعالی تجھے عاقبت محمود نصیب کرے۔

سچا خواب:

تین آدمی اکٹھے سفر کر رہے تھے۔ ان میں سے ایک مسلمان، ایک یہودی اور ایک عیسائی تھا۔ راستے میں ایک گاؤں میں انہوں نے قیام کیا۔ ایک نیک آدمی ان کے لئے شہد کے حلوے کی ایک قاب لے آیا۔ اتفاق سے یہودی اور عیسائی دونوں بدہضمی میں مبتلا تھے اور ان کا جی کسی چیز کے کھانے کو نہ چاہتا تھا۔ ادھر مسلمان روزے سے تھا۔ اس لئے وہ بھی حلوہ نہ کھا سکتا تھا۔ جب شام ہوئی تو مسلمان کو سخت بھوک لگی لیکن اس کے ساتھیوں نے کہا کہ اس وقت تو ہم سیر ہیں اس لئے اس حلوے کو کل کے لئے رکھ چھوڑ دیں مسلمان نے کہا نہیں اسے تازہ تازہ کھا لینا چاہئے۔ آخر کل تک صبر کرنے میں کیا تک ہے۔

ان دونوں نے کہا کہ ہم تری نیت کو بھانپ گئے ہیں۔ تو چاہتا ہے کہ اکیلا ہی سارا حلوہ ہڑپ کر جائے۔

مسلمان نے کہا کہ دوستو ہم تین آدمی ہیں۔ چونکہ ہم میں اختلاف رائے پیدا ہو گیا ہے۔ اس لئے بہتر ہے کہ اس حلوے کو آپس میں بانٹ لیں۔ پھر جس کا جی چاہے ابھی کھا لے اور جس کا جی چاہے کل کے لئے رکھ چھوڑے۔ لیکن یہودی اور عیسائی اپنی ضد پر اڑے رہے۔ اب بیچارے مسلمان کے لئے خاموش رہنے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔ تینوں سو گئے اور صبح اٹھ کر ضرورت اور عبادت سے فارغ ہو کر ایک جگہ بیٹھ گئے۔ ایک نے کہا کہ رات کو جس نے جو خواب دیکھا ہو وہ بلا کم و کاست بیان کر دے جس کا خواب سب سے اچھا ہو وہ سارا حلوہ کھا لے۔ سب نے اس بات پر اتفاق کر لیا۔ سب سے پہلے یہودی نے کہا کہ رات کو میں نے خواب میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیکھا وہ کوہ طور کی طرف جا رہے تھے۔ میں بھی ان کے پیچھے پیچھے چل پڑا۔ کوہ طور پر پہنچے تو ایک نور نے ہم کو ڈھانپ لیا۔ پھر اس نور میں سے ایک اور نور پھوٹا جس کی چمک میں کوہ طور، حضرت موسیٰ علیہ السلام اور میں تینوں گم ہو گئے۔ ایک ٹکڑا سمندر میں گرا اور اس کا تلخ زہر پانی میٹھا ہو گیا دوسرا ٹکڑا زمین

پر گرا تو وہاں سے پانی کا ایک چشمہ جاری ہو گیا۔ اس پانی کو حق تعالیٰ نے بیماریوں کے لئے شفا بنا دیا۔ پہاڑ کا تیسرا ٹکڑا کعبہ کے قریب عرفات پر جا گرا۔ پھر جب مجھ کو ہوش آیا تو میں نے دیکھا کہ طور اپنی جگہ پر قائم تھا لیکن وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاؤں کے نیچے برف کی طرح پگھل رہا تھا اور اس کی بلندیاں پستیوں میں تبدیل ہو رہی تھیں۔ پھر میں نے ہزارہا انبیا اور فرشتے دیکھے جو طور کی طرف آ رہے تھے۔ غرض یہود بڑی دیر تک اس قسم کی باتیں بناتا رہا۔ جب وہ خاموش ہوا تو عیسائی نے اپنا خواب بیان کرنا شروع کیا۔ اس نے کہا کہ میں نے خواب میں حضرت مسیح علیہ السلام کی زیارت کی۔ میں ان کے ساتھ چوتھے آسمان پر گیا اور وہاں ایسے ایسے عجائبات دیکھے کہ زبان ان کے بیان کرنے سے عاجز ہے۔ بس یوں سمجھو کہ اس دنیا کی چیزوں کو ان آسمانی اشیاء سے کوئی نسبت ہی نہیں۔ غرض اس نے بھی زمین آسمان کے قلابے ملا دیئے۔ اب مسلمان کی باری آئی۔ اس نے کہا کہ میرے دوستوں میں خواب میں اپنے آقا و مولا جناب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوا۔ وہ سرداروں کے سردار، وہ جہان کے بادشاہ، ہادی اکرم، فخر کونین، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کہ تیرے ساتھیوں میں سے ایک تو طور پر گیا ہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ عشق الٰہی میں مشغول ہو گیا ہے۔ دوسرے کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام چوتھے آسمان پر لے گئے ہیں۔ یہاں اب تو اکیلا رہ گیا ہے اٹھ اور اس حلوے کو کھا لے۔ ان دونوں کو تو بڑے مرتبے حاصل ہوں گے اور وہ فرشتوں میں جا ملے ہیں تو یہاں عاجز درماندہ ہو کر بیٹھا ہے اس حلوے کی قاب پر ہی قناعت کر۔ یہ سن کر یہودی اور عیسائی دونوں کے کان کھڑے ہوئے اور انوں نے کہا کہ اے بیوقوف لالچی کیا تو سارا حلوہ کھا گیا ہے؟ اس نے کہا صاحبو! جب مجھ کو میرے آقا و مولا دونوں جہان کے بادشاہ کوئی حکم دیں تو میری کیا مجال کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے سرتابی کروں۔ اے یہودی اگر تجھ کو حضرت موسیٰ کلیم اللہ کوئی حکم

دیں تو کیا تو اس کے ماننے سے انکار کر دے گا؟ اگر تم اپنے پیشواؤں کے کسی حکم کو نہیں ٹال سکتے تو یہ کیسے ممکن تھا کہ میں اپنے آقا و مولا فخر انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے سرتابی کرتا۔ میں نے تو حضورﷺ کے حکم کی تعمیل میں وہ حلوا فوراً کھالیا۔

یہ سن کر وہ دونوں یک زبان ہو کر بولے کہ خدا کی قسم تیرا خواب سچا ہے۔ تو نے جو کچھ دیکھا ہے وہ ہمارے سو خوابوں سے بھی اچھا ہے۔ تیرا خواب عین بیداری ہے کیونکہ تو نے خواب میں اپنی مراد حاصل کرلی تیرا یہ خواب تو انبیاء کے خواب کی مانند ہے جو کہ بے تعبیر سچا ہو گیا۔

سانپ کی چوری:

ایک چور نے کسی سپیرے کا سانپ چرا لیا۔ وہ اس مال غنیمت کے ملنے پر بڑا خوش تھا، لیکن خدا کا کرنا کہ اس سانپ نے چور کو ڈس لیا اور وہ اس کے زہر سے آناً فاناً تڑپ کر مر گیا۔ سپیرا اپنے سانپ کی تلاش میں ادھر ادھر پھر رہا تھا کہ اس کی نظر چور کی لاش پر نظر پڑی۔ اس کو دیکھ کر وہ بے اختیار سجدہ شکر میں گر پڑا اور کہنے لگا کہ میں تو دعا کر رہا تھا کہ مجھ کو چور مل جائے اور میں اس سے اپنا سانپ واپس لے لوں۔ لیکن شکر ہے کہ میری دعا رد ہو گئی۔ سانپ کی چوری کو میں اپنا نقصان سمجھ رہا تھا لیکن حقیقت میں وہ میرے لئے فائدہ مند ثابت ہوئی۔

خاص کلام یہ کہ اللہ تعالی اپنی مصلحتوں کو بہتر سمجھتا ہے۔ دنیا کی کئی چیزوں کو ہم اپنے لئے فائدہ مند سمجھتے ہیں لیکن حقیقت میں وہ ہمارے لئے نقصان دہ ہوتی ہیں۔

ش

شکاری اور دانا پرندہ:

ایک شکاری کے جال میں چھوٹا سا پرندہ پھنس گیا۔ وہ اس کو ذبح کرنے لگا تو پرندے نے کہا کہ اے بزرگ سردار مجھ جیسے چھوٹے سے پرندے کو آپ کھا بھی جائیں گے تو آپ کا کچھ نہیں بنے گا۔ اب تک آپ اتنے اونٹ گائیں اور بھینسیں کھا چکے ہیں۔ اگر آپ ان سے سیر نہیں ہوئے تو مجھ ننھی سی جان سے آپ کا پیٹ کیا بھرے گا۔ اس کی بجائے اگر آپ مجھ کو آزاد کردیں تو یہ آپ کا کرم اور جوان مردگی ہوگی۔ دوسرے اگر آپ مجھے چھوڑ دیں تو میں آپ کو تین ایسی کام کی باتیں بتاؤں گا کہ آپ ہمیشہ ان سے فائدہ اٹھائیں گے۔ پہلی نصیحت تو میں آپ کے ہاتھ پر بیٹھے بیٹھے ہی کر دوں گا۔ دوسری نصیحت دیوار پر بیٹھ کر کروں گا اس کو سن کر آپ کو کمال خوشی ہوگی تیسری نصیحت پیڑ پر بیٹھ کر دوں گا۔ اس میں آپ کی بہتری ہوگی۔

شکاری راضی ہوگیا اور اس نے پرندے کو اپنے ہاتھ پر بٹھایا۔ پرندے نے کہا پہلی نصیحت یہ ہے کہ ناممکن (محال) بات خواہ کیسا ہی شخص کہے اسے باور نہ کر۔

شکاری نے پرندے کو آزاد کر دیا۔ وہ پھر سے اڑ کر دیوار پر جا بیٹھا اور وعدے کے مطابق دوسری نصیحت یہ کی کہ گزری ہوئی بات کا غم نہ کر۔ اس کے بعد پرندے نے کہا میرے پوٹے میں دس درم وزن کا ایک بیش قیمت موتی ہے اگر وہ تجھ کو مل جاتا تو تو اور تیری آل اولاد کو نہال کر دیتا۔ یہ تو ایسا نادر موتی ہے کہ تمام دنیا میں اس کی نظیر نہیں مل سکتی۔ افسوس کے تو نے مجھے آزاد کر کے یہ موتی اپنے ہاتھ سے گنوا دیا۔

شکاری یہ سن کر سر پکڑ کر بیٹھ گیا اور بچوں کی طرح بلک بلک کر رونے لگا۔ بار بار سرد آہیں بھرتا تھا اور اپنی قسمت کو کوستا تھا کہ میں اس پرندے کے جھانسے میں آ گیا اور اپنے پاؤں پر کلہاڑا مار لیا۔

پرندے نے کہا معلوم ہوتا ہے کہ تم نے میری نصیحتیں پلے نہیں باندھیں۔ میں

نے تم سے کہا تھا کہ گزری بات کا غم نہیں کرنا چاہئے۔ کیونکہ اس سے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ میری دوسری نصیحت یہ تھی کہ ناممکن بات پر ہرگز یقین نہ کرو۔ ارے میاں ذرا سوچو تو کہ میرا سارا وزن تین درم سے زیادہ نہ ہوگا۔ بھلا دس درم وزن کا موتی میرے جسم کے اندر کیسے سما سکتا ہے۔

پرندے کی بات سن کر شکاری کی آنکھیں کھل گئیں۔ دل میں کہنے لگا بات تو یہ پرندہ قرینے کی کہتا ہے۔ تین درم تو اس کا سارا ان وزن ہے۔ دس درم وزن اس کے پوٹے میں کیسے رہ سکتا ہے۔ پھر پرندے سے کہنے لگا کہ اے خوش نما پرندے اپنی تیسری نصیحت بھی اب سنا دے۔

پرندے نے کہا یہ بھی خوب رہی ارے میاں تو نے میری پہلی دو نصیحتوں پر کب عمل کیا کہ اب تیسری ضائع کروں۔ یہ کہہ کر خوش خوش وہاں سے پرواز کر گیا۔

خود دماغ جاہل کو کوئی نصیحت کرنا ایسا ہے جیسے بنجر زمین میں بیج ڈالنا۔

شیخی خور کی ندامت:

ایک کمینے آدمی کو دنبے کی چکتی کا ایک ٹکڑا مل گیا۔ وہ روزانہ صبح کو اس سے اپنی مونچھیں تر کرتا اور پھر امیر لوگوں میں جا کر کہتا کہ آج خوب مرغن غذائیں کھائی ہیں۔ یہ شیخی بگھارتے ہوئے وہ بار بار اپنی مونچھوں کو تاؤ دیتا تھا کہ وہ اس کی بات پر یقین کر لیں اس نادان کی زبان تو ڈینگیں مار رہی ہوتی اور اس کا معدہ اس کا مونچھوں پر لعنتیں بھیج رہا ہوتا کہ خدا کرے اس کی مونچھیں برباد ہوں۔ اگر یہ کمبخت جھوٹ نہ بولتا تو شاید کوئی اللہ کا بندہ رحم کھا کر میری بھوک دور کر دیتا۔

خدا کا کرنا ایک دن ایک بلی چربی کا وہ ٹکڑا اڑا لے گئی۔ گھر کے لوگ بہتیرا اس کے پیچھے بھاگے لیکن وہ ہاتھ نہ آئی۔ شیخی خورے کا ایک کم سن بیٹا تھا۔ باپ کے ڈر سے اس کا رنگ فق ہو گیا اور وہ ڈرتا ہوا اس محفل میں گیا جہاں اس کا باپ ڈینگیں مار رہا تھا لڑکے نے وہاں جاتے ہی رونا شروع کر دیا۔ باپ نے پوچھا تجھے کیا ہوا؟

اس نے کہا کہ آپ جس چربی سے روزانہ اپنی مونچھیں چکنی کیا کرتے تھے وہ بلی لے گئی۔ میں بہتیرا اس کے پیچھے بھاگا لیکن میری سب بھاگ دوڑ بے سود ثابت ہوئی۔ لڑکے کی بات سن کر اہل محفل بے اختیار ہنس دیئے اور شیخی خورے پر گھڑوں پانی پڑ گیا۔ اب اس میں کسی سے آنکھ ملا کر بات کرنے کی ہمت بھی نہ تھی۔ تاہم کچھ نرم دل امیروں کو اس کے حال پر رحم آیا اور وہ اس کو دعوتوں میں بلا کر پیٹ بھر کر کھلانے لگے۔ جب اس نے اہل کرم کے برتاؤ سے سچائی کا مزہ چکھا تو بے جا گھمنڈ اور ڈینگ بازی سے ہمیشہ کے لئے توبہ کر لی

تو ہمیشہ سچائی کو اپنا شعار بنا لے تا کہ دونوں جہان میں نیک نام ہو۔

شیخ ابوالحسن خرقانیؒ اور ان کی بیوی:

طالقان کے رہنے والے ایک درویش کو شیخ ابوالحسن خرقانیؒ کی زیارت کا از حد اشتیاق تھا۔ اس نے شیخ کی شہرت مدت سے سن رکھی تھی۔ لیکن راستے کی دوری اور مصیبتوں کا خیال کرتا تھا تو خرقان جانے کی ہمت نہ پڑتی تھی آ کر ایک دن شیخ کے شوق زیارت نے اس کو بے تاب کر دیا اور وہ عازم خرقان ہو گیا۔ پہاڑ جنگل، وادیاں اور دریا عبور کرتا ہوا وہ ایک طول اور پر صعوبت سفر کے بعد منزل مقصود پر پہنچ گیا۔ اور شیخ ابوالحسنؒ کا مکان ڈھونڈ کر دروازے پر دستک دی۔ ایک عورت نے کھڑکی سے سر باہر نکال کر پوچھا کہ تم کون ہو اور کس سے ملنا چاہتے ہو؟ درویش نے جواب دیا کہ میں فلاں شہر سے حضرت ابوالحسنؒ کی زیارت کے لئے حاضر ہوا ہوں۔

اس عورت نے ایک بلند قہقہہ لگایا اور کہا کہ واہ میاں درویش! بھلا یہ بھی کوئی مقصد تھا جس کے لئے تو نے اتنا طویل اور کٹھن سفر کیا۔ معلوم ہوتا ہے تو نے دھوپ میں اپنی داڑھی سفید کی ہے۔ تمہاری عقل و دانش پر تو رونے کو جی چاہتا ہے۔ شاید اپنے گھر میں تجھ کو کوئی کام نہ تھا جو آوارہ گردی کرتے ہوئے یہاں آ گئے۔ غرض ان بی بی صاحبہ نے ایسی نامناسب اور بیہودہ باتیں کیں کہ ان کی تکرار سے بھی شرم آتی

ہے۔ یہ عورت شیخ ابوالحسنؒ کی اہلیہ تھی۔ درویش اس کی باتیں سن کر بڑا پریشان ہوا اور اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ تاہم اس نے ہمت کر کے پوچھا کہ حقیقت حال کچھ ہی ہو یہ تو بتایئے کہ شیخ ہیں کہاں؟ عورت نے کہا کہ وہ تو ایک مکار، دھوکے باز، جھوٹا بسیار خور اور ڈینگ باز شخص ہے۔ اس نے دھوکے کا جال بچھا رکھا ہے جس میں احمق پھنس کر گمراہ ہو جاتے ہیں۔ اگر تو اس سے ملے بغیر واپس چلا جائے تو گمراہ ہونے سے بچ جائے گا اس قوم کے لوگ تو اب سطحی اور در گوسالہ پرست ہو گئے ہیں جو سامری کے بچھڑے جیسے ایک آدمی پر مٹے ہوئے ہیں۔ افسوس کہ لوگ پیغمبرﷺ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے طریقہ سے غافل ہو گئے۔ اب وہ پر خلوص نماز، روزہ اور ذکر و شغل کہاں۔ ان لوگوں نے تقویٰ اور احکام شریعت کو پس پشت ڈال دیا ہے۔ آج تو ایک عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ضرورت ہے جو سختی سے ان لوگوں کا محاسبہ کرے۔

درویش کو یہ باتیں سن کر سخت غصہ آیا اور اس نے للکار کر کہا کہ اپنی بکواس بند کر شیخ کے انوار و فیوض سے ایک دنیا جگمگا رہی ہے اور ان کی عظمت نے افلاک کی رفعتوں کو چھو لیا ہے۔ چاند پر تھوکنے والا فی الحقیقت اپنے منہ پر تھوکتا ہے۔ کتا دریا میں گر جائے تو دریا نجس نہیں ہوتا۔ آفتاب عالم تاب پر لاکھ پھونکیں مارو وہ کبھی بجھ نہیں سکتا۔ غرض درویش نے شیخ کی اہلیہ کو ایسی کھری سنائیں کہ وہ اپنا سا منہ لے رہ گئی۔ پھر وہ وہاں سے نکل کر شہر کے لوگوں سے شیخ کا پتہ پوچھنے لگا۔ کسی نے بتایا کہ شیخ پہاڑ سے ایندھن لانے گئے ہیں۔ درویش شیخ کی زیارت کے لئے اسی طرف چل دیا۔ راستے میں اس کے دل میں وسوسہ پیدا ہوا کہ شیخ نے ایسی مکار اور بد زبان عورت کو اپنے گھر میں کیوں رکھ چھوڑا ہے۔ شیخ اور وہ ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ پھر ان دو ضدوں میں ربط کیسے قائم ہے۔ ایسے امام زمانہ کا ایک شیطان کے ساتھ کیسے نباہ ہوتا ہے۔ پھر اس نے لاحول پڑھی اور سوچا کہ اس میں بھی کوئی بھید ہو

گا۔ شیخ کے بارے میں ایسے وسوسے دل میں لانا بہت برا ہے۔ درویش اسی ادھیڑ بن میں جا رہا تھا کہ اس کی نظر ایک شخص پر پڑی جو شیر پر سوار اس کی طرف آ رہا تھا۔ شیر کی پیٹھ پر لکڑیاں لدی تھیں اور لکڑیوں پر وہ شخص ہاتھ میں سانپ کا کوڑا لئے بیٹھا تھا۔ درویش سمجھ گیا کہ یہی شیخ ابوالحسن خرقانیؒ ہیں۔ آپ نے مرید کو دور سے دیکھا اور ہنس کر فرمایا کہ نفس کی باتوں کو نہ سن۔ دراصل شیخ نے درویش کے مافی الضمیر کو پڑھ لیا تھا۔ درویش نے تمام واقعات جو اس کو پیش آئے تھے بلاکم کاست شیخ کے گوش گذار کر دیئے۔ شیخ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ بلند مقام اپنی بیوی کی بدزبانی پر صبر کرنے کی وجہ سے عطا فرمایا ہے۔ اگر میں اس کی ہرزہ سرائیاں برداشت نہ کرتا تو یہ شیر نر میرا مطیع کیسے ہوتا ہے۔

اگر میرا اس عورت کا بوجھ نہ اٹھا سکتا تو یہ شیر نر میرا بوجھ کیسے اٹھاتا

ص

صحبت ناجنس:

اتفاق سے ایک ندی کے کنارے ایک چوہے اور ایک مینڈک میں دوستانہ ہو گیا دونوں ہر صبح ایک مقررہ جگہ پر جمع ہوتے اور بڑی دیر تک ایک دوسرے سے محبت آمیز باتیں کرتے تھے۔اس دوران میں وہ طرح طرح کے قصوں اور لطیفوں سے ایک دوسرے کا دل خوش کرتے ان کی یہ محبت اس قدر بڑھی کہ ایک دن چوہے نے مینڈک سے کہا کہ پیارے دوست روزانہ صرف ایک بار ملاقات سے تو جی نہیں بھرتا۔ میں تو چاہتا ہوں کہ جب آؤں ہماری ملاقات ہو جائے لیکن مصیبت یہ ہے کہ تم پانی کے رہنے والے ہو اور میری تخلیق خاک سے ہوئی ہے۔وقت بے وقت تم سے ملاقات ہو تو کیونکر ہو۔

آخر دونوں میں یہ تجویز قرار پائی کہ اک رسی لے کر اس کا ایک سرا مینڈک اپنے پاؤں میں باندھ لے اور دوسرا چوہا اپنے پاؤں میں۔چوہا جب مینڈک کو خشکی پر بلانا چاہے تو وہ رسی کو ذرا سا کھینچ دے۔مینڈک فوراً پانی سے باہر آجائے گا۔گو مینڈک کو یہ تجویز دل سے پسند نہ تھی۔تاہم اس نے دوست کی خاطر اسے قبول کر لیا۔اس طریقے سے دونوں کی باہمی ملاقاتوں کے کئی دن گزر گئے۔کرنا خدا کا ایک دن ایک کوے نے چوہے پر جھپٹا مارا اور اس کو اپنی چونچ میں پکڑ کر ہوا میں بلند ہو گیا۔اس کے ساتھ ہی مینڈک بھی ہوا میں لٹک گیا۔کیونکہ اس کا پاؤں رسی سے بندھا ہوا تھا۔ لوگ یہ نظارہ دیکھ کر حیران ہوتے تھے کہ اس مکار کوے نے پانی کے مینڈک کا شکار کیسے کر لیا۔آخر کوے اور مینڈک میں کیا نسبت ہو سکتی ہے اور کوا پانی کے اندر کیسے گھس سکتا ہے۔

ادھر مینڈک اپنے دل میں کہہ رہا تھا کہ یہ صحبت ناجنس کی سزا ہے

ہائے ہائے صحبت ناجنس سے خدا محفوظ رکھے۔اے بزرگو! اپنی دوستی کے لئے

نیک ہم جنس کو ڈھونڈو

صوفی، مسافر اور گدھا:

ایک صوفی سفر کرتا ہوا کسی خانقاہ میں پہنچا اور اپنے گدھے کو اصطبل میں باندھ کر اپنے ہاتھ سے اس کو چارہ پانی دیا اور پھر خانقاہ میں آ کر بیٹھ گیا۔ اس خانقاہ کے صوفی بڑے مفلس اور قلاش تھے اور جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے بعض دفعہ مفلسی کفر تک پہنچا دیتی ہے۔ ان صوفیوں کی مفلسی بھی ان کو گمراہ کرنے کا باعث بن گئی۔ ان سب نے مل کر مسافر صوفی کا گدھا بیچ ڈالا اور اس کا جواز یہ سوچا کہ ضرورت کے وقت مردار بھی حلال ہو جاتا ہے۔

(یعنی ضرورت پر مردار کا کھانا بھی روا ہے۔ اس حالت میں ناجائز بھی جائز ہو جاتا ہے)

گدھے کے پیسے کھرے کر کے صوفیوں نے پر تکلف کھانا تیار کیا اور خانقاہ میں خوب روشنی کی۔ ساری خانقاہ میں شور مچ گیا کہ آج رات دعوت کے بعد مجلس سماع منعقد ہوگی۔ صوفی دل میں سوچتے تھے کہ خدا نے آج خوب موقع دیا ہے کہ دولت خود چل کر ہمارے گھر آ گئی ہے آخر ہم بھی انسان ہیں اور جان رکھتے ہیں مسلسل فاقہ کشی اور دریوزہ گری نے ہمارا حلیہ بگاڑ دیا ہے۔ آج تو ہم دل کھول کر جی کی حسرتیں نکالیں گے۔ وہ مسافر بڑی دلچسپی سے یہ چہل پہل دیکھ رہا تھا۔ اس بچارے کو یہ علم نہیں تھا کہ یہ سب کچھ اس کے گدھے کے طفیل ہے۔ اتنے میں خانقاہ کے صوفی اہلا وسہلا ومرحبا کی تکرار کرتے ہوئے اس کے گرد جمع ہو گئے۔ کوئی اس کے پاؤں دباتا۔ کوئی سر کی بلائیں لیتا اور احترام کے اظہار کے طور پر اس کے رخسار وچشم پر بوسہ دیتا۔ کوئی اس کے بستر کی گرد جھاڑتا، کوئی پوچھتا کہ حضرت کہاں تشریف رکھیں گے۔ غرض یہ تمام مکار، مسافر صوفی کے آگے بچھے جاتے تھے۔ اس نے دل میں سوچا کہ یہ صوفی بڑے مہمان نواز اور متواضع ہیں۔ آج کی رات ان

کے ساتھ بڑے مزے میں کٹے گی۔ دسترخوان بچھا تو اس پر قسم قسم کے کھانے دیکھ کر اس کا جی خوش ہو گیا اور اس نے ان پر بڑھ بڑھ کر ہاتھ مارے۔ جب سب کھانے سے فارغ ہو گئے تو سماع شروع ہوا۔ خانقاہ کے صوفیوں نے تالیاں بجا بجا کر اور اچھل اچھل کر سماں باندھ دیا۔ جب سماع کی محفل خوب گرم ہو گئی تو قوال نے ایک نغمہ بلند سروں میں چھیڑ دیا اور خر برفت وخر برفت گدھا رخصت ہوا، گدھا رخصت ہوا، گدھا رخصت ہوا کی ٹیپ اس طرح الاپنی شروع کر دی کہ خانقاہ کے سب صوفیوں پر وجد طاری ہو گیا اور وہ سب مل کر قوال کے ساتھ یہی مصرعہ الاپنے لگے۔ وجد و سرور کے عالم میں وہ مسافر صوفی بھی ان کے ساتھ شامل ہو گیا اور گدھا رخصت ہوا، گدھا رخصت ہوا گاتا رہا۔ یہ محفل سماع ساری رات بڑی جوش وخروش سے جاری رہی۔ صبح ہوئی تو سب الوداع کہہ کر رخصت ہوئی اور خانقاہ میں مسافر صوفی اکیلا رہ گیا۔ تھوڑی دیر ستا کر اس نے اپنا سامان سفر باندھا اور حجرے سے نکل کر اس اصطبل کی طرف آیا تا کہ سامان گدھے پر لاد کر اگلی منزل کی طرف روانہ ہو۔ وہاں دیکھا تو گدھے کا نام ونشان بھی نہ تھا۔ اس نے دل میں سوچا کہ شاید خانقاہ کا خادم اس کو پانی پلانے لے گیا ہو گا کیونکہ شام کو اس نے پانی کم پیا تھا۔ جب خادم آیا تو صوفی نے پوچھا میرا گدھا کہاں ہے اس نے کہا کیسا گدھا ہوش کی دوا کرو۔ یہ سن کر مسافر صوفی آگ بگولا ہو گیا اور للکار کر کہا بے دین میں نے اپنا گدھا تیرے سپرد کر دیا تھا اور تجھ ہی کو اس کی نگرانی سونپی تھی میری امانت واپس کر دو ورنہ میں تجھ کو ابھی قاضی کے پاس لئے چلتا ہوں وہاں فیصلہ ہو جائے گا۔ قاضی کا نام سن کر خادم مرعوب ہو گیا اور بڑی لجاجت سے کہنے لگا کہ بھائی میرا کوئی قصور نہیں۔ ان سب صوفیوں نے مل کر گدھا مجھ سے زبردستی چھین لیا۔ بھلا سوچو تو بیسوں کے درمیان گوشت کا ٹکڑا پھینک دیا جائے تو وہ کیسے محفوظ رہ سکتا ہے۔ یہ تو ایسی مثال ہے۔

ایک روٹی اور سو بھوکے یا ایک لاغر بلی اور سو کتے

صوفی نے کہا مانا کہ ان ظالموں نے گدھا تجھ سے جبراً چھین لیا لیکن تو یہ تو کرسکتا تھا کہ مجھ کو اسی وقت ان کی دھاندلی کی اطلاع دے دیتا۔ اس وقت وہ یہاں موجود تھے میں ان سے اپنا گدھا واپس لینے کی کوئی تدبیر کرتا اب تو نکل گیا ہے سانپ لکیر پیٹا کر، والا معاملہ ہے۔ اب کس کو پکڑوں اور کس کو قاضی کے پاس لے جاؤں۔ تیری غفلت نے میرا بیڑہ غرق کر دیا ہے۔

خادم نے کہا خدا کی قسم میں کئی بار آیا کہ سارا ماجرا تیرے گوش گزار کروں۔ مگر جب دیکھا کہ تو خود بڑے ذوق شوق سے محفل سماع میں شریک ہے اور دوسرے صوفیوں کے ساتھ گدھا رخصت ہوا، گدھا رخصت ہوا کا راگ الاپ رہا ہے۔ تو میں یہی سمجھا کہ تجھ کو گدھے کے بک جانے کا علم ہے اور تو اپنے نقصان پر راضی ہے۔ اس لئے میں نے کچھ کہنا مناسب نہ سمجھا اور واپس چلا گیا۔ صوفی نے کہا میں تو یہ جملہ محض دوسروں کو دیکھ دیکھ کر دہراتا تھا۔ مجھ کو اصل حال کی کیا خبر تھی۔ افسوس مجھ کو ان کی اندھی تقلید نے برباد کر دیا۔ ایسی تقلید پر سو بار لعنت بالخصوص ایسے کمینوں کی تقلید جنھوں نے روٹی کے عوض اپنی آبر بیچ ڈالی۔

حاصل کلام یہ کہ طمع سو خرابیوں کی جڑ ہے۔ یہ انسان کی حیاء خودداری، غیرت اور دین کو برباد کر دیتی ہے۔ اس سے عقل پر پردہ پڑ جاتا ہے اور ضمیر مردہ ہو جاتا ہے ۔ یہ صوفی محض کھانے اور سماع کی لالچ میں اپنا گدھا ہاتھ سے گنوا بیٹھا۔

ض

ضیائے بلخی اور شیخ الاسلام تاج:

حضرت ضیائے بلخی ایک صاحب الہام بزرگ تھے اور ان کے چھوٹے بھائی تاج شیخ الاسلام تھے۔ یہ سلطنت کا سب سے اونچا سرکاری عہدہ تھا۔ تاج بڑے عالم و فاضل تھے اور ایک دنیا ان کے علم سے فیضیاب ہوتی تھی۔ حضرت ضیاء بڑے سادہ مزاج تھے اور ہر وقت رشد و ہدایت میں مشغول تھے۔ شیخ الاسلام تاج کے مزاج میں کسی قدر رعونت تھی اور وہ اپنے درویش بھائی کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ ضیاء دراز قد تھے اور تاج پست قد۔ ایک دن شیخ الاسلام تاج نے ازراہ تمسخر ان کو نصف تعظیم دی۔ حضرت ضیاء نے چھوٹے بھائی کی رعونت کو محسوس کر لیا اور فرمایا تم خاصے دراز قد تھے۔ تبرک کے طور پر کچھ درازی سرو چرا کر لے گیا اسی لئے تم پورے قد سے کھڑے ہونے میں شرماتے ہو۔

یہ سن کر شیخ الاسلام تاج پر گھڑوں پانی پڑ گیا۔

ع

عمادالملک کی سفارش:

ایک بادشاہ اپنے مصاحب کی کسی بات پر ایسا ناراض ہوا کہ نیام سے تلوار کھینچ لی اور چاہا کہ اس کا سر قلم کرے۔ دربار میں کسی کی مجال نہ تھی کہ دم مارے اور بادشاہ کو تلوار اٹھانے سے روکے، یا کوئی رحم کی سفارش کر سکے۔ اسی وقت عمادالملک مصاحب بادشاہ کے قدموں پر گر پڑا اور کہنے لگا کہ حضور اپنے کرم سے اس گستاخ مصاحب کی جاں بخشی فرمائیے یہ آپ کا غلام اور خیر خواہ ہے۔

بادشاہ نے عمارالملک کو اپنے قدموں میں گرا دیکھ کر تلوار نیام میں ڈال لی اور فرمایا کہ اے عمادالملک، جب تیرا قدم بیچ آ گیا تو میں نے اس گستاخ کو معاف کر دیا خواہ جرم کیا ہی قبیح ہو، میں اس سے راضی ہوں۔

وہ مصاحب، جو محض عمادالملک کی سفارش کے باعث موت سے بچا، اپنے سفارشی سے ناراض ہو کر دیوار کی جانب منہ کیے بیٹھ گیا تا کہ اس کی صورت دیکھے نہ اس سے سلام و کلام کی نوبت آنے پائے، یہ نہایت حیرت انگیز بات تھی کہ عمادالملک کا احسان ماننے اور اس کا شکریہ ادا کرنے کی بجائے وہ مصاحب الٹا اس سے خفا ہو گیا۔ درباریوں نے آپ میں کہا معلوم ہوتا ہے کہ یہ پاگل ہو گیا ہے ورنہ عمادالملک کے احسان کا یہ بدلہ نہ دیتا محض اس کی سفارش سے اس کی جان بچی ہے اور آج اس نے دوبارہ زندگی پائی ہے، اسے چاہئے تھا کہ عمادالملک کے تلوؤں کی خاک چاٹتا، لیکن یہ احسان فراموش اور کمینہ ثابت ہوا کہ ایسے مہربان اور شفیق سے منہ پھیر لیا۔

جب اس مصاحب پر لعن طعن ہوئی تو اس نے بھی مجبور ہو کر زبان کھولی اور کہا!

صاحب: اپنے بادشاہ پر سے میری جان نثار ہے میرے اور بادشاہ کے درمیان عماد الملک آخر کیوں سفارش بن کر آیا؟ میں نے تو غیر کی نفی کر رکھی ہے بلا سے بادشاہ میری گردن اڑا دیتا، میں اسی میں راضی ہوں اگر وہ ایک مرتبہ گردن کاٹے گا تو ایسی

ایسی باتیں سینکڑوں جانیں بھی عطا فرمائے گا، میرا فرض بادشاہ کا وفادار رہنا، اپنا سر دینا اور بے نفسی سے اس کی خدمت بجا لانا ہے اور بادشاہ کا فریضہ سر بخشنا ہے، مبارک ہے وہ گردن جو بادشاہ کے دست خاص سے کاٹی جائے اور ہزار لعنت ہے اس پر جو غیر کے سامنے اپنی ضرورت کے تحت ختم ہو۔

عطاروں کے بازار میں:

ایک چمڑہ رنگنے والا اپنی ضرورت کی کچھ چیزیں خریدنے کے لئے بازار میں گیا۔ جونہی وہ عطر فروشوں کے چوک میں پہنچا غش کھا کر گر پڑا۔ عطر کی خوشبو نے اس کا دماغ چکرا دیا اور یوں معلوم ہوتا تھا گویا اس کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی ہے۔ لوگ ہر طرف سے آ کر اس کے گرد جمع ہو گئے اور اس کے حال پر افسوس کرنے لگے۔ کوئی اس کے دل پر ہاتھ رکھتا تھا اور کوئی اس کے منہ پر گلاب چھڑکتا تھا۔ کوئی اس کے سر اور ہتھیلیوں کو سہلاتا تھا اور کوئی اس کو سوندھی مٹی بھگو کر سنگھاتا تھا۔ کوئی اس کو عود و شکر کی دھونی دیتا اور کوئی اس کے کپڑے اتار کر ہوا دیتا تھا لیکن وہ کسی تدبیر سے ہوش میں نہ آتا تھا۔ کسی کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ اس کو کیا ہوا۔ ہر شخص قیاسی گھوڑے دوڑا رہا تھا۔ کوئی کہتا تھا کہ شاید اس نے بھنگ پی لی ہے اور کوئی کہتا تھا کہ مرگی کا دورہ پڑا ہے۔ غرض جتنے منہ اتنی باتیں ایک شخص دوڑا دوڑا گیا اور اس کے بھائی کو اس کی بے ہوشی کی اطلاع دے دی۔ وہ بڑا ہوشیار تھا۔ سارا معاملہ فوراً سمجھ گیا۔ اس نے کہیں سے کتے کی تھوڑی سی غلاظت لی اور اس کو اپنی آستین میں چھپا کر موقع پر پہنچا اور لوگوں سے کہنے لگا کہ تم پرے ہٹ جاؤ۔ مجھ کو معلوم ہے کہ اس کی بے ہوشی کا کیا سبب ہے۔ اگر مرض کا سبب معلوم نہ ہو تو علاج بہت مشکل ہوتا ہے اور اگر مرض کی تشخیص ہو جائے تو علاج میں بہت آسانی ہوتی ہے دراصل وہ سمجھ گیا تھا کہ اس کا بھائی دن رات نجاست اور بدبو میں غرق رہتا ہے اور اس کے دماغ میں یکسر بدبو بس گئی ہے۔ اب جو اس کے دماغ میں عطر کی خوشبو پہنچی تو وہ اس کو

برداشت نہ کر سکا اور بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ اس کی بیماری کو صرف بدبو ہی دور کر سکتی ہے۔ تاہم وہ نہیں چاہتا تھا کہ لوگوں کو اس کے علاج کا علم ہو۔ چنانچہ وہ اپنا منہ اس کے سر کے پاس لے گیا۔ جسے کان میں کچھ پھونکتا ہو یا سرگوشی کرتا ہو اور پھر لوگوں کی نظر بچا کر کتے کی غلاظت اس کی ناک پر رکھ دی۔ جوں ہی اس کی بدبو اس کے بے ہوش بھائی کے دماغ میں پہنچی وہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کسی نے جادو کے زور سے اس کو زندہ کر دیا ہے۔ وہ اس کو کھینچ کر وہاں سے لیا گیا اور لوگ اس کی دانائی کی تعریفیں کرنے لگے

(جس کسی کو مشک سے کچھ فائدہ نہ ہو اس کا علاج سوائے بدبو کے کوئی نہیں ہے)

عمر فاروقؓ اور قیصر رام کا سفیر:

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالی عنہ کے عہد خلافت میں ایک دفعہ قیصر روم نے اپنا سفیر آپ کی خدمت میں بھیجا۔ جب وہ مدینہ منورہ پہنچا تو اس نے لوگوں سے پوچھا:

فلسفہ کا محل کہاں ہے تا کہ میں وہاں اپنا گھوڑا اور اسباب پہنچاؤں

لوگوں نے کہا: خلیفہ کا کوئی محل نہیں ہے۔ گو ان کی حکومت کا ڈنکا ساری دنیا میں بج رہا ہے لیکن وہ خود درویشوں کی طرح معمولی جھونپڑی میں رہتے ہیں۔ اگر تجھے ان کا مقام دیکھنے کی آرزو ہے تو پہلے اپنے دل و دماغ کو ہر قسم کے وسوسوں اور جذبات سے پاک کر لے۔

سفیر نے جب اہل مدینہ سے اس قسم کی باتیں سنیں تو اس کے دل میں خلیفہ سے ملنے کا اشتیاق اور بھی بڑھ گیا۔ چنانچہ اس نے گھوڑا اور اسباب وہیں چھوڑا اور خود حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالی عنہ کی تلاش میں سرگرداں ہو گیا۔ پھرتے پھرتے اس کا گزر ایک اعرابی خاتون کے پاس سے ہوا۔ اس سے خلیفہ کا پتہ پوچھا تو اس

نے کہا کہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کھجور کے اس درخت کے نیچے یکہ وتنہا سور ہے ہیں۔ سفیر ادھر بڑھا۔ جب اس کی نظر حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر پڑی تو ان کی ہیبت سے اس کے جسم پر لرزہ طاری ہو گیا۔ اگر چہ محبت اور ہیبت ایک دوسرے کی ضد ہے لیکن اس نے محسوس کیا کہ یہ دونوں ضدیں اس کے دل میں جمع ہو گئی ہیں۔ اس نے اپنے جی میں کہا میں نے بہت بادشاہ دیکھے ہیں اور ان کی صحبتوں میں رہا ہوں لیکن آج تک مجھے کسی بادشاہ سے خوف محسوس نہیں ہوا۔ معلوم نہیں اس شخص (حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کی ہیبت سے میرے اوسان کیوں خطا ہو گئے ہیں۔ میں شیروں اور چیتوں سے بھرے ہوئے جنگلوں میں بھی پھرتا رہا ہوں لیکن میرے چہرے پر خوف کی زردی کبھی نہیں چھائی۔ میں بارہا جنگلوں میں حصہ لیا ہے اور شیروں کی طرح لڑ کر دنیا پر اپنی شجاعت کا سکہ بٹھایا ہے۔ حریف کو زخم بھی لگائے ہیں اور اس سے زخم کھائے بھی ہیں لیکن میرے دل نے کبھی ایک لمحہ کے لئے بھی کمزوری نہیں دکھائی۔ لیکن آج معلوم نہیں کیا بات ہے کہ اس سوئے ہوئے نہتے آدمی کو دیکھ کر میرے جسم کی بوٹی بوٹی کپکپا رہی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ حق کی ہیبت ہے۔ اس گدڑی پوش آدمی کی نہیں۔

یعنی حق سے ڈر کر جس نے تقویٰ (پرہیز گاری) کی راہ اختیار کی، اس سے جن وانس اور ہر شے ڈرتی ہے۔

وہ دل ہی دل میں ایسی باتیں کر رہا تھا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آنکھ کھل گئی۔ سفیر نے آگے بڑھ کر جواب بڑے ادب سے آپ کو سلام کیا۔ آپ نے نہایت شفقت سے سلام کا جواب دیا۔ سفیر کو اپنے پاس بٹھا کر تسلی دی اور دیر تک اس کے ساتھ اسلام کی باتیں کرتے رہے۔ سفیر آپ کے اخلاق حسنہ اور سادگی سے اس قدر متاثر ہوا کہ اس کے دل سے کفر وشرک کا زنگ یکسر دور ہو گیا اور وہ مشرف بہ اسلام ہو گیا۔

غ

غصہ خدا کے غضب کا باعث ہے:

ایک شخص نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پوچھا کہ کائنات ارضی وسماوی میں سب سے سخت ترین چیز کونسی ہے؟

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ ہر شے سے سخت تر اللہ تعالیٰ کی ناراضی اور غضب ہے کہ اس سے دوزخ بھی لرزتا ہے۔

اس شخص نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کے غضب سے بچنے کی کیا صورت ہے؟

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ غصے پر قابو پانا سیکھو کیوں کہ غصہ اللہ تعالیٰ کے غضب کو دعوت دیتا ہے۔ جب غصہ آئے تو اللہ تعالیٰ کا غصہ یاد کرو اور اپنے غصے کو پی جاؤ جو شخص اپنے غصے پر قابو پانا نہیں سیکھتا اس کو اللہ تعالیٰ کی رحمت کی امید نہیں رکھنی چاہئے۔

غلاموں کا امتحان:

ایک بادشاہ نے دو غلام سستے داموں خریدے۔ ان میں سے ایک غلام سے اس نے کچھ باتیں کیں تو اس کو بڑا شیریں زبان اور حاضر جواب پایا۔ اس کی لیاقت اور ذہانت سے بادشاہ بہت خوش ہوا۔ اب اس نے دوسرے غلام کو اشارہ کیا کہ ادھر آؤ جب وہ بادشاہ کے سامنے آیا تو اس نے دیکھا کہ اس غلام کے کالے کالے دانت ہیں اور گندہ دہن ہے۔ بادشاہ کو اس سے گفتگو کرتے ہوئے کراہت محسوس ہوئی۔ اس کو حکم دیا کہ ذرا پرے ہٹ کر بیٹھ جا اور میری باتوں کا جواب دے۔ دوسری طرف اس نے پہلے غلام سے کہا کہ میں تیرے ساتھی سے باتیں کرتا ہوں، اتنی دیر میں تو حمام میں جا کر نہا دھو لے۔ جب وہ چلا گیا تو بادشاہ نے گندہ دہن غلام سے مخاطب ہو کر کہا کہ تیرے ساتھی نے تیرے بارے میں جو کچھ کہا ہے تو مجھے ویسا معلوم نہیں ہوتا۔ اس نے تجھے چور، بدمعاش، آوارہ منش، مخنث اور نہ جانے کیا کیا

کہا۔ تاہم میرا دل کہتا ہے کہ تم بہت عقل مند ہوں اور تمہارا ساتھی تمہارے پاسنگ بھی نہیں تم بھلا اس زبان دراز کو کیسا سمجھے ہو۔

غلام نے دست بستہ عرض کی حضور میرا ساتھی بڑا راستگو ہے اور صرف راست گو ہی نہیں بلکہ نیک خوئی، حیا، علم، دینداری اور احسان وسخا کا پتلا ہے۔ یہ اوصاف فی الحقیقت اس کی فطرت میں ودیعت کیے گئے ہیں۔ اس نے جو کچھ میرے بارے میں کہا ہے میں اس کو تہمت نہیں کہہ سکتا۔ اب بادشاہ اس کی نظر میرے جن عیبوں پر گئی ہے میں اپنی کمزوریوں کی بنا پر ان کو نہیں دیکھ سکا۔ ورنہ ضرور ان کی اصلاح کرنے کی کوشش کرتا۔

بادشاہ نے کہا شاید تو کسی مصلحت اور خوف کی بنا پر ایسی کر رہا ہے۔ ارے میاں کسی بات کا خوف نہ کر اور جس طرح اس نے تیرے عیوب بیان کیے تو بھی بے دھڑک اس کے تمام عیوب ونقائص بیان کر دے تا کہ مجھے معلوم ہو جائے تو میرا بھی خیر خواہ اور میرے کاروبار سلطنت کا مددگار رہے۔

غلام نے عرض کی کہ حضور آپ پوچھنے پر مصر ہی ہیں تو پھر میں اس کے عیوب بیان کیے دیتا ہوں۔ اس کا پہلا عیب یہ ہے کہ وہ نہایت وفادار، ہمدرد اور دل کا کھرا ہے، جوانمرد اور سخی ایسا ہے کہ کسی کے لئے اپنی جان تک قربان کرنے سے دریغ نہیں کرتا۔ اس کا دوسرا عیب یہ ہے کہ وہ خود بین نہیں ہے بلکہ خود ہی اپنا نکتہ چین ہے۔ وہ اپنا عیب خود ہی ڈھونڈ کر بیان کر دیتا ہے۔ سب کے ساتھ نیک سلوک کرتا ہے اور خود سختیاں اٹھاتا ہے۔

بادشاہ نے کہا تو اپنے دوست کی تعریف میں کیوں مبالغہ کر رہا ہے۔ شاید اس کی تعریف کے پردے میں تو اپنے اوصاف بیان کر رہا ہے۔ ذرا سوچ سمجھ کر بات کر اور اپنے دوست کے عیب جلدی بیان کر دے ایسا نہ ہو کہ میں اس کا امتحان لوں اور تجھ کو شرمسار ہونا پڑے۔

غلام نے کہا حضور میں خدائے بزرگ و برتر کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں ریاکاری سے کام نہیں لے رہا۔ بلکہ جو کچھ میں نے بیان کیا ہے میری ساتھی کے اوصاف فی الحقیقت اس سے سوگنا ہیں۔ اس کے جس قدر اوصاف کا مجھ کو علم ہے وہ اگر بیان کروں تو آپ اعتبار نہیں کریں گے۔

بادشاہ سمجھ گیا کہ یہ غلام اپنے ساتھی کی پیٹھ پیچھے برائی نہیں کرے گا۔ چنانچہ نے گفتگو کا موضوع بدل دیا اور دوسری باتیں چھیڑ دیں۔ غلام نے نہایت حسن وخوبی سے بادشاہ کے سوالوں کے جواب دیئے۔ یہاں تک کہ وہ اس کے بلند اخلاق اور فہم وفراست کا دل سے قائل ہوگیا۔ اب اس نے اس غلام کو کسی کام کے لئے بھیج دیا اور دوسرا غلام جب حمام سے نکلا۔ اس کو اپنے پاس بلایا اور کہا کہ خدا تجھ کو ہمیشہ تندرست رکھے۔ تمہاری پاکیزہ صورت اور سیرت کو دکھ کر میرا دل بہت خوش ہوا ہے۔ افسوس کہ تجھ میں وہ عیوب نہ ہوتے جو تمہارے ساتھی نے بیان کیے ہیں۔

غلام نے کہا حضور اس بے دین نے میرے بارے میں کیا بکواس کی ہے۔ آپ اس کی طرف اشارہ ہی فرمادیں۔

بادشاہ نے کہا کہ سب سے پہلے اس نے تیری منافقت بیان کی کہ تو ظاہر میں کچھ اور باطن میں کچھ ہے۔ دیکھنے میں تو دوا معلوم ہوتا ہے لیکن اصل میں درد ہے۔

یہ سن کر اس غلام کا چہرہ فرط غضب سے تمتمانے لگا اور دوسرے غلام کے خلاف جو منہ میں آیا کہہ دیا۔ اس بے چارے کی ذات میں سو سو طرح کے کیڑے ڈالے اور کوئی عیب ایسا نہ تھا جس نے اس کو متہم نہ کیا۔ بادشاہ حیران ہوکر اس کی باتیں سنتا رہا۔ جب اس کی دشنام طرازی کا طوفان کسی طرح تھمنے میں نہ آیا تو بادشاہ نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا اور کہا بس بس مجھ کو تیری حقیقت معلوم ہوگئی۔ میں نے تم دونوں کی آزمائش کرلی اور اس نتیجے پر پہنچا ہو کہ تیرا باطن گندہ ہے اور دوسرے کا صرف منہ، پس اے بدباطن تو مجھ سے پرے ہٹ کر بیٹھ میں نے فیصلہ کرلیا ہے کہ

تیرے ساتھی کو حاکم مقرر کروں اور تجھ کو اس کی ماتحتی میں دے دوں ۔ بزرگوں نے کیا خوب فرمایا ہے کہ انسان کی راحت زبان کی حفاظت کرنے میں ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ ظاہرداری (ریاکاری) کی تسبیح ایسی ہے جیسے کوڑے کرکٹ کے ڈھیر پر سبزہ اگا ہوا ہو۔

یقین کرو کہ اچھی اور دلکش صورت بری خصلتوں کے ساتھ چار جو کے برابر بھی قابل قدر نہیں ۔

اور اگر صورت حقیر اور ناپسندیدہ ہو لیکن اس کے ساتھ اخلاق اچھے ہوں تو اس کے قدموں پر مر جانا بہتر ہے۔

ف

فن نقاشی کا مقابلہ:

ایک دفعہ چینیوں اور رومیوں میں اس بات پر مقابلہ ٹھن گیا کہ ان میں سے کس کو فن نقاشی پر برتری حاصل ہے۔ بادشاہ وقت نے کہا کہ میں تم دونوں کا امتحان لوں گا اور پھر فیصلہ کروں گا کہ کس کا دعویٰ سچا ہے۔ چینیوں نے کہا بہت بہتر ہم خوب محنت کریں گے۔ رومیوں نے کہا ہم بھی اپنا کمال دکھانے میں اپنی جان لڑا دیں گے۔

دونوں اطراف سے باہمی گفتگو کے بعد فیصلہ کیا گیا کہ وہ ایک دوسرے کے آمنے سامنے دو مکان سنبھال لیں اور ان میں اپنی اپنی نقاشی کا کمال دکھائیں۔

چینیوں نے بادشاہ سے سینکڑوں قسم کے رنگ طلب کیے اور وہ اس نے مہیا کر دیئے۔ لیکن رومیوں نے بادشاہ سے کوئی چیز طلب نہ کی اور اپنے مکان کو صیقل کرنے میں مشغول ہو گئے۔ یہاں تک کہ اس کی دیواریں آئینہ بن گئیں۔ ادھر چینیوں نے رنگوں کی آمیزش سے ایسے دلفریب نقش و نگار بنائے کہ ان کو دیکھ کر عقل چکرا جاتی تھی۔ مقابلہ کے دن بادشاہ پہلے چینیوں کی طرف گیا اور ان کے بنائے ہوئے نقش و نگار دیکھ کر دنگ رہ گیا۔ پھر وہ رومیوں کی طرف گیا۔ انہوں نے اپنے کام پر سے پردہ اٹھایا تو چینیوں کے تمام نقش و نگار ان کی صیقل کی ہوئی دیواروں میں منعکس ہو گئے اور ایسا دلآویز منظر پیش کیا کہ آنکھیں اس کو دیکھ کر سیر نہ ہوتی تھیں۔ بادشاہ نے فوراً فیصلہ صادر کر دیا کہ رومی چینیوں سے بازی لے گئے ہیں۔

اے بیٹے رومیوں کی مثال ان باخدا صوفیوں کی سی ہے جو عالم اور ہنرمند تو نہیں ہیں انہوں نے اپنے سینوں کو طمع، حرص، بخل اور کمینہ کے زنگ سے پاک کر لیا ہے۔ یہاں تک کہ آئینہ کی سی صفائی ان کے دل کا وصف بن گئی ہے جس میں جمال الٰہی منعکس ہو جاتا ہے۔

ق

قرض کا حلوہ:

اگلے زمانے میں شیخ احمد خفرویہؒ نام کے ایک صاحب کمال بزرگ ہوئے ہیں، لیکن وہ اپنے کمال کو کسی پر ظاہر نہیں کرتے تھے اور ہمیشہ اسے چھپانے کی کوشش کرتے۔ ان کی یہ عادت عجیب تھی کہ دولت مندوں سے سینکڑوں ہزاروں کی رقمیں قرض لیتے اور دل کھول کر فقرا اور مسکین پر صرف کرتے۔ اسی قرض کی رقم سے شیخ احمد خفرویہؒ نے ایک بڑی خانقاہ بنوائی جس میں اہل عشق آ کر ٹھہرتے اور شیخ ان کی خدمت گزاری میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کرتے یہ بات بھی حیرت انگیز ہے کہ حق تعالی انہیں ہر جگہ اور ہر شخص سے قرض دلوا دیتا تھا جس دولت مند سے قرض مانگتے وہ کبھی انکار نہ کرتا اور نہ یہ پوچھا کہ اے شیخ میری رقم کب واپس کرو گے؟

غرض حضرت شیخ نے ایک عرصہ دراز اسی طرح گزار دیا ادھر قرض لا ادھر سب ضرورت مندوں میں بانٹ دیا اپنے پاس ایک حبہ بھی نہ رکھا۔ نوبت بایں جا رسید کہ پیغام اجل آن پہنچا مرض الموت کے آثار نمودار ہوئے شیخ کے مریدوں نے رونا پیٹنا شروع کیا خدا کی قدرت ان تمام لوگوں کو بھی شیخ احمد خفرویہ کے بیمار ہونے کی خبر ملی جن سے انہوں نے بڑی بڑی رقمیں ادھار لی تھیں ایک ایک کر کے وہ بھی بالیں پر آ گئے اور لگے تقاضا کرنے ادھر شیخ خفرویہ کی شمع کی مانند آہستہ آہستہ پگھل رہے تھے، ادھر قرض خواہوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا جاتا تھا۔ آخر شیخ نے کہا:

گھبراتے کیوں ہو خدا بھروسہ رکھو وہ کوئی نہ کوئی انتظام ضرور فرمائے گا۔ شیخ کا یہ ارشاد سن کر قرض خواہوں نے منہ بنا کر کہا معلوم ہوتا ہے شیخ کے حواس رخصت ہوئے بھلا ایسے موقع پر خدا قرض ادا کرنے کے لئے فرشتے کے ہاتھ چار سو اشرفیاں روانہ کرے گا؟ قرض خواہوں کی تمام رقم ملا کر چار سو اشرفیاں ہی تھیں وہ سب مایوس ہو چکے تھے کہ شیخ کے پاس ایک پھوٹی کوڑی بھی نہیں بھلا چار سو اشرفیاں کہاں سے

دیں گے! شیخ نے فرمایا:

صد افسوس ہے ان دولت مندوں کے دینی افلاس پر انہیں خدا کی ذات پر ذرا بھروسہ نہیں کہتے ہیں بھلا خدا کہاں سے چار سے اشرفیاں فرشتے کے ہاتھ روانہ کرے گا اوئے بدبختو خدا ہر فعل پر قادر ہے۔

ابھی شیخ یہ باتیں کر رہی رہے تھے کہ باہر گلی میں ایک حلوہ فروش لڑکے نے آواز لگائی تازہ حلوہ! شیریں حلوہ! گرم گرم حلوہ، شیخ خفرویہ نے یہ آواز سن کر اپنے خادم کو حکم دیا جاؤ اور حلوہ فروش لڑکے سے تمام حلوہ خرید کر ان قرض خواہوں کو کھلاؤ یہ بہر حال ہمارے مہمان ہیں اور ان کی ضیافت ہمارا فرض ہے۔

شیخ کا حکم پا کر خادم باہر گلی میں گیا اور لڑکے سے پوچھا کہ حلوے کا سارا تھال کتنے میں دو گے؟ لڑکے نے کہا نصف دینار اور پانچ درہم میں خادم کہنے لگا ہم فقیروں اور درویشوں سے زیادہ قیمت نہ لو نصف دینار قیمت میں سارا حلوے دے دو حلوہ فروش نے کہا بہت بہتر لے لیجئے خادم نے وہ تھال اس سے لیا اور شیخ کے سامنے رکھ دیا شیخ نے فرمایا سارا حلوہ اس فقیر کی طرف سے مہمانوں میں تقسیم کروں حلوہ گرم اور تازہ تھا سب کے منہ میں پانی بھر آیا اجازت ملتے ہی حلقہ بنا کر بیٹھ گئے، تھال درمیان میں رکھ لیا اور چند لمحوں کے اندر اندر پونچھ کر صاف کر دیا تھال خالی ہوتے ہی حلوہ فروش لڑکے نے اٹھا لیا اور شیخ سے کہا حضرت لائیے نصف دینار حلوے کی قیمت ادا کیجئے شیخ نے کہا:

اے فرزند، قیمت میرے پاس کہاں، ساری زندگی قرض لے لے کر گزر بسر کرتا رہا ہوں۔ اب آخری وقت آیا ہے۔ یہ دیکھ تمام قرض خواہ تقاضے کے لئے بیٹھے ہیں، تو بھی ان میں بیٹھ جا۔

شیخ کا یہ ارشاد سن کر لڑکے نے مارے رنج اور غصے کے تھال زمین پر پٹخا اور بری طرح رونے لگا رونے کے ساتھ ساتھ دہائی دیتا جاتا کہ ہائے مجھے ٹھگ لیا لوٹ لیا

کیا منحوس وقت تھا جس میں اس خانقاہ کے دروازے پر آیا اور آواز لگائی مجھے کیا خبر تھی کہ اس شیخ کے بھیس میں کوئی ڈاکو ہے اب میں اپنے استاد کے پاس خالی ہاتھ کیسے جاؤں گا وہ مار مار کر میری چمڑی ادھیڑ دے گا۔

لڑکے کا بیان سن کر بہت سے لوگ وہاں جمع ہو گئے قرض خواہوں نے بھی شیخ خفرویہ پر بڑی ملامت کی یہ کیا بے ہودہ حرکت مرتے مرتے کی ہے؟ ذرا شرم نہ آئی؟ خدا کو کیا منہ دکھاؤ گے۔

شیخ یہ سب کڑوی کسیلی سنتے رہے اور بادل میں چھپے ہوئے چاند کی طرح اپنے کمبل میں منہ دیے چپکے پڑے رہے ظہر کا وقت حلوہ فروش کا لڑکا آنسو بہاتا رہا لیکن شیخ نے ایک بار بھی اس کی طرف دیکھا نہ کوئی بات کی آخر تماشائیوں نے آپس میں فیصلہ کیا کہ سب لوگ تھوڑے تھوڑے پیسے جمع کر کے اس لڑکے کو دے دیں شیخ نے کمبل میں سے منہ نکال کر کہا:

کوئی شخص اس لڑکے کو کچھ نہ دے یہ میرا حکم ہے شیخ خفرویہ کا لب ولہجہ ایسا پر رعب تھا کہ کسی کو حکم خلاف ورزی کرنے کی مجال نہ ہوئی ظہر کی نماز کے بعد کیا دیکھتے ہیں کہ ایک شخص بڑا سا خوان سر پر دھرے چلا آتا ہے اس نے آتے ہی یہ خوان شیخ خفرویہ کے سامنے رکھ دیا اور سلام کر کے عرض کیا میرے آقا نے یہ نذر آپ کی خدمت میں بھیجی ہے اور کہا ہے کہ اگر آپ اسے قبول فرمائیں تو بڑا احسان ہو، شیخ نے اپنے خادم کو اشارہ کیا اس نے سرپوش ہٹایا اور حاضرین مجلس نے شیخ کی کرامت دیکھی سب ایک دم روتے ہوئے شیخ کے قدموں میں گر گئے اور ہر شخص اپنی گستاخی کی معافی چاہنے لگا خوان میں چار سو دینار ایک طرف اور نصف دینار دوسری طرف رکھا تھا۔

شیخ خفرویہ نے فرمایا میں نے ہر شخص کی بدزبانی اور گستاخی کو صدق دل سے معاف کیا تم لوگوں کو اتنی دیر تک رو کے رکھنے کا مقصد یہ تھا کہ میں نے حق تعالی سے

دعا کی تھی کہ اس موقع پر تو ہی بیڑا پار کر سکتا ہے چنانچہ خدا نے اس حلوہ فروش بچے کو یہاں بھیج کر راستہ نکال دیا، اس لڑکے کے نصف دینار اگر چہ مالیت میں حقیر ہے لیکن اسی پر لڑکے کا اضطراب اور رونا تڑپنا موقوف تھا حق تعالیٰ نے فرما دیا تھا کہ جب تک طفل حلوہ فروش آنسو نہ بہائے گا ہماری سخاوت کا دریا جوش میں نہ آئے گا۔

اے عزیز، اس کہانی پر غور کر وہ طفل حلوہ فروش کون ہے؟ وہ تیری چشم گریاں ہے اگر تو چاہتا ہے کہ تیرا حصہ بر آئے تب چشم گریاں سے کام لے جب تک نہ روئے گا کامیابی و کامرانی محال ہے۔

ک
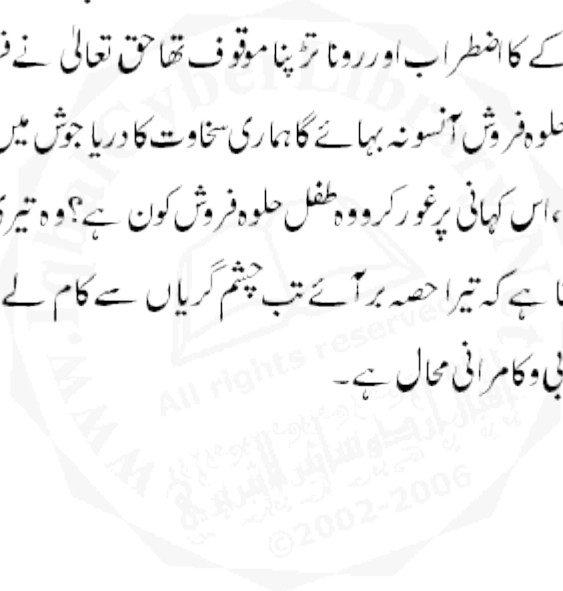
کمینے کی دوستی:

پرانے وقتوں کا ذکر ہے کہ ایک شہری کی کسی دیہاتی سے شناسائی ہو گئی جب کبھی دیہاتی شہر میں آتا تو اسی شہری کے گھر ڈیرہ لگاتا اور دو دو تین تین مہینے اس کا مہمان رہتا۔ اس دوران شہری خوشی خوشی اس کی تمام ضرورتیں پوری کرتا اور اس کی خدمت میں رات دن ایک کر دیتا۔ ایک دن دیہاتی نے شہری سے کہا بھائی جان آپ کبھی ہمارے گاؤں میں تشریف نہیں لاتے۔ آج کل بہار کا موسم ہے کیا خوب ہو اگر بال بچوں سمیت غریب خانہ پر قدم رنجہ فرمائیں۔ اگر اب فرصت نہ تو گرمیوں میں تشریف لائیے اس وقت پھلوں کا موسم ہوتا ہے۔ آپ کی خدمت کا خوب موقع مل سکے گا۔ اپنے اہل وعیال اور دوست احباب کو بھی ساتھ لائیے اور تین چار ماہ دلجمعی سے ہمارے گاؤں میں قیام فرمائیے۔ موسم بہار میں تو دیہات کی فضا بڑی خوشگوار ہوتی ہے۔ ہر طرف سبزہ لہلہاتا ہے۔ اور پھول جھومتے ہیں آپ دیکھیں گے تو خوش ہو جائیں گے۔

شہری اس کی باتیں سن کر کہہ دیتا کہ اچھا بھئی کبھی موقع ملا تو ضرور آئیں گے۔ دیہاتی جب زور دیتا تو وہ کوئی نہ بہانہ تراش کر اس کو ٹال دیتا۔ کبھی کہتا کہ فلاں جگہ سے ایک مہمان آیا ہوا ہے۔ کبھی کہتا اس سال بہت ضروری کاموں میں مصروف ہوں۔ اگلے سال فرصت ملی تو ضرور آؤں گا۔ ہوتے ہوتے انہی تقاضوں اور وعدوں میں آٹھ برس گزر گئے۔ دیہاتی ہر سال آتا اور بامروت شہری دل کھول کر اس کی خدمت کرتا۔ ایک دفعہ وہ مسلسل تین مہینے شہری کے گھر میں براجمان رہا اور صبح وشام خوب خوب دعوتیں اڑائیں۔ جاتے وقت شرماتے ہوئے کہنے لگا کہ صاحب ہمیں کب تک دھوکے میں رکھو گے۔ آپ کا انتظار کرتے کرتے اب تو ہماری آنکھیں بھی پتھرا گئیں ہیں۔

شہری نے کہا کہ بھائی تمہارے ہاں جانے کو میرا جی تو بہت چاہتا ہے لیکن ہر کام کا ایک وقت مقرر ہے انسان تو ایک بادبانی کشتی کی مانند ہے اس کشتی میں اسی وقت حرکت پیدا ہوسکتی ہے جب اللہ تعالیٰ ہوا چلائے گا۔

دیہاتی نے اب اس کی تعظیم دے کر کہا کہ اس سال بال بچوں کے ہمراہ ضرور تشریف لائیے۔ پھر اس ہاتھ پکڑ کر تین بار وعدہ لیا ضرور آنا۔ شہری نے گاؤں جانے کی حامی تو بھرلی لیکن پھر ایسے کاموں میں مشغول ہوا کہ دو برس اور گزر گئے۔ ایک دن اس کے بچوں نے کہا کہ ابا جان چاند بادل اور سایہ بھی سفر کرتے ہیں۔ آپ نے اپنے دیہاتی دوست کی مہمان داری اور خدمت میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی اور خود تکلیف اٹھا کر بھی اس کو آرام پہنچایا ہے۔ اس بیچارے کو بھی اپنے احسانات کا حق ادا کرنے کا ایک بار موقع دیجیے۔ وہ کئی بار اصرار اور خوشامد سے آپ کو اپنے ہاں آنے کی دعوت دے چکا ہے۔ اگر آپ نہ جائیں گے تو اس کا دل ٹوٹ جائے گا۔

شہری نے کہا کہ تم سچ کہتے ہو لیکن داناؤں نے کہا ہے کہ جس سے تم نے بھلائی کی ہے اس کے شر سے بچو۔ اس وقت تو اس نے بچوں کو ٹال دیا لیکن دیہاتی نے خوشامد کا کچھ ایسا جال بچھایا تھا کہ آخر شہری اس کی دلداری کے لئے گاؤں جانے پر آمادہ ہو ہی گیا۔ بچوں کو معلوم ہوا تو وہ مارے خوشی کے پھولے نہ سماتے تھے۔ جس دن شہری اپنے اہل وعیال سمیت گاؤں کی طرف روانہ ہوا وہ اس کے بچوں کے لئے گویا عید کا دن تھا۔ گو سفر بڑا طویل اور صبر آزما تھا لیکن گاؤں جانے کی خوشی میں وہ اس کو دوڑ بھاگ کر طے کر رہے تھے۔ ان کے دلوں اور دماغوں میں گاؤں کی پر بہار فضا بسی ہوئی تھی اور اسی کے تصور میں ان کا راستہ ہنسی خوشی کٹ رہا تھا۔ جب وہ کسی پرندے کو گاؤں کی جانب پرواز کرتا دیکھتے تو ان کا جی چاہتا کہ اس کی طرح اڑ کر وہ بھی جلد از جلد گاؤں جا پہنچیں۔ جہاں ہر قسم کی آسائشیں ان کا انتظار کر رہی ہیں اگر راستے میں کسی دیہاتی کو دیکھتے تو اس کو بے اختیار گلے لگا لیتے اور پوچھتے کہ بھائی تو

نے ہمارے عزیز دوست کو بھی دیکھا ہے۔ اس طرح یہ تھکا ماندہ قافلہ ایک ماہ کے پر صعوبت سفر کے بعد گاؤں جا پہنچا۔ اب سنو کہ وہ دیہاتی نہایت مکار اور احسان فراموش تھا۔ اس کو شہری کی آمد کا حال معلوم ہوا تو انجام بن کر کہیں ادھر ادھر ہو گیا۔ دراصل یہ شخص بڑا کمینہ اور بدفطرت تھا اور شہری کی مہمانداری سے بچنا چاہتا تھا بے چارہ شہری لوگوں سے اس کے گھر کا پتہ پوچھ کر بڑی بے تکلفی سے وہاں پہنچا لیکن اس کمینے کے اہل خانہ نے اپنے گھر کا دروازہ بند کر لیا۔ شہری کو غصہ تو بہت آیا لیکن اب کیا ہو سکتا تھا مجبور ہو کر اپنے بال بچوں سمیت دروازے کے سامنے ہی ڈیرہ لگا لیا۔ دن کو سورج کی گرمی میں تپتے تھے اور رات کو سردی میں ٹھٹھرتے رہتے تھے۔ جوں ہی وہ دیہاتی نظر آتا شہری اس کو سلام کرتا اور اس کو یاد دلاتا کہ میں تمہارا فلاں دوست ہوں دیہاتی اس کو دور ہی سے جواب دیتا تھا کہ میں نہیں جانتا تو کون ہے۔ میں تو دن رات ذکر حق میں مشغول رہتا ہوں اور غیر اللہ کے سوا مجھ کو کسی کا ہوش نہیں۔

شہری کہتا تھا کہ شاید قیامت کا وقت آ گیا ہے کہ بھائی سے بھائی بھاگتا ہے ارے بھائی کیا تو برسوں میرا مہمان نہیں رہا آخر تیری خدمت میں میں نے کونسی کوتاہی کی تھی لیکن بے حیا دیہاتی اس کو یہی جواب دیتا تھا کہ معلوم نہیں تو کیا بکتا ہے۔ میں نے تو کبھی تیری شکل نہیں دیکھی۔ اسی حالت میں بیچارے شہری کو پانچ دن گزر گئے۔ پانچویں شب کو غضب کی بارش ہوگئی۔ شہری اور اس کے بچے پانی میں شرابور ہو گئے۔ بیچاروں کے پاس سر چھپانے تک کی جگہ نہ تھی جس طرح شریف لوگ بے بسی کے عالم میں کمینوں کے محتاج ہو جاتے ہیں اسی طرح شہری بھی مجبور ہو کر دیہاتی کے دروازے پر گیا اور بہت رویا دھویا وہ ظالم تیوری چڑھائے ہوئے دروازے پر آیا اور پوچھا کہ آخر تو کیا چاہتا ہے؟

شہری نے کہا بھائی میں نے اپنے سب حقوق چھوڑے جو کچھ میں سمجھا تھا بلاشبہ

وہ غلط تھا۔ جلا دینے والی دھوپ اور خون منجمد کر دینے والی سردی میں میں نے جو پانچ دن گزارے وہ پانچ برس کے برابر تھے لیکن اب بارش کی تکلیف اٹھانے سے میری اور میرے بچوں کی قوت برداشت جواب دے گئی ہے۔ خدا کے لئے ہمیں اپنے مکان کے کسی گوشے میں پناہ لینے دے۔ خدا آخرت میں تجھ کو اس کی جزا دے گا اگر تجھے یہ منظور نہیں پھر مجھے قتل کر ڈال میں اپنا خون تجھ پر حلال کرتا ہوں۔

دیہاتی نے کہا کہ میں نے اپنے مکان کا گوشہ باغبان کو دے رکھا ہے۔ ہم نے اس کو بھیڑیئے سے جانوروں کی حفاظت بھی سونپ رکھی ہے۔ اس مقصد کے لئے ہم اس کو تیر وکمان دے دیتے ہیں تاکہ اگر بھیڑیا آئے تو اس کو مار دے اگر تو یہ کام کر سکتا ہے تو وہ جگہ ہم تجھے دے دیتے ہیں ورنہ کوئی اور جگہ ڈھونڈ لے۔ شہری نے کہا کہ اس وقت میں ایسی سو خدمتیں کرنے کے لئے تیار ہوں۔ تیر وکمان میرے حوالے کیجئے اور پھر دیکھئے کہ آپ کے باغ اور مویشیوں کی کس مستعدی سے نگرانی کرتا ہوں۔ اگر بھیڑیئے کی بھنک بھی میرے کانوں میں پڑ گئی تو آواز پر تیر چلا کر اس کو ہلاک کر دوں گا۔ غرض اس وعدہ پر وہ اپنے اہل وعیال سمیت باغبان کی کوٹھڑی میں آ گیا۔ وہ جگہ نہایت تنگ اور سیلی تھی اور اس پر کیڑے موڑے مستزاد، بے چارے مصیبت میں پھنس گئے۔ ساری رات ان کی زبان سے یہی نکلتا تھا کہ یہ نا اہل اور کمینے سے دوستی کی سزا ہے بہر حال شہری تیر وکمان ہاتھ میں لئے اپنا فرض بجا لا رہا تھا رات کے پچھلے پہر بھیڑیئے کی قسم کے ایک جانور نے ٹیلے کی اوٹ سے سر نکالا۔ شہری نے تاک کر اس پر تیر چلایا تو وہ جانور زمین پر گر پڑا اور اس کی ہوا خارج ہوگئی۔ دیہاتی نے یہ آواز سنی تو وہیں سے دہائی دینے لگا کہ ارے ظالم یہ تو نے کیا غضب کیا۔ یہ تو میرا خر بچہ تھا تو نے اس کا ناحق مار ڈالا۔ شہری نے کہا ہرگز نہیں یہ تو بھیڑیا تھا تم اچھی طرح تسلی کر لو۔ دیہاتی نے کہا کہ میں اپنے خر بچہ (گدھی کے بچے) کی آواز خوب پہچان لیتا ہوں۔ شہری کا پیمانہ صبر اب لبریز ہو گیا اس نے

لپک کر دیہاتی کا گریبان پکڑ لیا اور کہنے لگا اے مکار کمینے! تو اس اندھیرے رات میں اپنے خر بچے کے گوزکی آواز پہچان لیتا ہے لیکن نہیں پہچانتا تو اس شخص کو جس نے دس برس تک دل و جان سے تیری خدمت کی ہے تو دعویٰ کرتا تھا کہ غیر اللہ کے سوا تجھے کسی شے کا ہوش نہیں ہے اور تو ہر وقت عالم تحیر میں رہتا ہے لیکن اللہ کی غیرت جوش میں آئی تو بچے کی گوز کی آواز نے تجھے رسوا کر دیا۔ حق تعالیٰ مکاروں اور کمینوں کو اسی طرح رسوا کرتا ہے۔ تجھے عشق الٰہی کا دعو ہے لیکن فی الحقیقت تو شیطان کا عاشق ہے ارے بد بخت ان چالبازوں کو چھوڑ اور عاشقان الٰہی کا دامن پکڑ کر سیدھا راستہ اختیار کر۔

کل کی فکر:

ایک سرسبز اور شاداب جزیرے میں ایک گائے رہتی تھی۔ وہ صبح کو چرنے کے لئے نکلتی اور رات تک سارے جنگل کو چر کر خوب موٹی تازی ہو جاتی تھی۔ لیکن ساری رات اس غم میں گھلتی رہتی کہ کل کیا کھاؤں گی۔ صبح تک وہ اسی فکر میں سوکھ کر کانٹا بن جاتی۔ خدا کی قدرت کہ ہر صبح وہ جنگل پھر ہرا بھرا ہو جاتا اور اس میں کمر کمر تک سبزہ اگ آتا۔ وہ گائے مزے سے یہ سبزہ رات تک چرتی رہتی اور اس کے بدن پر چربی کی تہیں چڑھ جاتی لیکن رات کو وہ پھر غم فردا کے بخار میں مبتلا ہو جاتی اور صبح تک اس قدر لاغر ہو جاتی ہے کہ جسم کی ایک ایک ہڈی نظر آنے لگتی۔ غرض یہ کیفیت برسوں تک جاری رہی اور گائے کی سمجھ میں یہ بات نہ آئی کہ جب خالق کائنات ہر روز اس کی روزی کا سامان خود مہیا کر دیتا ہے تو پھر کل کی فکر میں گھلنے کی کیا ضرورت ہے۔

یہ گائے انسان کا نفس ہے اور سرسبز جزیرہ یہ دنیا اللہ تعالیٰ انسان کو ہر روز رزق عطا فرماتا ہے لیکن انسان غم میں دبلا ہوتا رہتا ہے کہ کل کیا کھاؤں گا۔

تو سالہا سال سے کھا رہا ہے اور تیرے رزق میں کمی نہیں آئی۔ پس تو کل کی فکر

ترک کر اور ماضی سے سبق لے۔

گ

گستاخ درویش:

ایک درویش ہرات کے بازار سے گزر رہا تھا۔ اس نے ایک امیر کے غلام کو دیکھا کہ اطلس کا لباس پہنے ہوئے تھا اور کمر سے زریں ٹپکا باندھ رکھا تھا۔ درویش نے آسمان کی طرف نظر اٹھائی اور کہا:

اے خدا تو ہمارے شہر کے اس سخی رئیس سے بندہ پروری سیکھ

یہ گستاخ درویش بالکل محتاج برہنہ اور بے نوا تھا اور جاڑے کی سردہوا سے ٹھٹھر رہا تھا۔

اسی لئے وہ خودی کے عالم میں حق تعالی پر طعنہ زن ہوا۔ شاید اس کو اللہ تعالی کی ہزار ہا بخششوں پر اعتماد تھا اور اس نے ناز سے یہ کلمے کہے۔ عام لوگوں کو نہ ایسے درویشوں کی تقلید کرنی چاہئے اور نہ ان پر بدگمانی کرنی چاہئے۔

اس واقعہ کو تھوڑے ہی دن گزرے تھے کہ بادشاہ وقت اس امیر پر ناراض ہو گیا اور اس کو قید خانے میں ڈال دیا۔ اس کے ساتھ ہی اس نے امیر کے خوش لباس غلاموں پر بھی سختی کر دی اور ان کو شکنجوں میں کس کر پوچھا کہ اپنے مالک کے دفینے کا پتہ بتاؤ ورنہ میں تمہاری زبان اور ہاتھ کاٹ ڈالوں گا تمام غلام خاموش رہے۔ اس پر بادشاہ کے غضب کی آگ اور بھڑک اٹھی اور وہ مسلسل ایک ماہ تک ان پر بے جا سختیاں کرتا رہا۔ یہاں تک کہ ایک ایک کی ہڈیاں ٹوٹ گئیں لیکن کیا مجال کہ کسی کی زبان نے اپنے مالک کا بھید اگلا ہو۔

تب اس گستاخ درویش کو خواب میں ایک فرشتے نے کہا کہ اے شخص تو اللہ تعالی کو بندہ پروری کا سبق دیتا ہے۔ ذرا بندہ بننے کا سبق بھی (ان غلاموں سے) سیکھ لے۔

گائے، اونٹ اور مینڈھا:

ایک دفعہ ایک گائے، اونٹ اور مینڈھا اکٹھے کہیں جا رہے تھے۔ راستے میں انہوں نے گھاس کا ایک گٹھا پڑا ہوا پایا۔ مینڈھے نے کہا کہ اگر اس کو تین حصوں میں تقسیم کرلیں تو ہم میں سے کسی کا پیٹ بھی نہیں بھرے گا۔ بہتر یہ ہے کہ ہم میں سے جس کی عمر سب سے زیادہ ہو وہی اس کو کھالے۔ کیونکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث پاک ہے کہ بڑوں کو چھوٹوں پر مقدم رکھنا چاہئے۔ اب اے دوستو تم دونوں اپنی اپنی عمر بتاؤ تا کہ معلوم ہو جائے کہ ہم میں سب سے بوڑھا کون ہے؟

گائے اور اونٹ نے کہا کہ پہلے تو اپنی عمر بتا؟

مینڈھے نے کہا میں تو حضرت اسماعیل علیہ السلام کے زمانے کا ہوں اور اس چراگاہ میں چرا کرتا تھا جہاں حضرت ابراہیم، حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ذبح کرنے کے لئے لائے تھے اس سے تم میری عمر کی قدامت کا اندازہ کر سکتے ہو۔

گائے نے کہا تو پھر میں تم سے عمر میں بڑی ہوں کیونکہ میں تو اس جوڑی میں سے ایک ہوں جس کو حضرت آدم علیہ السلام نے سب سے پہلے جوتا تھا۔

اونٹ نے جب ان کی یہ لایعنی باتیں سنیں تو چپکے سے گردن جھکائی اور گھاس کے گٹھے کو ہڑپ کر گیا پھر کہنے لگے کہ مجھ کو اپنا زمانہ پیدائش یاد رکھنے کی ضرورت نہیں کیونکہ میرا جسم اور گردن کافی بڑی ہے اور یہی اس بات کا ثبوت ہے کہ میں تم سے کبھی چھوٹا نہیں ہو سکتا۔

مکار چڑی مار اور حریص پرندہ:

ایک چڑی مار نے کسی سبزہ زار میں جال لگایا۔ اس کے نیچے کچھ دانے ڈالے اور خود اپنے جسم پر سبز گھاس اور پتے لپیٹ کر قریب بیٹھ گیا۔ اتنے میں ایک پرندہ وہاں آیا اور دانوں کے گرد چکر کاٹنے لگا۔ اس کی نظر سبز پوش شکاری پر پڑی تو اس سے پوچھا کہ اے سبز پوش تو کون ہے اور اس جنگل میں کیسے بیٹھا ہے۔ چڑ مار نے کہا میں ایک تارک الدنیا زاہد ہوں اور محض پھول پتوں پر گزر کرتا ہوں۔ میں نے زہد و تقویٰ کا راستہ اختیار کرلیا ہے۔ کیونکہ ہر وقت اجل کو سر پر کھڑے دیکھتا ہوں۔ ایک پڑوسی کی موت نے مجھے ایسا درس عبرت دیا کہ اپنی دکان اور اہل و عیال دوست احباب سب سے کنارہ کرلیا جب ایک دن قبر ہی میں جانا ہے تو پھر اس سے دل لگانا بھلا معلوم نہ ہوا۔

پرندے نے کہا حضرت اسلام میں تو رہبانیت جائز نہیں۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے۔

چڑی مار نے اس کے جواب میں لمبی چوڑی تقریر جھاڑ دی۔ کافی دیر تک پرندے اور چڑی مار میں سوال و جواب ہوتے رہے۔ اس دوران میں پرندے کی نظر بار بار دانوں پر جاتی۔ آخر اس سے نہ رہا گیا اور چڑی مار سے پوچھا کہ یہ دانے کیسے ہیں؟

چڑی مار نے کہا یہ یتیموں کی امانت ہے۔ لوگ مجھ کو امانت دار سمجھ کر یتیموں کا مال میرے پاس رکھوا دیتے ہیں۔

پرندے نے کہا اے بزرگ محترم امانت دار اس وقت مجھے سخت بھوک لگی ہوئی ہے اور میری حالت ایسی ہے کہ اس میں میرے لئے مردار بھی حلال ہے اگر آپ اجازت دیں تو تھوڑے سے دانے کھالوں۔

چڑی مار نے مکاری سے کہا کہ اپنی ضرورت کا اندازہ تو خود ہی کر سکتا ہے بے ضرورت ایسا مال کھانا جائز نہیں بہتر تو یہ ہے کہ ضرورت میں بھی اس سے احتیاط کی جائے۔

پرندہ یہ سن کر تذبذب میں پڑ گیا لیکن آخر حرص اس پر غالب آ گئی۔ جونہی دانوں پر چونچ ماری جال میں پھنس گیا۔ بہت رویا دھویا اور واویلا کیا لیکن کچھ فائدہ نہ ہوا۔ فائدہ تو اس وقت ہوتا جب وہ حرص کے آگے ہتھیار پھینکنے سے پہلے اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا کہ اس کی حرص کی آگ ٹھنڈی ہو جائے۔ مایوس ہو کر پرندہ نے کہا کہ یہ اس کی سزا ہے جو کسی زاہد کی پر فریب باتوں میں آ جائے۔

چڑی مار نے کہا نہیں یہ تو اس حرص کی سزا ہے جو یتیموں کی امانت کھانے پر تل جائے۔

مردہ شیر، زندہ آدمی:

ایک مرتبہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جنگل میں جا رہے تھے کہ ایک بے وقوف شخص ان کے ساتھ ہو لیا جنگل میں ایک جگہ گہرے گڑھے میں ہڈیوں کا ڈھیر پڑا تھا وہ بے وقوف ہڈیوں کا ڈھیر دیکھ کر رک گیا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے کہنے لگا:

اے روح اللہ، وہ کیا اسم اعظم ہے جسے پڑھ کر آپ مردوں کو زندہ فرماتے ہیں! مجھے بھی اسم اعظم سکھا دیجئے تا کہ ان بوسیدہ ہڈیوں میں جان ڈال دوں؟ اس احمق کی یہ بات سن کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کہا خاموش ہو جا تیری زبان اس اسم کے لائق نہیں۔

وہ بضد ہوا اور کہنے لگا بہت اچھا، اگر میری زبان اسم اعظم کے لائق نہیں تو پھر آپ ہی ان ہڈیوں پر پڑھ کر دم کریں

اس نے یہاں تک اپنی بات پر اصرار کیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سخت متعجب ہوئے اور دل میں کہا الٰہی یہ کیا بھید ہے اس احمق کی اتنی ضد کس لئے ہے اپنے

مردے کو بھلا کر دوسرے مردے کو زندہ کرنے کی فکر میں ہے، حق تعالی نے حضرت عیسٰی علیہ السلام پر وحی نازل کی اس میں حیرت کی کیا بات ہے حماقت کو حماقت ہی کی تلاش ہوتی ہے، اور بدنصیبی، بدنصیبی ہی کا گھر ڈھونڈتی ہے کانٹوں کا اگنا ان کے بوئے جانے کے عوض ہے۔

اتنے میں اس بے وقوف نے پھر ان ہڈیوں پر اسم اعظم پڑھ کر دم کرنے کا تقاضا کیا اور جب انہوں نے اسے سمجھانے کی کوشش کی تو ناراض ہو کر بولا اے روح اللہ اب آپ بھی اپنا معجزہ دکھانے میں بخل سے کام لینے لگے شاید آپ کی زبان مبارک میں پہلی تاثیر نہ رہی ہوگی۔

یہ سن کر حضرت عیسٰی علیہ السلام نے ان ہڈیوں پر اسم اعظم پڑھ کر دم کیا ان کی آن میں ان ہڈیوں کے اندر حرکت ہوئی کیا دیکھتا ہے کہ ایک ہیبت ناک شکل کا قوی الجثہ شیر ہے۔ اس نے گرج کر جست کی اور اس بے وقوف شخص کو لمحہ بھر میں چیڑ پھاڑ کر برابر کر دیا، یہاں تک کہ کھوپڑی بھی پاش پاش کر ڈالی اس کا خول ایسا خالی ہوا جیسے اس میں کبھی بھیجہ تھا ہی نہیں۔

حضرت عیسٰی علیہ السلام یہ تماشا دیکھ کر حیران ہوئے اور شیر سے پوچھا اے جنگل کے درندے تو نے اس شخص کو اتنی تیزی سے کیوں چیڑ پھاڑ ڈالا؟ شیر نے جواب دیا اس وجہ سے کہ اس احمق نے آپ کو خفا کر دیا تھا اور آپ کی توہین پر اتر آیا تھا

حضرت عیسٰی علیہ السلام نے پوچھا تو نے اس کا گوشت کیوں نہ کھایا اور خون کیوں نہ پیا؟ شیر نے کہا اے پیغمبر خدا، میری قسمت میں اب رزق نہیں ہے اگر اس جہان میں میرا رزق باقی ہوتا تو مجھے مردوں میں داخل ہی کیوں کیا جاتا۔

مفلس اور پیٹو قیدی:

ایک مفلس اور بے خانماں آدمی نادہندگی کے جرم میں قید خانے میں ڈال دیا گیا۔ وہ ایسا پیٹو تھا کہ دوسرے قیدیوں کا کھانا بھی چھین کر کھا جاتا تھا۔ وہ بیچارے

اس کی دست درازی سے بچنے کی بہت کوشش کرتے لیکن وہ بھی ایک کائیاں تھا۔ ایسی پھرتی سے ان کا کھانا اڑا لے جاتا کہ وہ منہ تکتے رہ جاتے اس روز روز کی چھینا جھپٹی سے وہ ایسے تنگ آئے کہ قاضی کا نمائندہ قیدیوں کی دیکھ بھال کے لئے قید خانہ میں آیا تو ان سب نے مل کر اس سے کہا کہ قاضی صاحب کو ہمارا سلام پہنچا کر عرض کیجئے کہ اس کمینے پیٹو نے ہمارا ناک میں دم کر رکھا ہے۔ وہ ہمارے کھانے پر نہایت بے حیائی سے ہاتھ صاف کر جاتا ہے اور ہماری ساری تدبیریں اور حیلے اس کی دست درازیوں کو روکنے میں ناکام ہو گئے ہیں۔ اس کمبخت کا پیٹ ساٹھ آدمیوں کے کھانے سے بھی نہیں بھرتا اگر کوئی اس کو روکتا ہے تو بہرا بن جاتا ہے اور بڑھ بڑھ کر ہاتھ مارنے کا سلسلہ جاری رکھتا ہے۔ خدا تعالیٰ قاضی صاحب کے اقبال اور عمر میں برکت دے۔ وہ اس بسیار خود بھینس کو قید خانے سے نکال باہر کریں یا وقف کی مد سے اس کی خوراک مقرر کر دیں۔ ان کے انصاف سے کیا مرد کیا عورت سب سے خوش ہیں۔ خدا کے لئے وہ ہمارے دادرسی بھی فرمائیں۔

بامروت نمائندے نے ان قیدیوں کی شکایت تفصیل کے ساتھ قاضی کے گوش گزار کر دی۔ قاضی نے تحقیق کی تو قیدیوں کی شکایت درست پائی۔ اس نے پیٹو قیدی کو قید خانے سے بلا بھیجا اور کہا کہ ہمارے قید خانے سے دفع ہو جاؤ اور اپنے گھر جا کر مر۔ اس بے حیا نے کہا حضور میرا گھر تو آپ کا احسان ہے اور کافر کی طرح میری جنت آپ کا قید خانہ ہے۔ اگر آپ مجھے قید خانے سے نکال دیں گے تو میں بھوک اور پیاس سے مر جاؤں گا خدا کے لئے مجھ غریب کو قید خانے میں رہنے دیں۔ قاضی نے کہا تو اپنی مفلسی پر کوئی گواہ پیش کر۔ اس نے کہا میرے قید خانے کے تمام ساتھی میری مفلسی کے گواہ ہیں۔

قاضی نے کہا وہ تو تیری صورت سے بیزار ہیں اور تجھ سے پیچھا چھڑانے کے لئے یقیناً تیری مفلس کی شہادت دیں گے۔

اب عدالت کے تمام اہل کار کہنے لگے کہ جناب اس کی مفلسی اور تباہ حالی کا ہم بھی جانتے ہیں اس بارے میں ہماری گواہی لے لیجئے

قاضی نے اب دوسرا پہلو اختیار کر لیا اور حکم دیا کہ شہر میں اس کو گشت کراؤ اور اس کے افلاس اور بے غیرتی کی خوب تشہیر کرو اور لوگوں سے کہو کہ کوئی شخص اس سے لین دین نہ کرے اور نہ اس کو ایک کوڑی تک قرض دے۔ اگر آئندہ اس پر کوئی نا دہند گی کا دعویٰ کرے گا تو جرم ثابت ہو جاتے پر بھی اس کو قید خانے میں نہ ڈالوں گا اس کی مفلسی قطعی طور پر ثابت ہو چکی ہے اور اس کے پاس مطلق کوئی نقد و جنس نہیں ہے۔

سپاہی اس مفلس پٹھو کو احاطہ عدالت سے باہر لے گئے اور اس کو گشت کرانے کے لئے ایک لکڑہارے کا اونٹ پکڑ لائے۔ لکڑہارے نے بہت دہائی دی کہ اونٹ کے بغیر میرا آج کا دن اکارت جائے گا، لیکن سپاہیوں نے اس کی ایک نہ سنی اور اس پٹھو کو اونٹ پر لاد کر گلی گلی اور محلے محلے پھراتے رہے۔ اس کے ساتھ دس منادی بلند آواز سے پکار رہے تھے۔ کہ لوگو یہ شخص سخت مفلس، بے حیا پٹھو اور نا دہند ہے۔ اس کو خوب اچھی طرح پہچان لو اور ہرگز ایک پیسہ بھی اس کو قرض نہ دو۔ اگر کوئی اس پر اپنی رقم کا دعویٰ کرے گا تو دعویٰ صحیح ہونے کے باوجود اس کو قید میں نہیں ڈالا جائے گا۔ غرض اس طرح اس کی تشہیر کرتے کرتے شام ہو گئی۔ اب سپاہیوں نے اس کو آزاد کر دیا پٹھو اونٹ سے اتر کر ایک طرف جانے لگا تو لکڑے ہارے نے جو سارا دن اونٹ کے پیچھے پیچھے بھاگتا رہا تھا اس سے کہا بھائی تم نے سارا دن اونٹ پر سواری کی ہے اور میں اونٹ کے پیچھے بھاگ بھاگ کر تھکن سے چور ہو گیا ہوں۔ اب کچھ دے دو تا کہ گھاس ہی خرید لوں۔ مفلس پٹھو نے کہا ارے تیری ہوش ٹھکانے ہیں یا نہیں تجھ کو معلوم نہیں کہ سارا دن کس بات پر میری تشہیر کی گئی۔ معلوم ہوتا ہے کہ تو طمع اور حرص مین مجھ سے بھی چار ہاتھ آگے ہے۔

حاصل کلام یہ کہ طمع اور حرص کانوں کو بہرا اور آنکھوں کو اندھا کر دیتی ہے۔ یہ

انسان کو غفلت میں مبتلا کر دیتی ہے اور اس میں نہ حیا رہتی ہے اور نہ غیرت۔

منافقوں کا مسجد ضرار تعمیر کرنا:

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات اقدس باعث تکوین روزگار تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رحمت دو عالم تھے۔ لیکن منافقین حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بھی چالیں چلنے سے باز نہ آتے تھے۔ ایک دفعہ انہوں نے اعلان کیا کہ ہم دین حق کی سربلندی کے لئے ایک مسجد تعمیر کرتے ہیں۔ فی الحقیقت وہ اس مسجد کی تعمیر سے دین کی سربلندی نہیں چاہتے تھے بلکہ دین کی تخریب کے درپے تھے۔ جب انہوں نے یہ مسجد تیار کر لی اور اس کی چھت محراب، گنبد وغیرہ کھڑے کر لئے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بڑے باادب انداز میں آئے اور عرض کی کہ اے رسول برحق (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) از راہ احسان اس مسجد میں تشریف لائیے تاکہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پائے اقدس کی برکت سے یہ مسجد مبارک ہو جائے۔ اس مسجد کی تعمیر کا ایک مقصد تو یہ ہے کہ کوئی مسافر آ جائے تو وہاں صدقہ وخیرات کا کھانا اور شب باشی کے لئے جگہ پا سکے اور دوسرا مقصد یہ ہے کہ یہاں اللہ کے گھر ایک سے زیادہ ہو جائیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھوڑی دیر کے لئے اس مسجد میں ہمارے درمیان رونق افروز ہوں تو ہمارے قلوب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جمال اقدس کے نور سے منور ہو جائیں گے۔

ان لوگوں کی یہ تقریر سراسر منافقانہ تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی ان کی چال سے بے خبر تھے۔

چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سراپا رحمت تھے۔ ان کی باتیں سن سن کر متبسم ہوتے اور اچھا اچھا فرماتے جب ان لوگوں نے بے حد اصرار کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے ساتھ چلنے کے لئے آمادگی ظاہر فرمائی۔ اسی وقت غیرت حق نے آواز دی کہ ان خبیثوں کی بات مت سنیے۔ جو کچھ ان کی زبان پر ہے دل میں

اس کے الٹ ہے۔ مسجد بناتے وقت ان کا مقصد روسیاہی کے سوا کچھ نہ تھا۔ بھلا یوں کفار اسلام کی سر بلندی کب چاہتے ہیں۔ یہ تو مسلمانوں میں تفرقہ ڈالنا چاہتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں سفر (غزوہ تبوک) پر جا رہا ہوں۔ اس سے واپس آ کر دیکھوں گا۔

جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سفر سے واپس تشریف لائے تو یہ لوگ پھر مسمی صورت بنا کر حاضر ہوئے اور اصرار کرنے لگے کہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہماری نوتعمیر مسجد میں قدم رنجہ فرمائیں۔ اس قدرت بارگاہ الٰہی سے حکم ہوا کہ اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کی درخواست قبول کرنے سے صاف انکار کر دیجئے۔ اس بات پر اگر جنگ بھی چھڑ جائے تو کوئی مضائقہ نہیں۔ اب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان منافقوں کو جھڑک کر فرمایا کہ اے مکارو! خاموش ہو جاؤ تم لوگ بد باطن اور چھپے دشمن ہو۔ میں تمہارا چالوں اور حیلوں سے واقف ہوں۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے چند بھید کھولے تو ان کی پکائی ہوئی کھیر دلیا ہوگئی اور وہ خدا نہ کرے، خدا نہ کرے کہتے ہوئے واپس چلے گئے۔ تھوڑی دیر بعد یہ منافق بغل میں قرآن مجید لئے ہوئے پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنی صداقت پر قسمیں کھانے لگے۔ ان کا یہ طریق کار بھی سراسر گمراہی تھا کیونکہ کج نہاد آدمی اپنے دین پر پختہ نہیں ہوتا۔ اس لئے وہ بار بار قسم کھاتا اور توڑتا رہتا ہے۔ سچے آدمی کو قسم کی ضرورت نہیں۔ قسموں کو پورا کرنا پرہیزگاروں کا طریقہ ہے اور ان کو توڑنا احمقوں اور گمراہوں کا شیوہ ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں تمہاری قسموں کو سچا سمجھوں یا خدا کی قسم کو! جو فرماتا ہے کہ منافقین جھوٹے ہیں۔ تم لوگ بلاشبہ جھوٹے اور فریبی ہو۔ تم ہزار قسمیں کھاؤ میں ان پر یقین نہیں کرنے کا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا کہ اس نام نہاد مسجد کو گرا دیا جائے۔ اور وہاں کوڑا کرکٹ پھینکا جائے صحابہ کرامؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کی تعمیل کی

اوراس مسجد ضرار کا نام ونشان تک مٹاڈالا

اے صاحب عمل اپنے کردار کی اچھی طرح جانچ پڑتال کر کہیں اپنے باطن میں تو بھی کوئی مسجد ضرار تعمیر کر رہا ہو۔اس مسجد کے بنانے والوں کا تو تو نے خوب تمسخر اڑایا۔لیکن جب اپنے اندر نگاہ ڈالی تو خود کو بھی انہی کے زمرے میں پایا۔

ن
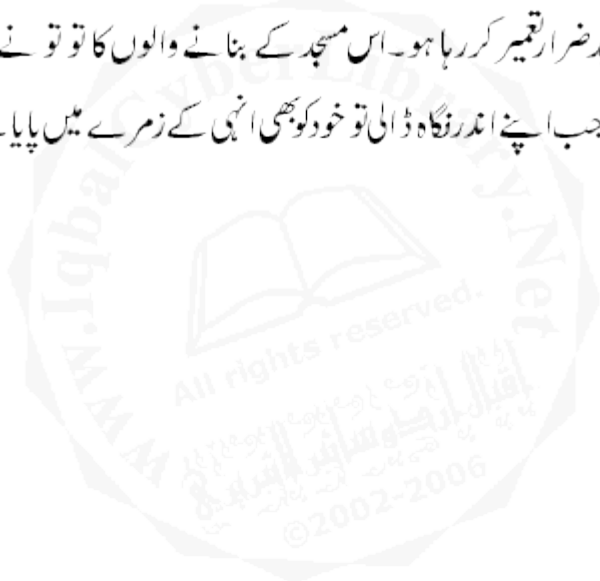
نافرمان بیٹا:

جب طوفان نوح کاظہور ہواتو حضرت نوح علیہ السلام نے نے کنعان سے فرمایا کہ آ کشتی میں بیٹھ جاتا کہ غرق نہ ہو جائے۔

کنعان نے کہا مجھے تیرنا آتا ہے اور مجھے تیری کشتی کی حاجت نہیں ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ بڑا ہولناک طوفان ہے۔اس میں تیری تیراکی کام نہ آئے گی۔

کنعان نے کہا کچھ پرواہ نہیں میں پہاڑ پر چڑھ جاؤں گا جو ہر بلا سے محفوظ ہے
حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا ایسامت کرنا کیونکہ اس وقت پہاڑ بھی ایک تنکے کے برابر ہے اور اللہ کے دوستوں کے سوا کسی کو پناہ نہ دے گا۔

کنعان نے کہا میں نے اس سے پہلے تری نصیحت کب سنی تھی جواب تو یہ امید رکھتا ہے کہ میں تیری بات مانوں گا۔مجھ کوتری بات بالکل پسند نہیں ہے میرا دونوں جہانوں میں تیرے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا کہ اے بیٹے آج کا دن اکڑنے کا نہیں ہے۔ اس نازک گھڑی میں بارگاہ الٰہی میں ناز دکھانا خطا ہے۔

کنعان نے کہا تم ایسی باتیں سالہا سال سے کررہے ہو۔اب پھر ان کا تکرار کیوں کررہے ہو۔ہر شخص نے تمہاری باتوں کا سردمہری سے جواب دیا۔اب میں خاصہ عقل مند ہوں۔اس لئے تمہاری سرد آہوں سے مجھ کو دکھ ہوتا ہے۔ان باتوں کو چھوڑو۔

حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا اے بیٹے ایک بار تو باپ کا کہنا مان لے آخر اس میں تیرا نقصان ہی کیا ہے؟

غرض حضرت نوح علیہ السلام اس کو بار بار نصیحت کرتے رہے لیکن وہ ہر بار سخت

سے سخت جواب دیتا۔ نہ باپ نصیحت کرنے سے تھکے اور نہ بد بخت بیٹے نے کوئی بات سنی۔

باپ بیٹے میں یہی سوال و جواب ہو رہے تھے کہ ایک تند و تیز موج آئی اور کنعان کو بہا کر لے گئی۔

نوح علیہ السلام نے بارگاہ خداوندی میں عرض کی الٰہی تو نے مجھ سے بارہا وعدہ کیا کہ تیرے اہل، طوفان سے بچے رہیں گے۔ تیرے وعدے سے میں مطمئن تھا لیکن اب طوفانی فوجیں میرے بیٹے کو بہا کر لے گئی ہیں۔ بارگاہ الٰہی سے ارشاد ہوا کہ وہ گم کردہ راہ تیرے اہل خویش میں سے نہ تھا۔ تو نے خود سفید اور نیلے میں تمیز نہیں کی۔ جب تیرے دانتوں کو کیڑا لگ جائے تو دانت کب رہتے ہیں ان کو اکھڑ وانے ہی میں تیری بھلائی ہے کہ تیرا باقی جسم ان کرم خوردہ دانتوں کی وجہ سے تکلیف میں نہ مبتلا ہو جائے۔

حضرت نوح علیہ السلام نے عرض کی کہ الٰہی میں تیرے غیر سے بیزار ہوں اور وہ کون غیر ہے جو تجھ سے بارانہ ہو۔

حکم ہوا کہ اے نوح علیہ السلام اگر تو چاہے تو ابھی تیرے سامنے سب مردوں کو زندہ کروں ایک کنعان کے لئے میں تیرا دل نہیں توڑوں گا۔ لیکن ذرا تجھ کو اس کے احوال سے آگاہ کرتا ہوں۔

حضرت نوح علیہ السلام نے عرض کی کہ نہیں نہیں میں تو اس بات پر بھی راضی ہوں کہ اگر تو چاہے تو مجھے بھی غرق کر دے کہ تیرے حکم سے میری موت میرے لئے زندگی ہے۔

نور کی روشنی:

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وضو سے فارغ ہونے کے بعد موزہ پہننے لگے کہ ایک عقاب جھپٹا اور موزہ اٹھا کر ہوا میں بلند ہو گیا۔ جوں

ہی اس نے موزے کو الٹایا تو اس میں سے ایک کالا سانپ نکل کر زمین پر گر پڑا۔ پھر وہ عقاب اس موزے کو واپس لایا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پیش کر کے عرض کی کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں نے یہ گستاخی مجبور ہو کر کی تھی۔ اب آپ اسے پہن کر اطمینان سے نماز ادا فرمائیے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ کا شکر ادا کیا اور فرمایا کہ ہم نے سمجھا تھا کہ اس عقاب نے زیادتی کی ہے لیکن فی الحقیقت اس نے خیر خواہی کی۔ پھر آپ نے عقاب سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ تو نے میری غمخواری کی تھی لیکن تیری حرکت مجھ کو ناگوار گزری۔ اگرچہ اللہ تعالی ہم کو غیب کی خبریں دے دیتا ہے لیکن اس وقت ہمارا دل اپنے آپ میں مشغول تھا۔

عقاب نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خدا نہ کرے کہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے غفلت سرزد ہو۔ میرا موزے میں سانپ دیکھ لینا محض آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے نور اور برکت کی بدولت تھا۔ ورنہ میری کیا بساط تھی کہ اتنی بلندی سے موزے میں پوشیدہ سانپ کو دیکھ لیتا۔ اے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! یہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہی کا عکس تھا۔ نور کا عکس بھی نورانی ہوتا اور تاریکی کا عکس تاریک ہوتا ہے۔

نحوی اور ملاح:

ایک نحوی (نحو کا عالم) کشتی میں سوار ہوا اور ازراہ تمسخر کشت کے ملاح سے مخاطب ہو کر کہنے لگا۔ تو نے کچھ نحو پڑھی ہے؟ اس نے کہا نہیں نحو نے کہا تو پھر تیری آدھی عمر برباد گئی۔ کشتی بان کو اس بات پر بڑا تاؤ آیا لیکن اس وقت چپ ہو رہا اور کوئی جواب نہ دیا۔ اتنے میں ہوا کے جھکڑ نے کشتی کو بھنور میں ڈال دیا اور کشتی ہچکولے کھانے لگی۔ ملاح نے با آواز بلند نحوی سے کہا کہ حضرت آپ کچھ تیرنا بھی جانتے ہیں؟ اس نے کہا نہیں مجھ سے تیراک ہونے کی توقع نہ رکھو۔ ملاح نے کہا تو

نحوی صاحب پھر آپ کی ساری عمر ضائع ہو گئی۔ کیونکہ کشتی اب بھنور میں ڈوبنے والی ہے۔

حاصل کلام یہ کہ کسی کو اپنے علم اور مہارت فن پر غرور نہ کرنا چاہیے۔
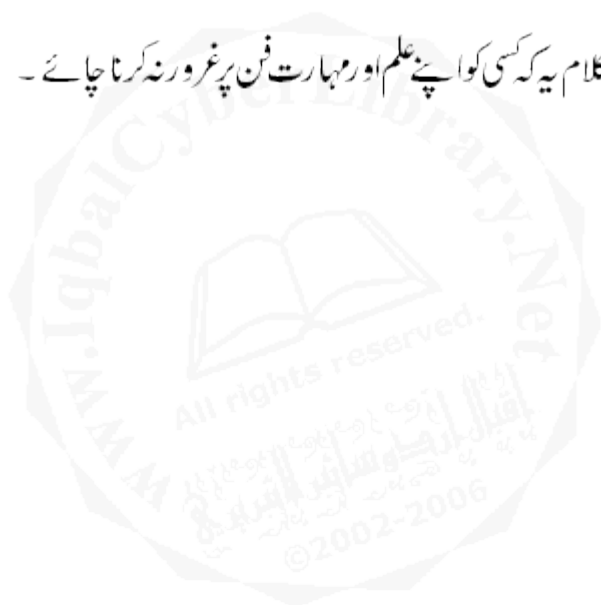
ہاتھی کیسا ہے؟

ایک دفعہ ہندوستانیوں کی ایک جماعت ایک ہاتھی کسی دوسرے **ملک** میں لے گئی اور وہاں اس کو ایک تاریک مکان باندھ دیا۔ اس **ملک** کے لوگوں نے ہاتھی نہیں دیکھا تھا۔ وہ اس کو دیکھنے کے لئے جوق در جوق اس مکان کی طرف جانے لگے۔ جس کمرے میں ہاتھی بندھا ہوا تھا وہاں بالکل تاریکی تھی اور لوگ ہاتھی کو اچھی طرح نہیں دیکھ سکتے تھے۔ ہر شخص اس کو ہاتھ سے ٹٹول کر اندازہ کرتا تھا کہ ہاتھی کہ شکل و صورت کیسی ہے۔ جس شخص کا ہاتھ سونڈ پر جا پڑا اس نے کہا کہ ہاتھی پرنالے یا نلوے جیسا ہے۔ جس کا ہاتھ کان پر پڑا اس نے کہا ہاتھی پنکھے جیسا ہے۔ جس کا ہاتھ ٹانگوں پر پڑا اس نے کہا یہ تو ستونوں کی مانند ہے اور جس نے اس کی پیٹھ پر ہاتھ پھرا اس نے کہا کہ یہ تو تخت کی طرح ہے۔ اس طرح جس شخص کا ہاتھ جہاں پڑا وہ ہاتھی کو اسی پر قیاس کرتا تھا اور سب کا بیان ایک دوسرے سے مختلف تھا۔ اگر ہر شخص شمع لے کر ہاتھی کو دیکھنے جاتا تو ان میں اختلاف کا سوال ہی نہ پیدا ہوتا۔ آنکھوں کی بینائی (ظاہری بصارت) بھی اس ہاتھی کی حیثیت رکھتی ہے جو پورے ہاتھی کی شکل و صورت معلوم کرنے پر قادر نہیں۔ اصل سمندر اور شے ہے اور اس کی جھاگ اور انسان کو چاہئے کہ جھاگ ہی کو نہ دیکھتا رہے بلکہ اصل سمندر کو بھی دیکھے جب تک اس کو دیکھنے کی سعی نہیں کرے گا اندھیرے میں ٹاک ٹوئیاں مارتا رہے گا۔

ہر کام کے انجام پر نظر رکھو:

ایک شخص کسی سنار کے پاس گیا اور اس سے سونا تولنے کے لئے ترازو مانگی۔ سنار نے کہا کہ میاں میرے پاس چھلنی کہا۔ اس شخص نے کہا بھائی مذاق کیوں کرتے ہو مجھ کو ترازو چاہیے۔ سنار نے کہا میری دکان میں جھاڑو بھی نہیں ہے۔

اس نے کہا بھائی میرا تمسخر کیوں اڑاتا ہے۔ میں ترازو مانگ رہا ہوں، مجھے

دے دے۔ حجتوں کی کیا ضرورت ہے۔ تمہارے اس طرح بہرا بن جانے سے تو میں نہیں ٹلوں گا۔

سنار نے کہا میاں میں بہرا نہیں ہوں اور نہ بہرا بن رہا ہوں۔ میں نے تمہاری تمام باتیں سن لی ہیں، لیکن ذرا سوچو تو تم کس قدر بوڑھے اور کمزور ہو۔ اپنے کانپتے ہوئے ہاتھوں سے سونا کیسے تولو گے اور پھر سونا بھی وہ جو برادے کی شکل میں ہے ظاہر ہے کہ جب تم یہ سونا تولنے لگو گے تو تمہارا ہاتھ کانپے گا اور کچھ سونا زمین پر گر پڑے گا۔ پھر لا محالہ تم مجھ سے جھاڑو مانگنے آؤ گے جب جھاڑو سے سارا گرا پڑا سونا سمیٹ کر ایک جگہ جمع کر لو گے تو پھر مجھ سے چھلنی مانگنے آؤ گے تاکہ مٹی کو چھان کر سونا الگ کر سکو۔ میں نے پہلے ہی تمہارے کام کا انجام دیکھ لیا تھا۔ اس لئے میں نے تم سے کہا کہ ہماری دکان میں چھلنی اور جھاڑ نہیں ہے۔

جو شخص کسی کا انجام پہلے سوچ لیتا ہے وہ آخر میں کبھی شرمسار نہیں ہوتا۔

ہمت نہ ہو تو ہتھیار بے کار ہیں:

ایک شخص جسم پر ہتھیار سجائے ایک عمدہ گھوڑے پر سوار کسی جنگل میں جا رہا تھا وہ دیکھنے میں بڑا ہیبت ناک اور جنگجو معلوم ہوتا تھا۔ ایک تیر انداز نے اس کو اپنی طرف آتے دیکھا تو دہشت زدہ ہو کر اپنی کمان کھینچ لی۔ سوار نے دیکھا کہ وہ تیر کی زد میں ہے تو وہ زور سے چلایا کہ بھائی تم مجھ کو خواہ مخواہ مارے ڈالتے ہو۔ گو بظاہر میں فربہ اندام ہوں لیکن حقیقت میں بالکل کمزور ہوں۔ میرے ڈیل ڈول کو نہ دیکھو۔ لڑنے میں تو میں ایک بڑھیا سے بھی کم ہمت ہوں۔

تیر انداز نے کہا تو نے بہت اچھا کیا جو اپنی حقیقت بروقت ظاہر کر دی ورنہ میں اپنی جان بچانے کے لئے ضرور تجھ پر تیر چلاتا۔

بہت سے لوگوں کو اس ہتھیار بندی نے مروا دیا جو ہمت مردانہ کے بغیر ہاتھ میں تلوار لے کر نکلتے تھے۔

بے شک تم بہادروں کے ہتھیار پہن لو لیکن تم میں ان کے چلانے کی ہمت اور اہلیت نہیں ہے تو یوں سمجھو کہ یہ ہتھیار بندی تمہاری جان لے لے گی۔

ے

یہ مسلمان ہیں:

حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے میں ایک معزز آتش پرست تھا۔ ایک مرتبہ اس سے کسی مسلمان نے کہا کیا اچھا ہو اگر تو مسلمان ہو جائے اس سے دو فائدے تجھے ہوں گے ایک دنیا میں دوسرا آخرت میں دنیاوی فائدہ تو یہ ہے کہ مسلمان تجھے اپنا سردار مان لیں گے اور آخروی فائدہ یہ ہے کہ جنت میں جائے گا۔

اس مجوسی نے کہا اگر ایمان وہ ہے جو بایزیدؒ کے پاس ہے تو مجھے اس کی تاب و برداشت نہیں بلاشبہ میں مسلمان نہیں لیکن خدا گواہ ہے کہ میں بایزید کے ایمان کا قائل ہوں میرا ایمان ہے کہ اس وقت روئے زمین پر اس سے افضل آدمی اور کوئی نہیں وہ نہایت پاک اور عقیدت ہے لیکن منہ پر مہر لگنے کے باعث کھل کر اس کا اظہار نہیں کرسکتا اب رہا وہ ایمان جو تمہارے پاس ہے اور جس کی تم مجھے دعوت دیتے ہو تو بخدا مجھے ایسے ایمان کی ضرورت ہے نہ میرے دل میں اس کی رغبت اگر کبھی کشش بھی ہو تو تم جیسے مسلمانوں کو دیکھ کر جاتی رہے، کیوں کہ تم صرف نام ہی کے مسلمان ہو اصلیت کا دور دور پتا نہیں۔

-----------اختتام---------